کلیاتِ انیس
میر ببر علی انیس
مرتب: رانا خضر سلطان

# کُلیاتِ انیس

سوانح۔۔۔مرثیے۔۔۔سلام

میر ببر علی انیس

مرتب: رانا خضر سلطان

بک ٹاک

میاں چیمبرز، 3 ٹمپل روڈ، لاہور

# کلیاتِ انیس

میر ببر علی انیس



ناشر ——— بک ٹاک، لاہور

اشاعت ——— 2014ء

طابع ——— پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور

قیمت ——— 1295/- روپے

بک ٹاک ——— میاں چیمبرز، 3- ٹمپل روڈ لاہور

فون ——— 042-36374044-36370656-36303321

# فہرست

# ابتدائیہ

''کلیاتِ انیس'' کے نام سے جو عظیم و ضخیم کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، کئی منفرد خصوصیات کی حامل ہے، پہلی بات تو یہ کہ اس تالیفی و ترتیبی کارنامے میں میر انیس کے عظیم ترین شعری فن پاروں کو روایت شکن اور روایت ساز انداز میں پیش کیا گیا ہے، مرثیوں کو اس نقطہء نظر سے منتخب کیا گیا ہے کہ ان کا انتخاب معرکہء کربلا کے واقعات کا ایک ممکنہ حد تک مربوط تسلسل اول سے آخر تک سامنے لائے، جو تخلیقات منتخب کی گئیں، وہ سب ایسی ہیں کہ جنہیں دنیائے اردو کے بلند پایہ نقاد اور مبصر میر صاحب کی نمائندہ قلمی کرشمہ کاریاں قرار دیتے ہیں، دوسری بات یہ کہ ''کلیاتِ انیس'' میں حسنِ ترتیب کا از صفحہء اوّل تا آخر خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے، پہلا حصہ مرثیوں پر مشتمل ہے، دوسرے حصے میں سلام ہیں، تیسرے حصے میں نوحے مرتب کیے گیے ہیں، جبکہ چوتھا اور آخری حصہ ''نوادراتِ انیس'' کے نام سے شامل کتاب ہے جس میں قارئین کو میر ببر علی انیس کا وہ نادر و نایاب متفرق کلام ملے گا جو عام نہیں ہے مگر آنکھوں میں رکھنے اور دل میں اتار لینے کے لائق ہے، یہ چار حصے ''کلیاتِ انیس'' کی تکمیل کرتے ہیں، اس کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پہلے حصے کے لیے جو مرثیے منتخب کیے گئے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ جنہیں عالمی ادب کے شاہکاروں کے سامنے بڑے فخر سے رکھا جا سکتا ہے، میر صاحب کی کوئی نظم آپ کو ''اوڈیسی'' سے آگے نکلتی دکھائی دے گی اور کوئی ''ایلیڈ'' سے بدتر نظر آئے گی۔ ان کا کوئی مرثیہ مہابھارت کے پائے کا رزمیہ ہوگا اور کوئی شاہنامہ کا ہمسر۔ یہ تمام مرثیے میر

انیس کو ہومر بناتے ہیں نہ فردوسی بلکہ ان عظیم فنکاروں کے ساتھ ایک جداگانہ نشان کے ساتھ لا کھڑا کرتے ہیں اور یہ ایک ایسا رفیع الشان مقام ہے جو ہمارے خطے میں میر انیس کے سوا کسی کو نہیں مل سکا اور نہ شاید کبھی مل سکے گا کیونکہ "یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا"۔

"کلیاتِ انیس" کی تمام خصوصیات بیان کرنے کے لیے اور اس نہایت گراں قدر کاوش کا اجمالاً احاطہ کرنے کے لیے بھی کئی صفحات درکار ہوں گے لیکن یہاں صرف ایک اور خصوصیت کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب میں شامل تخلیقات کا ہر شعر اپنے شاعر کی عظیمت، بڑائی، فنی مہارت، زبان دانی، تخلیقی قوت اور عرش پیما فکری توانائی کا شاہد ہے لہٰذا بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "کلیاتِ انیس" کی اشاعت سے انیس فہمی کی نئی راہیں کھلیں گی۔

"کلیاتِ انیس" کے معنوی محاسن تو ہر کسی پر عیاں ہیں لیکن اس اشاعت میں صوری محاسن کا اہتمام بھی نہایت خلوص اور لگن سے کیا گیا ہے۔ یوں یہ کتاب نہ صرف کتب خانوں کی ایک ناگزیر ضرورت ہے بلکہ نقاد، محقق، اساتذہ، طلبا و طالبات اور علم و ادب سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے اور استفادے کے عمل میں جہاں ان کی علمی پیاس بجھے گی، وہیں ان کے جمالیاتی ذوق کی بھی تسکین ہو گی۔

(ادارہ)

# انیس کا زندگی نامہ

کہا جاتا ہے کہ فنکار کا وطن تو ہوتا ہے لیکن فن کا کوئی وطن نہیں ہوتا کیونکہ فن ایک آفاقی حیثیت کا حامل ہوتا ہے بشرطیکہ خالص فن ہو اور اس کے بھی دھارے جیون کی گہرائی اور بلندی سے پھوٹتے ہوں۔

آج ہمارے سامنے ہومر کی تخلیقات ہیں، ہسیوڈ کے قلمی کارنامے ہیں، گوتم کے افکار ہیں، شیکسپیئر کے شاہکار ہیں، کیٹس کی نظمیں ہیں، غالب کی غزلیں ہیں، بائرن کے خیالات ہیں، ٹیگور کے نغمات ہیں، سقراط کے خیالات ہیں، دانتے کا طربیہ، خداوندی ہے، روسو کا عمرانی معاہدہ ہے، جان لاک، ابوالکلام آزاد، ارون دتی رائے اور جان ڈن کے فکری کمالات ہیں، سبعہ معلقات سے ہم بخوبی آشنا ہیں، عالمی ادب کے تمام بڑے فنکاروں اور ان کے شاہکاروں کو ہماری باشعور نسل کا ہر باذوق شخص سراہتا اور پسند کرتا ہے۔۔۔ لیکن کبھی بھی کسی تخلیق کو ملک، زبان، مذہب، رنگ، نسل اور اسی طرح کی کسی دوسری قید روک نہیں پائی۔ مولانا لیزا کی تحسین ہر کوئی کرتا ہے، چاہے وہ جہاں بھی رہتا ہو بشرطیکہ صحیح ذوق کا حامل ہو۔ لیونارڈو، مائیکل اینجلو اور وان گوگ کو کون بھول سکتا ہے، میر تقی میر کے درد اور جگر مراد آبادی کی روح پرور شاعری کسے متاثر نہیں کرتی اور دنیا میں کون ہے جو بیتھوون کی دھنوں پر جان نہ دیتا ہو۔

فنکار زندگی کا محسن ہوتا ہے، وہ انسانی فکر کے لیے نئی راہیں تلاش اور فراہم کرتا ہے، اور ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتا ہے۔ ہمارے خطے میں بھی ایسے بہت سے نابغہ ہائے روزگار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی تازہ فکری سے ایسے ایسے چمنستان آباد کیے، جن کا ہر پھول

فردوس بداماں ہے۔ دنیا ان عظیم ہستیوں کے علمی وفنی کمالات کی داد نہ دے، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔۔۔اور انہی ہستیوں میں سے ایک میر ببر علی انیس ہیں جنھیں ہم سب میر انیس کے نام سے جانتے ہیں۔

میر انیس کو ہندوستان یا برصغیر کے بجائے مشرق کا شاعر کہنا چاہیے اور شاعر بھی اتنا عظیم کہ جس کے منظوم شاہکار انسانی تاریخ کی عظیم ترین رزمیہ و المیہ نظموں کے ہم پلہ ہیں۔ ترجمہ ہمیشہ سے عالمی ادب کی تشکیل وترقی کا اہم ترین ذریعہ رہا ہے۔ ہم تک دوسرے خطوں کے فنکاروں اور دیگر زبانوں کے قلمکاروں کی ادبی تخلیقات تراجم ہی کی صورت میں پہنچی ہیں۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے خطے کے عظیم سخن وروں کا کلام جس مقدار اور معیار کے ساتھ دوسری زبانوں میں منتقل ہونا چاہیے تھا، نہیں ہو سکا اور یہی المیہ انیس کے ساتھ ہے۔ ان کی بلند پایہ فنی تخلیقات کو دنیا کی بڑی زبانوں میں ترجمہ کرنے کا نہایت ضروری فریضہ اب بھی تشنۂ تکمیل ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو میر انیس آج ہومر اور فردوسی کے ساتھ عالمی ادب کے علمی، ابلاغی اور تدریسی منظر پر اپنی پوری انفرادیت سمیت چھا چکا ہوتا۔ ایسا نہیں ہوا تو یہ ہماری غفلت ہے اور اگر انیس اس کے باوجود ایک عظیم سخن ور کے طور پر زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا تو یہ انیس کی اپنی عظمت ہے۔

میر ببر علی انیس جس دور میں پیدا ہوئے، وہ پورے کا پورا دور ایسا تھا کہ ہندوستان کی سرزمین کا ہر عظیم شہر نا قابلِ فراموش علمی، فنی اور ادبی شخصیات کے دم قدم سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ کے روشن ترین ستارے آسمانِ ہند کی وسعتوں میں تاحدِ نظر جگمگا رہے تھے۔

میر تقی میر، خواجہ میر درد، غلام ہمدانی مصحفی، آتش، ناسخ، مومن خاں مومن، ابراہیم ذوق اور مرزا اسد اللہ خاں غالب کا زمانہ انیس کا ماضی و حال ہے۔ میر ببر علی انیس میر حسن کو پوتے اور میر مستحسن خلیق کے بیٹے تھے۔ شاعری کئی نسلوں سے ان کے خاندان کے قابل افراد کی پہچان اور محبوب ترین ترجیح رہی تھی۔ اسی روایت کا تسلسل میر انیس تھے۔

اگر میر حسن اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مثنوی سحرالبیان کی وجہ سے پہچانے گئے تو ان کے پوتے انیس اپنے عظیم دادا کی طرح اپنے رزمیہ و المیہ کلام کی بدولت دنیائے علم و

ادب اور شعر وسخن میں باکمال اور لازوال ہوئے۔ اگرچہ اس خاندان میں "جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے" والی بات تھی لیکن جو شہرت اور مقبولیت وقبولیت میر حسن اور میر انیس کے حصے میں آئی، وہ انہی سے مخصوص ہے۔

"مثنوی سحرالبیان" جس عظیم نظم کے خالق میر حسن نے محققین کی تحقیق کے مطابق 1786ء میں (1201ہجری) عشرۂ محرم کے دوران وفات پائی اور ان کے فرزند فیض آباد کے نامور استاد میر مستحسن خلیق کے ہاں اس کے کوئی پندرہ سال بعد میر انیس پیدا ہوئے۔ انیس کس برس پیدا ہوئے؟ اس سوال کا جواب مختلف تذکرہ نگار اور محقق مختلف دیتے ہیں۔ عام طور پر 1801ء اور 1802ء کے علاوہ 1804ء اور 1805ء کو بھی ان کی ولادت کا سال بتایا جاتا ہے لیکن 1801ء کو خاص طور پر ولادتِ انیس کا سال تسلیم کیا جاتا ہے لہٰذا ہم بھی ترجیحاً یہی تسلیم کریں گے کہ میر صاحب کی ولادت 1801ء میں ہوئی اور اس سے لگ بھگ پندرہ سال قبل میر حسن نے وفات پائی، جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ انیس نے اپنے ایک مشہور مرثیے میں اپنے خاندان شرف اور مرثیہ نگاری کے لیے اپنے افرادِ خانہ کی خدمات پر فخر کا اظہار کیا ہے: چند بند ملاحظہ ہو، جن میں اپنے ذاتی کمالات گنوانے کے بعد فرماتے ہیں:

اس ثناخواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مداح
جدِ اعلیٰ سے نہ ہو گا کوئی اعلیٰ مداح
باپ مداح کا مداح ہے، دادا مداح
عمِ ذی قدر، ثناخوانوں میں یکتا مداح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا، نیک ہوا
نام بڑھتا گیا، جب ایک کے بعد ایک ہوا

☆

خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب؟
نام لے، دھولے زباں کوثر وتسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہراؑ و علیؑ، عاشقِ رب

متبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سب
ہو اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے، وہ بیرونی ہے

☆

بھائی وہ ، مونسِ خوش لہجہ و پاکیزہ خصال
جن کا سینہ گہرِ علم سے ہے مالامال
یہ فصاحت، یہ بلاغت، یہ سلاست یہ کمال
معجزہ، گر نہ اسے کہیے تو ہے سحرِ حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھیے لاثانی ہے
لطف حضرت کا ہے یہ، رحمتِ یزدانی ہے

☆

بہرکیف اپنے جن بزرگوں اور افرادِ خانہ کو انیس نے سراہا ہے، ایک دنیا انھیں سراہتی اور تسلیم کرتی ہے۔ اور یہ اس مرثیے کے بند ہیں، جس میں انیس نے فرمایا تھا:

عمر گزری ہے اس دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے، بشیر کی مداحی میں

خاندان کے بزرگوں نے میر صاحب کا نام ببر علی رکھا تھا جو بعد کو میر ببر علی انیس ہوا اور اب ہر خاص و عام میر انیس کے دولفظوں سے ہی اس عالی رتبہ ہستی کو بخوبی پہچان جاتا ہے، جس نے فن مرثیہ گوئی کو وہ بلندی عطا کی کہ یہ صنف عالمی ادب کے عظیم شاہکاروں کے پائے کی نظموں کی امین بن گئی۔ آپ رضوی سید تھے اور ماں باپ کی توجہ اور دینی شوق کی بدولت آپ نے قرآن مجید، ابتدائی مذہبی تعلیم اور لکھنے پڑھنے کے ابتدائی مراحل گھر ہی میں طے کیے۔ اس حوالے سے مستند شواہد تو موجود نہیں ہیں لیکن مذکورہ انداز ہی قرینِ قیاس ہے۔

میر انیس کے والد معروف عالم، فاضل، استاد اور نامور شاعر تھے جبکہ والدہ محترمہ فارسی زبان اور دینی علوم سے بخوبی واقف تھیں۔ اس بنیاد پر ان کے گھر ہی پر ابتدائی تعلیم

و تربیت پانے کی تائید کی جا سکتی ہے۔

محققین اور تذکرہ نگاروں کے مطابق میر انیس نے جب بچپن کی وادی سے قدم نکالے اور لڑکپن کی راہوں پر آگے بڑھے یعنی سنِ تمیز کو پہنچے تو خوش خطی اور دیگر عملی فنون کی تحصیل کی جو اس دور میں شرفا کا چلن تھا۔ اس بات کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ ان کا خط بہت صاف، اعلیٰ، عمدہ اور نفیس تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بچپن ہی سے خوش خطی کی خوب مشق کی ہوگی۔

میر انیس کو ان کے والد میر مستحسن خلیق اور ان کے عم بزرگوار میر احسن خلیق نے بھی زیورِ تعلیم سے ضرور آراستہ کیا ہوگا۔ دیگر اساتذہ کے حوالے سے میر صاحب کے سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ انہوں نے میر نجف علی صاحب سے بھی تعلیم پائی جو طب، حکمت اور فقہ میں اپنی مثال آپ تھے، شاعر اور نثر نگار تھے اور تحریر و تقریر میں علوم کا دریا سمجھے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ میر صاحب کے ایک استاد حیدر علی صاحب بھی تھے، جن سے انہوں نے ''منتہی الکلام'' کے کچھ حصے پڑھے اور ایک روایت کے مطابق مفتی محمد عباس سے ملا صدرا کی ''حکمۃ العین'' کا درس لیا تھا۔

جہاں تک میر انیس کی علمی قابلیت کا تعلق ہے تو یہ ثابت ہے کہ انہیں فارسی زبان میں کامل دستگاہ تھی، عربی سے بخوبی واقف تھے، طب سے خوب آشنائی تھی، رمل، ہیئت، فلسفہ اور منطق سے آگاہ تھے، تاریخ پر نظر تھی، حدیث کا مطالعہ حاصل تھا، جملہ علومِ معانی و بیان پر حاوی تھے، درسِ نظامی سے بھی مستفید ہوئے تھے اور شعر و شاعری کا مشغلہ تو تھا ہی، اس طرح سپاہیانہ فنون جیسے کہ نیزہ بازی، تیر افگنی، شہسواری اور شمشیر زنی انہوں نے اپنے دور کے رواج کے مطابق سیکھے تھے۔

انیس کے سبھی نقاد، مبصر، تذکرہ نگار اور سوانح نگار متفق ہیں کہ وہ فطرتاً شاعر تھے، طبع انتہائی موزوں پائی تھی۔ گھر کی علمی، ادبی اور شعری فضا نے اس کلی کو دیکھتے ہی دیکھتے پھول بنا دیا۔ ابتدا میں میر صاحب غزل گوئی کی طرف متوجہ ہوئے اور حزیں تخلص اختیار کیا۔ یہی وہ دور تھا جب انیس لکھنؤ آ کر امام بخش ناسخ سے ملے، اس ملاقات میں میر خلیق بھی تشریف فرما تھے۔ ناسخ نے انیس سے کچھ سنانے کو کہا۔ انیس نے لبوں کو جنبش دی، الفاظ

کے نگینے اس شعر کی صورت میں دلفریب معنوں کی مالا بن گئے:

کھلا باعث یہ اس بے داد کے آنسو نکلنے کا
دھوآں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

شیخ امام بخش ناسخ یہ شعر سنتے ہی جھوم اٹھے اور بے اختیار میر خلیق سے کہنے لگے: ''آپ کے یہ فرزندِ رشید یادگارِ خاندان ہوں گے اور یاد رکھیے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کو عالم گیر شہرت حاصل ہو گی، کیونکہ عنفوانِ شباب میں ان کی ترقی پسند طبیعت اپنی بے چینیاں دکھا رہی ہے۔ مگر بجائے حزیں ان کا تخلص کچھ اور ہو تو بہتر ہے''۔ میر خلیق نے جب شیخ امام بخش ناسخ سے میر ببر علی حزیں کے لیے تخلص طلب کیا تو ناسخ نے کہا: ''انیس''۔

جب انیس کی طبیعت کھلی تو کھلتی ہی چلی گئی، محققین کے اندازوں کے مطابق دس بارہ برس کی عمر سے انیس نے شعر موزوں کرنے شروع کر دیے تھے اور بیس سال کی عمر کو پہنچ کر اشعار میں پختگی اور صفائی و چستی آ چکی تھی لیکن جب انہوں نے غزل گوئی ترک کر دی تو اپنا دیوان بھی ختم کر دیا۔

پھر بھی ان کی غزل کے ایک دو نمونے تذکروں میں ملتے ہیں، چونکہ یہ نادر و نایاب نمونے ہیں جو انیس کی غزل گوئی کی یاد دلاتے ہیں لہٰذا چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وجد ہو بلبلِ تصویر کو جس کی بُو سے
اس سے گل رنگ کا دعویٰ کرے پھر کس رُو سے
شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے
آتشِ دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے؟

☆

شہیدِ عشق ہوئے قیسِ نام ور کی طرح
جہاں میں عیب بھی ہم نے کیے ہنر کی طرح
کچھ آج شام سے چہرہ ہے فق، سحر کی طرح
ڈھلا ہی جاتا ہوں، فرقت میں دوپہر کی طرح

تجھی کو دیکھوں گا جب تک ہیں برقرار آنکھیں
مری نظر نہ پھرے گی تری نظر کی طرح
انیسؔ یوں ہوا حالِ جوانی و پیری
بڑھے تھے نخل کی صورت، گرے ثمر کی طرح

میر انیس جب غزل کے میدان میں اپنی طبیعت کو اچھی طرح رواں کر چکے تو مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہوئے، ابھی باپ یعنی خلیق زندہ تھے اور لکھنؤ کے افق پر چھائے ہوئے تھے لہٰذا انیس کے ابتدائی مرثیے بہت زیادہ نہ چمک سکے۔ یہ کبھی مرثیے انہوں نے اپنے عظیم والد کی پیروی میں سادہ، مختصر اور رقت وثواب کے لیے لکھے۔ ضمیر اور خلیق نہ صرف معاصر بلکہ دوست تھے جبکہ انیس لکھنؤ میں اپنے عظیم والد کی پیش خوانی کرتے تھے۔

میر خلیق کے دوست اور معاصر ضمیر تو لکھنؤ میں رہتے تھے لیکن خلیق فیض آباد سے آتے اور مجلسیں پڑھ کر داد لیتے تھے۔ 1844ء میں میر خلیق کا انتقال ہوا۔ ان کی پانچ اولادوں میں دو صاحبزادیوں سمیت تین بیٹے میر ببر علی انیس، میر مہر علی انس اور میر محمد نواب مونس شامل تھے۔ انیس کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت چالیس سال کے قریب تھی۔ خلیق کے انتقال سے پہلے انیس کا قیام فیض آباد ہی میں تھا مگر لکھنؤ آتے جاتے رہتے تھے لیکن جیسے ہی خلیق علیل ہوئے اور چل بسے، انیس نے لکھنؤ ہی کو اپنی قیام گاہ بنا لیا۔ اب جو مجلسیں خلیق پڑھتے تھے، وہ انیس پڑھنے لگے اور جو قدر دان خلیق کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے، انہوں نے انیس کے گرد ہجوم کر لیا اور یوں ایک عظیم شاعر کا یہ عظیم فرزند صحیح معنوں میں شہرت و ناموری کی راہ پر چل نکلا، جس پر اسے بہت دور جانا تھا۔

خلیق کی زندگی میں انیس کی تخلیقی شخصیت، ضمنی شخصیت کی حامل تھی اور ہر جگہ مرکزِ نگاہ اگر تھے تو خلیق ہی تھے۔ تاہم خلیق کی وفات کے بعد باپ کی مسند انیس کے حصے میں آئی اور انہوں نے وہ شہرت و ناموری پائی کہ سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ان کی مرثیہ گوئی کا اب ایک الگ اسلوب سامنے آ چکا تھا، اسی دوران دبیر کے حریف کی حیثیت سے انہیں بہت زیادہ محنت و ریاضت سے کام لینا پڑا اور ان کا فن نکھر کر سامنے آ گیا۔

جب واجد علی شاہ اودھ کے تخت پر بیٹھے تو انہوں نے میر انیس کو ''شاہ نامہء اودھ''

کی ترتیب و تدوین کے لیے بلایا لیکن اپنی ہر نظم کو شامہ نامہء کربلا بنا دینے والے اس عظیم سخن ور نے واجد علی شاہ کی خواہش کو مسترد کرتے ہوئے ملک الشعرائے اسلام کا اعزاز پایا۔ اس طرح انیس کا اپنی انا، خودداری، احساسِ آزادی اور اپنے فن کی بلندی و برتری پر یقین نہایت پختہ ہو گیا۔ ساتھ ہی انہیں یہ احساس بھی بڑی شدت سے ہوا کہ میں تو امام عالی مقام حضرت حسینؓ کے دربار عالیہ سے وابستہ ہونے کے بارے میں سوچوں، یہ واقعہ انیس کی شخصی عظمت کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہے۔

یہ وہ دور تھا جب میر انیس اپنے فن کی ان بلندیوں پر تھے جہاں ان سے پہلے اور بعد میں کوئی نہ پہنچ سکا۔ انہوں نے میدان شاعری کے شہ سوار ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے تمام حریفوں کو نیچا دکھایا۔ سچ یہ ہے کہ دبیر کے سوا باقی سب اساتذہ انیس سے دب گئے اور جہاں تک دبیر کا معاملہ ہے تو مولانا شبلی نعمانی نے ''موازنہء انیس و دبیر'' لکھ کر دبیر پر انیس کی فوقیت اور برتری کو واضح کر دیا ہے۔

اسی دوران ہندوستان کی قسمت نے پلٹا کھایا اور جنگِ آزادی برپا ہو گئی جسے انگریزوں نے بجا طور پر اپنے خلاف بغاوت کا نام دے کر پوری طاقت سے کچلنا شروع کیا۔ ہندوستان کے کئی شہر لہو رنگ ہو گئے۔ دہلی اور لکھنؤ جو کبھی تہذیب و تمدن اور علم و فن کے مرکز تھے، ویران ہو کر رہ گئے، اہل علم پریشاں حال ہو گئے؛ عام لوگوں کی حالت کا تو ذکر ہی کیا جو زمانے کے منتخب لوگ تھے، انہیں بھی جان و تن کا رشتہ استوار رکھنا بہت مشکل معلوم ہونے لگا۔ لکھنؤ کی تمام رونقیں ماضی کا حصہ بن گئیں اور اس عظیم شہر کی گلیوں میں خاک اُڑنے لگی، پورے کا پورا ہندوستان معاشرتی ڈھانچہ ہی اس خونریز دور نے درہم برہم کر دیا تھا، بڑے بڑے نواب اور رئیس گردشِ ایام کے ہاتھوں اس قدر مجبور تھے کہ جو دیکھتا تھا کفِ افسوس ملتا ہوا اپنی خستہ حالی بھول جاتا تھا۔

جب 1857ء کی جنگِ آزادی کو کچل دیا گیا اور حالات کی گرد بیٹھ گئی تو خطہء ہند نے حیرت و حسرت سے چاروں طرف دیکھا۔ اس وقت سوائے میر مرزا کے علاوہ عہد رفتہ کا ایک بھی نامور موجود نہ تھا۔ وقت کی گردش بڑے سے بڑا گھاؤ بھی بھر دیتی ہے۔ اب کی بار بھی یہی ہوا۔ آہستہ آہستہ زندہ لوگ زندگی کی طرف دیکھنے لگے، پتھرائی ہوئی

آنکھوں میں حیات کی تابانی کا سراغ ملنے لگا، یار یاروں سے ملنے لگے، محفلیں سجنے لگیں، تہوار منائے جانے لگے اور ماضی کی رونقیں جس قدر بحال ہو سکتی تھیں ہونے لگیں۔

اس نئے منظر پر بھی انیس ہی کی جلوہ نمائی اور حکمرانی تھی۔ دبیر بوڑھے ہو چکے تھے اور انیس بھی جوانی کی منزل بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دونوں کی استادی کو تسلیم کیا جا چکا تھا۔ دبیر کی مرثیہ نگاری کے لیے جو گراں قدر خدمات ہیں، ان کو سراہتے ہوئے اور انہیں تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ بلا شبہ 1857ء کے بعد کی دنیا میں بھی انیس کو جو عام مقبولیت، شہرت اور ہر دل عزیزی حاصل تھی، وہ ان کے سوا کسی اور کے حصے میں نہ آ سکی اور یہ سراسر ان کا حق تھا۔

انیس کا شہرہ ہر طرف پھیل چکا تھا، دور دور تک ان کی شہرت و بزرگی کو تسلیم کیا جا چکا تھا۔ ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا لیکن آفتابِ عمر مغربی افق پر پہنچ کر ڈوبنا چاہتا تھا۔ آخری عمر میں ان کے پٹنہ اور حیدر آباد جانے نے لکھنؤ والوں کو تڑپا دیا لیکن سچ تو یہ ہے کہ انیس کی روح بھی اپنے محبوب شہر سے جدا ہو کر تڑپ گئی۔ اب کی بار یہ روح کچھ ایسے انداز سے تڑپی کہ بدن ہی سے نکل گئی۔ انیس علیل ہوئے اور 8 دسمبر 1874ء کو مغرب کے قریب اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ میر صاحب کو ان کے آخری مسکونہ مکان میں دفن کیا گیا۔

انیس اس دنیا سے جسمانی طور پر تو رخصت ہو گئے لیکن اپنے پیچھے اتنا بڑا فکری سرمایہ چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور اپنے تخلیق کرنے والے کا نام بھی باقی رکھے گا۔ جب تک دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کروڑوں لوگ واقعہء کربلا پر محزون و ملول ہوتے رہیں گے، یادِ خانوادۂ رسولؐ میں آنسو بہاتے رہیں گے، انیس اور ان کا فن زندہ رہے گا اور بلاشبہ ایسا قیامت تک ہوتا رہے گا۔

گارساں دتاسی نے ہندوستان کے بہت سے جید ادبی مبصروں، پرچوں اور علما کی رائے کی روشنی میں میر انیس کو ہندوستان کا سب سے بڑا شاعر کہا ہے۔ اس بات میں کوئی شک بھی نہیں کہ میر صاحب نے اردو نظم کو جو رفعت و بلندی عطا کی، وہ کوئی اور نہ دے پایا۔ ایک بار مولانا ابوالکلام آزاد نے تحریر فرمایا تھا کہ اردو ادب کے دامن میں اگر عالمی

ادبی شاہکاروں کے مقابلے میں رکھنے کے لیے کچھ ہے تو وہ غالب کی غزلیں ہیں یا انیس کے مرثیے۔ بلاشبہ انیس اس خراجِ تحسین کے حق دار ہیں اور یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ماضی کے شعری ادب کی مقبول ترین چیز آج بھی انیس کے مرثیے اور سلام ہیں۔ اگرچہ میر انیس کی شخصی اور فنی شہرت کسی رسمی تعارف کی محتاج ہرگز نہ تھی لیکن پھر بھی ان کا یہ سوانحی خاکہ انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ضروری تھا۔

حیاتِ انیس پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد آپ ''کلیاتِ انیس'' کے آئندہ صفحات الٹ کر اس جادونگری میں داخل ہو سکتے ہیں، جہاں ہر حرف پرتاثیر ہے، ہر لفظ کا طلسم سر چڑھ کر بولتا ہے، ہر مصرعہ دل میں اتر جاتا ہے، ہر بند قاری سے اپنی فنی و فکری بلندی کی داد وصول کرتا ہے اور ہر مرثیہ و نظم پڑھنے والے کو بے اختیار ''واہ واہ'' سے ''آہ آہ'' تک لے جاتی ہے۔ آیئے! اب انیس کے فکری جہان میں محو ہو جائیں اور بقدرِ ذوق الفاظ کے جواہرات سے اپنے علمی تنگ دامانی کو وسیع سے وسیع تر کرتے جائیں۔

رانا خضر سلطان

پہلا حصہ
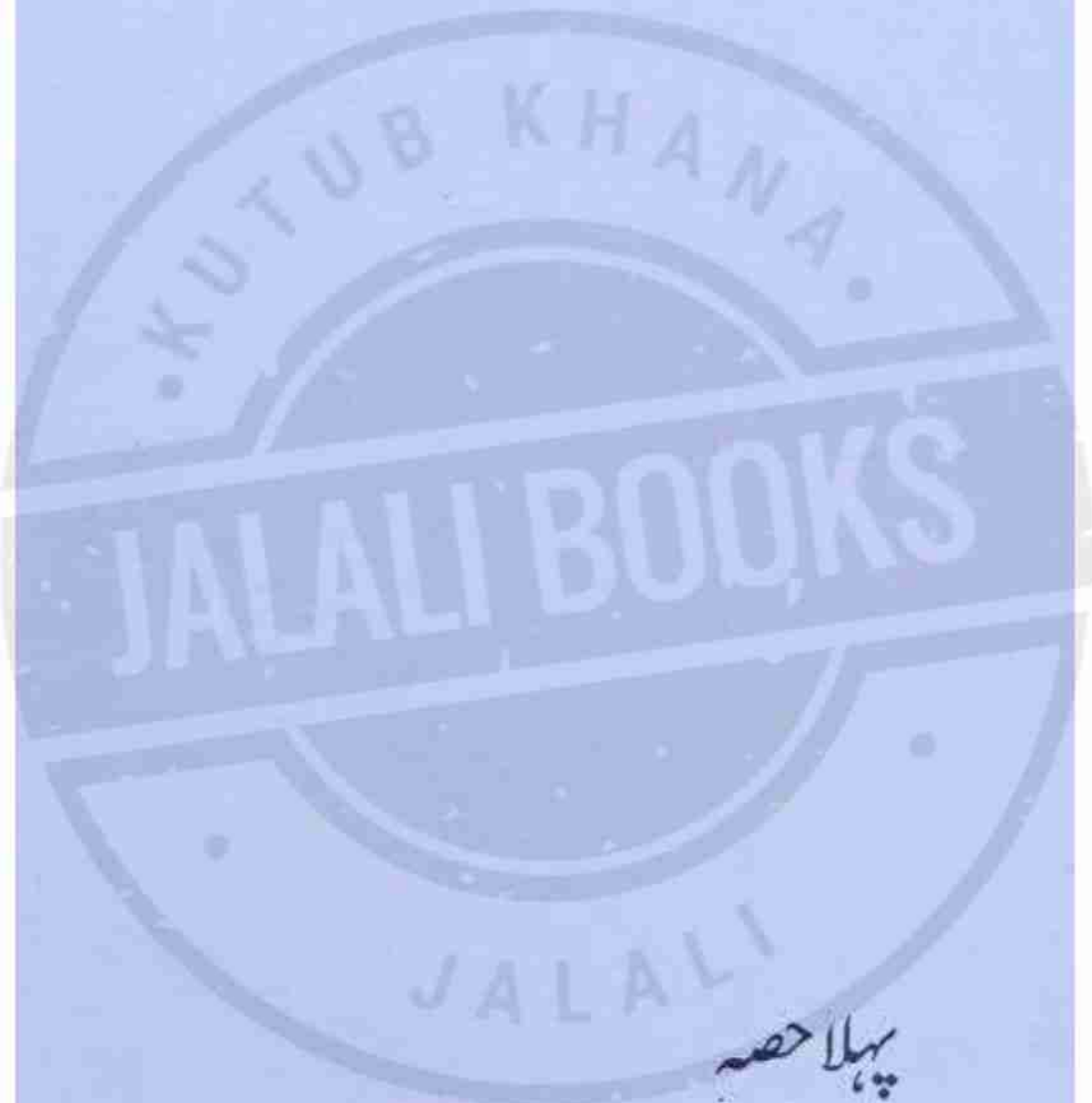
# انیس کے مرثیے

# یارب! چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر

''کلیاتِ انیس'' کا یہ پہلا مرثیہ ایک طرح سے میر ببر علی انیس کی غیر معمولی شاعرانہ استعداد، فنی کوتاہ قامتی اور فکری جدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس مرثیے کا ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک مصرعہ اس بات کا پتا دیتا ہے کہ انیس کو اپنی فنی برتری اور فکری بلندی کا احساس ہے اور یہ احساس بالکل بجا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا کہ اردو ادب کے دامن میں یوں تو بہت کچھ ہے لیکن جو شاہکار ہم عالمی ادب کے مقابلے میں رکھ سکتے ہیں وہ غالب کی غزلیں ہیں یا انیس کے مرثیے۔ یہ مرثیہ مولانا کی رائے کے مستند اور وقیع ہونے کا اظہار اپنے ایک ایک بند سے کرتا ہے۔ مرثیے کی ابتدا دعائیہ اشعار سے ہوتی ہے، جن میں انیس بصد عجز وانکسار خود کو گمنام قرار دے کر باری تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ مجھے اعجاز بیانوں میں رقم کر۔ ساتھ ہی انہیں بجاطور پر اپنی فنی عظمت کا احساس بھی ہے لہٰذا وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ:

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

اس شعر کا دوسرا مصرعہ عیاں کرتا ہے کہ میر انیس کو اپنی شعری صلاحیت کے بے مثال اور مؤثر ہونے کا پورا یقین تھا لہٰذا اس پورے مرثیے میں خود اعتمادی اور اپنے کمالِ فن پر ناز کی فضا دیگر واقعات کے بیان سے الگ آسانی کے ساتھ پہچانی جاتی ہے۔ کچھ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ مرثیہ کہا گیا، تب لکھنؤ میں انیس کی مخالفت زوروں پر رہی ہو گی لیکن ساتھ ہی یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انیس کو اپنی شاعری میں کوئی نقص یا عیب نہیں دکھائی دیتا، گویا اثر آفرینی اور لطافت میں ان کا کلام جواہرات کی دکان ہے:

ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دکان جواہر

اس مرثیے میں امام حسینؓ کی ولادت اور شہادت کے واقعات بیان ہوئے ہیں تاہم ولادت کے واقعات کو فوقیت حاصل ہے، کیونکہ ''کلیاتِ انیس'' کو کچھ اس قرینے سے ترتیب دیا گیا ہے کہ ہر مرثیے کے ساتھ واقعاتِ کربلا کی تصویر آنکھوں کے سامنے آنے لگتی ہے۔ واقعات ممکنہ حد تک ربط و تسلسل کے ساتھ مرثیوں کی شکل میں قاری کے شعری ذوق کی تسکین کرتے ہیں، یوں واقعہء کربلا بتدریج ولادتِ امام حسینؓ سے اہل بیعت کی مدینہ واپسی تک بیان ہو جاتا ہے۔

بہر کیف جہاں تک اس پہلے مرثیہ کا تعلق ہے تو بلاشبہ یہ اس کتاب میں شامل ہر مرثیے کی طرح انیس کا شاہکار مرثیہ ہے۔ ہر بند سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت کی روانی زوروں پر ہے، ہر شعر تخیل کی ندرت آفرینی کا گواہ بن کر سامنے آتا ہے اور ہر مصرعہ انیس کی فنِ مرثیہ گوئی پر قدرت اور قلم پر اختیار کی شہادت دیتا ہے۔ ایک بند دیکھیے:

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

اسی طرح انیس واقعاتِ بزم کو تسلیم کرنے کی اپنی غیر معمولی شعری صلاحیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ رزمیہ واقعات کو نظم کا جامہ پہنانے کے اپنے خاص اسلوب کا ذکر بھی کرتے ہیں:

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کر بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبع اولوالعزم
قطعِ سر اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم

دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائے عدو، آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے!!

انیس نے اپنی مرثیہ گوئی کے بارے میں جو کچھ ان اشعار میں کہا ہے، اگر سچ پوچھا جائے تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اس مرثیے کا ہر شعر جاندار اور شاندار ہے، ہر بند میں روح کی حرارت اور جذبے کی حدت ہے۔ انیس نے اس مرثیے کے لگ بھگ تیس بند اپنے تعارف میں لکھے ہیں، پورا مرثیہ 187 بندوں پر مشتمل ہے، انیس نے بحر ہزج اختیار کی ہے اور کہیں بھی ان کا قلم ان کے قابو سے باہر ہوتا نظر نہیں آتا گویا وہ پورے قلمی، فنی، فکری اور تخلیقی اختیار کے ساتھ اس لازوال مرثیے میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور خوب ہوئے ہیں۔ ان کی جدت اور اختراع اور ایجاد ان کے کلام کی جان ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے
پشتی پہ ہیں سب رُکنِ رکیں دینِ متیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے
ناحق ہے عداوت انہیں اس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

مجموعی طور پر یہ مرثیہ خصوصاً امام حسینؑ کی ولادت وشہادت اور عموماً انسانی حیات کی خوشی وغم کا اظہار ہے۔ اس کا واقعاتی پہلو اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود اس کے آفاقی پہلو کو کم نمایاں نہیں ہونے دیتا۔۔۔ اور یہ میر صاحب کا اعجاز ہے۔ اس خوبصورت تخلیق میں خوشی وغم کی آمیزش اور تہنیت وتعزیت کا ایک عجیب اثر آفریں امتزاج پایا جاتا ہے جو میر انیس کی شاعرانہ عظمت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ محققین کے مطابق یہ مرثیہ میر انیس نے درمیان عمر میں تخلیق کیا۔ ایک اندازے کے مطابق یہ 1830ء سے 1854ء کے درمیان لکھا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فیض آباد سے میر انیس کے لکھنؤ آنے کے بعد

حریفوں سے ان کے ابتدائی مقابلوں کا دور ہی اس مرثیے کی تخلیق کا دور ہے۔ یہ مرثیہ جو مجموعی اثر آفرینی اور لطافت و نزاکت رکھتا ہے وہ بجا طور پر اردو ادب کی آبرو کہلا سکتی ہے۔ یہ عظیم نظم شروع سے آخر تک حرکت و عمل سے معمور ہے۔

☆
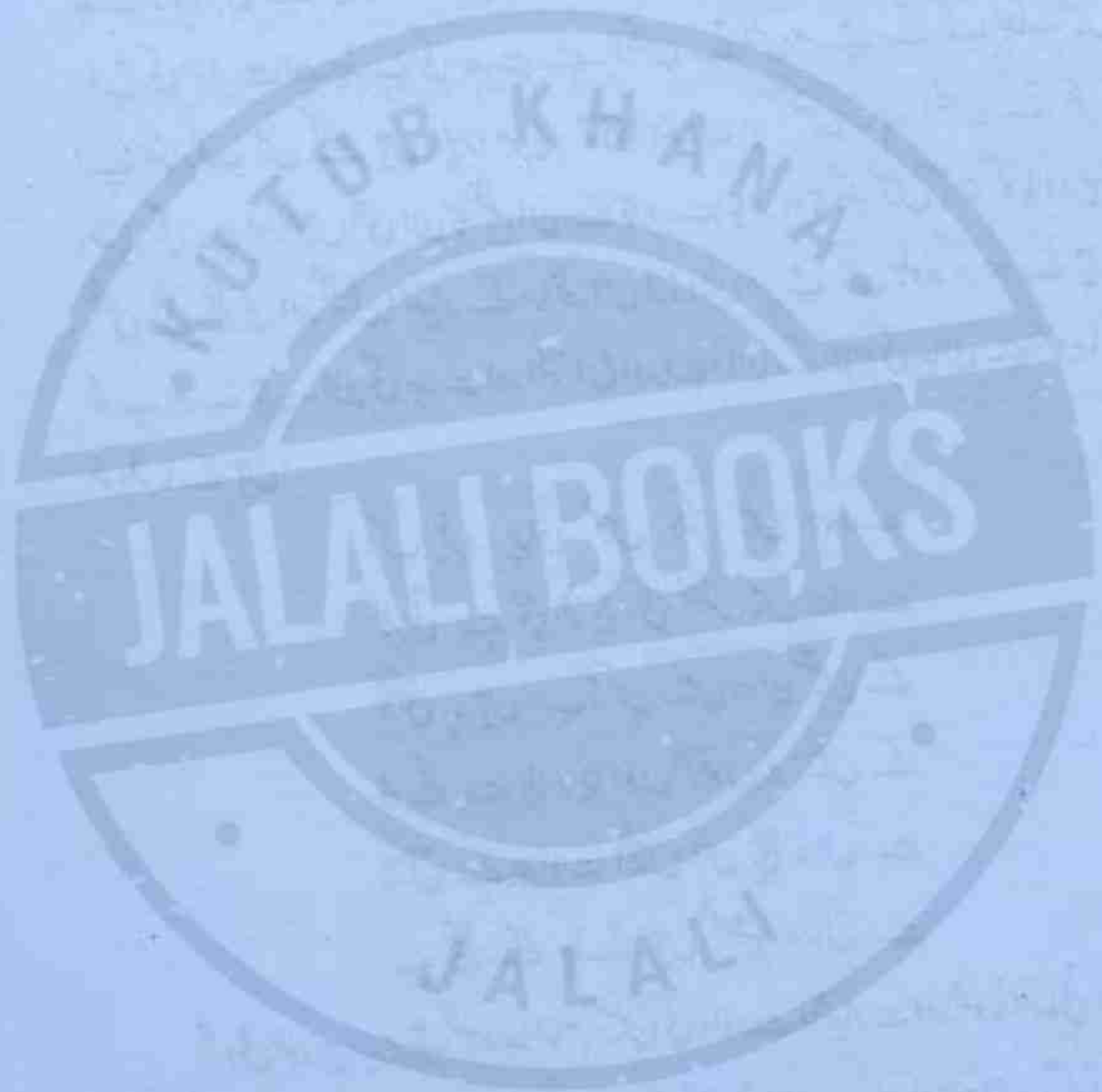
بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

یارب! چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
اے ابرِ کرم! خشک زراعت پہ کرم کر
تُو فیض کا مبدا ہے، توجّہ کوئی دم کر
گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری!
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
اک ایک لڑی نظمِ ثریّا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی

سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبیؐ سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی، وہ دے حسن بیاں کو
تحسیں کا سماوات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت، وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور وہ چلیں جام
جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو! پوچھ لو مے خانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آ گئی ہے خلدِ بریں سے

آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائے عدو، آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہو صف آرا، صفتِ لشکرِ جرار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خوں خوار
مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو "کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا،
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا"

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
عالم کو دکھا دے برشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے، یہ چلائیں سپاہی
لاریب، ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو، دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اِس طبل و علم کا

تائید کا ہنگام ہے، یا حیدرِ صفدر!
امداد ترا کام ہے، یا حیدرِ صفدر!
تو صاحبِ اکرام ہے، یا حیدرِ صفدر!
تیرا ہی کرم عام ہے، یا حیدرِ صفدر!
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بہ کف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں، میں ایک طرف ہوں

ناقدریِ عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفتر باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہوں، کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے، پر انصاف نہیں ہے

نیک و بدِ عالم میں تامل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رخ طرفِ گل نہیں کرتے
تعریفِ خوش الحانی بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں، گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو
دُر کو تو گھٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں صدف کو
اندھیر یہ ہے، چاند بتاتے ہیں کلف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے دُرِ نجف کو
ضایع ہیں دُر و لعل بدخشان و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دکانِ جواہر
ہیں بند مرصع، تو ورق خوانِ جواہر
دیکھے اُسے، ہاں، کوئی ہے خواہانِ جواہر؟
بینائے رقوماتِ ہنر چاہیے اِس کو
سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیے اِس کو

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
ہر وقت جو اِس جنس کے رہتے تھے طلب گار
اب ہے کوئی طالب، نہ شناسا، نہ خریدار
ہے کون، دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار

کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج!
اے باعثِ ایجادِ جہاں، خلق کے سرتاج!
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج

امید اسی گھر کی ، وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری، یہی توشہ ہے سفر کا

میں کیا ہوں، مری طبع ہے کیا، اے شہِ شاہاں!
حسّان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں

کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

لایعلم و لاعلم کی کیا سحر بیانی
حضرت پہ ہویدا ہے مری ہیچ مدانی
نہ ذہن میں جودت، نہ طبیعت میں روانی
گویا ہوں فقط، ہے یہ تری فیض رسانی

میں کیا ہوں، فرشتوں کی طلاقت ہے تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداح خدا ہے

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
خود سر بگریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
تقصیر محل کیجیے، بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا! یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

مجرم ہوں، کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت پہ علی کی

ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیِ شبیرؑ
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر
مولا کی مدد کا متمنی ہے یہ دل گیر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

شعباں کی ہے تاریخِ سوم روزِ ولادت
اور ہے دہم ماہِ عزا یومِ شہادت
دونوں میں بہرحال ہے تحصیلِ سعادت
وہ بھی عملِ خیر ہے، یہ بھی ہے عبادت
مداح ہوں، کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلہ اس کا، بہشت اس کا صلا ہے

مقبول ہوئی عرض، گنہ عفو ہوئے سب
امید بر آئی، مرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ، کرمِ رب
ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب
پشتی پہ ہیں سب رکنِ رکیں دینِ متیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی
بخشی ہے رضا جائزہ فوجِ سخن کی
چہرے کی بحالی سے قبا چست ہے تن کی
لو برطرفی پڑ گئی مضمونِ کہن کی
اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

ہاں اے فلکِ پیر! نئے سر سے جواں ہو
اے ماہِ شبِ چاردہم! نُور فشاں ہو
اے ظلمتِ غم! دیدۂ عالم سے نہاں ہو
اے روشنیِ صبحِ شبِ عید! عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی یداللہ کے گھر میں
خورشید اُترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

اے شمس و قمر! اور قمر ہوتا ہے پیدا
نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا
جو عرش کی ضو ہے، وہ گُہر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
نو نُورِ خدا ہوں گے عیاں نُور سے جس کے

اے کعبۂ ایماں! تری حرمت کے دن آئے
اے رکنِ یمانی! تری شوکت کے دن آئے
اے بیتِ مقدس! تری عزت کے دن آئے
اے چشمۂ زمزم! تری چاہت کے دن آئے
اے سنگِ حرم! جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں
اے کوہِ صفا! اور صفائی ہوئی تجھ میں

اے یثرب و بطحا! ترے والی کی ہے آمد
لے رُتبۂ اعلیٰ، شہِ عالی کی ہے آمد
عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد
کہتے ہیں چمن، ماہِ جلالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کی مباہات کے دن ہیں
یعقوبؑ سے یوسفؑ کی ملاقات کے دن ہیں

اے ارضِ مدینہ! تجھے فوق اب ہے فلک پر
رونق جو سما پر ہے وہ اب ہو گی سمک پر
خورشید ملا، تیرا ستارہ ہے چمک پر
صدقے گلِ تر ہیں، ترے پھولوں کی مہک پر
پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں، فرش وہی ہے
جس خاک پہ ہو نورِ خدا، عرش وہی ہے

یا ختمِ رسلؐ! گوہرِ مقصود مبارک
یا نورِ خدا! رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف! شادیِ مولود مبارک
یا خیرِ نسا! اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سدا، نُور دوبالا رہے گھر میں
اس ماہ دو ہفتہ کا اُجالا رہے گھر میں

اے اُمتیو! ہے یہ دمِ شکرگزاری
ہر بار کرو سجدۂ شکریۂ باری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمھاری
فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری
لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے
ناجی ہوئے صدقے میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اے ماہِ معظم! ترے اقبال کے صدقے
شوکت کے فدا، عظمت و اجلال کے صدقے
اُتری برکت، فاطمہؑ کے لال کے صدقے
جس سال یہ پیدا ہوئے، اُس سال کے صدقے
قربانِ سحر، عید اگر ہو تو بجا ہے
نوروز بھی اِس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

قربان شب جمعۂ شعبانِ خوش انجام
پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
قائم ہوا دیں، اور بڑھی رونقِ اسلام
ہم پلۂ صبح شب معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرفِ بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اُس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

وہ نورِ قمر اور وہ دُر افشانیٔ انجم
تھی جس کے سب روشنیٔ دیدۂ مردم
وہ چہچہے رضواں کے، وہ حوروں کا تبسم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
میکائیلؑ شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریلؑ تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار
جو راہ تھی خوش بُو، جو محلّہ تھا وہ گل زار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار

گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوسِ بریں کی

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم
رخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریلؑ و سرافیلؑ کو مہلت نہ تھی اک دم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم

باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہؑ بے چین اُدھر دردِ شکم سے
منہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے
مضطر تھے علیؑ، بنتِ پیمبر کے الم سے

آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسنؑ کو

کرتے تھے دُعا، بادشہ یثرب و بطحا
راحم ہے تری ذاتِ مقدس، مرے مولا!
زہراؑ ہے کنیز اور مرا بچہ ترا بندا
آسان کر اے بار خدا! مشکلِ زہراؑ

نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لیے پاس نہیں ہے

ناگاہ در حجرہ ہوا مطلعِ انوار
دکھلانے لگے نورِ تجلی در و دیوار
اسماءؑ نے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار
فرزند مبارک تمہیں، یا حیدرِ کرارؑ!
اسپند کرو فاطمہؑ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں، چاند یہ اترا ہے زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اُتارا
تصویرِ رسولؐ عربی دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

مژدہ یہ سنا احمدِؐ مختار نے جس دم
بس شکر کے سجدے کو گرے قبلۂ عالم
آئے طرفِ خانۂ زہراؑ خوش و خرم
فرمایا مبارک پسرا! اے ثانیِ مریمؑ!
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزندِ محمدؐ کے جگر کا

کی عرض یہ اسماء نے کہ اے خاصۂ داور!
نہلا لوں، تو لے آؤں اسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمدِؐ مختار نے ہنس کر
لے آ! کہ نواسہ ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ، تُو نہیں ماہر
یہ نورِ الٰہی ہے، یہ ہے طیب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر
یہ آیتِ ایماں ہے، یہ ہے حجتِ باہر
بڑھ کر مددِ سیدِ لولاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

جس دم یہ خبر مخبرِ صادقؑ نے سنائی
اسما اسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
بُو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
ہنسنے لگے، سرخی رخِ پرنور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولؐ عربی نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

جاں آ گئی، یعقوبؑ نے یوسف کو جو پایا
قرآں کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے، بہت پیار جو آیا
بوسے لیے اور ہاتوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا، کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا، چل گئی تلوار جگر پر

جوش آیا تھا رونے کا مگر، تھام کے رقت
اس کان میں فرمائی اذاں، اُس میں اقامت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت!
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت؟
پُرنور ہے گھر، تم کو ملا ہے قمر ایسا
دُنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیونکر نہ ہو، تم سا پدر اور فاطمہ سی ماں
دو شمس و قمر کا ہے یہ اک نیر تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلۂ ایماں!
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرؐ ذی شاں

اعلیٰ ہے جو سب سے وہ مقامِ شہِ دیں ہے
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے
سرسبزی دُنیا ہے اسی ابرِ کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر، فیضِ قدم سے
عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ اُمم سے

کچھ اس میں نہ زہراؑ کا ہے باعث، نہ علیؑ کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبیؐ کا

فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا
بھائی! کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا؟
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سید والا!
سبقت کروں حضرت پہ، یہ مقدور ہے میرا؟

فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِ علا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام
یا ختمِ رسلؐ! ہم نے حسینؑ اس کا رکھا نام

یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو ہے 'احسان' سے، تصغیرِ 'حسن' ہے

'ح' سے ہے اشارہ کہ یہ ہے حامیِ اُمت
سمجھیں گے اسی 'سین' کو سب سینِ سعادت
'ی' اس کی بزرگی میں ہے 'یٰسین' کی آیت
ہے 'ن' سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حسن میں دس حصہ زیادہ ہے حسن سے

دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا
تب اس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا
اب اور نہ ہو گا کوئی اس حُسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے
دی ہے جو علیؑ کو وہ شجاعت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا، ہمت اسے دی ہے
ان سب کے سوا اپنی محبت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے، معظم ہے، مکرم ہے، ولی ہے
ہادی ہے، وفادار ہے، زاہد ہے، سخی ہے

جب کر چکے ذکرِ کرمِ مالکِ تقدیر
جبریلؑ نے پاس آن کے دیکھا رخِ شبیر
کی صلِ علیٰ کہہ کے، محمدؐ سے یہ تقریر
یا شاہ یہ مہ رُو تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

ہے اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
یہ پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود
تھا خلقِ دوعالم سے یہی مطلب و مقصود

مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

ہے یہ سببِ تہنیت و تعزیتِ اہلِ ہم
ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توأم
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم
بے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے اظلم

گر حشر بھی ہو گا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی

ہو گا یہ محرم میں ستم اے شہِ ذی جاہ!
چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخ دہم، جمعہ کے دن، عصر کے وقت، آہ!
نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گم راہ

کٹ جائے گا جب سر تو ستم اس پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

چلائے محمدؐ کہ میں بسمل ہوا بھائی
اے وائے اخی! کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
دل ہل گیا، برچھی سی کلیجے میں در آئی
یہ واقعہ سن کر نہ جیے گی مری جائی

ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیونکر کہوں زہراؑ سے خبر مرگِ پسر کی

جس وقت سنی فاطمہ نے یہ خبرِ غم
شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلائی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِ مریم
بیٹی پہ چھری چل گئی یا سیدِ عالم

خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شبیرؑ کی گردن

ہے ہے، کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی!
ہے ہے، یہ سہے گا تعب تشنہ دہانی!
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمنِ جانی!
ہے ہے، مرا محبوب، مرا یوسفِ ثانی!

پیراہنِ صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہووے گا اس کا

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اماں کو رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں

ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
اے کاش! مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے

جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
'مظلوم حسینؑ' آج سے میں ان کو کہوں گی

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم!
بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
اب دن ہے چھٹی کا مجھے عاشورِ محرم
تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم

پوشاک نہ بدلوں گی، نہ سر دھوؤں گی بابا
چلے میں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

حیدرؑ ہیں کہاں، آ کے دلاسا نہیں دیتے
زہراؑ کا برا حال ہے، سمجھا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
ہے ہے، مجھے فرزند کا پُرسا نہیں دیتے

حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
اے میرے شہید، اے میرے بےکس، ترے واری
ہاں، بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری

دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہو گا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہو گا

مر جائے گا تُو تشنہ دہن، ہائے حسینا!
ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن، ہائے حسینا!
اک جان پہ یہ رنج و محن، ہائے حسینا!
کوئی تجھے دے گا نہ کفن، ہائے حسینا!

گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہؑ زہرا!
کیا مرضیِ معبود سے بندے کا ہے چارا
خالق نے دیا ہے اسے وہ رتبۂ اعلیٰ
جبریل سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخششِ اُمت کا سبب ہے

اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمبر
بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دل بر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدِ مضطر
تربت میں وہی دفن کرے گا اسے آ کر
ارواحِ رسولانِ زمن روئے گی اس کو
سر پیٹ کے زینب سی بہن روئے گی اس کو

جب چرخ پہ ہووے گا عیاں ماہِ محرم
ہر گھر میں بپا ہووے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم
ماتم پہ وہ ماتم ہے کہ ہو گا نہ کبھی کم
پُرنور سدا اس کا عزا خانہ رہے گا
خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کیا اوج ہے، کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا
غل عرش سے ہے فرش تلک صلِ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں، یاں کی فضا کا
پانی میں بھی ہے یاں کے مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلیٰ ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض، حسینؑ ابنِ علیؑ کا

لو، یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے
وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے
ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں ہے

ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہے مرقع شہدا کا

O——O

## مطلعِ دوم

اے خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر
اے نیّرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
اے درد! عطا لذتِ زخمِ جگری کر
اے خوفِ الٰہی! مجھے عصیاں سے بری کر

بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے
آزاد ہوں صدقے سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہے کس کا
فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا
خود بکتا ہے یوسفؑ یہ خریدار ہے کس کا

ملتی ہے کہاں مفت متاعِ حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

مجلس کا رہے نور، خوشا محفلِ عالی
حیدرؑ کے محبوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اُس کے جو ہے کونین کا والی
اثنا عشری، پنجتنی، شیعۂ غالی

ششدر نہ ہو کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

ان میں جو مسن ہیں وہ پیمبرؐ کے ہیں مہماں
اور جو متوسط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں، علی اکبرؑ کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب، علی اصغرؑ کے ہیں مہماں

سب خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشادِ نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غم خوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
میں ان کا ہوں طالب یہ طلب گار ہیں میرے

یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

غم میں مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد

مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
اُن کے لیے بخشش کی دُعا کرتا ہوں میں بھی

مردم کے لیے واجبِ عینی ہے یہ زاری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقتِ معین پہ ادا طاعتِ باری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رو لو یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ، سعادت اسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو
فاقے کیے ہیں، دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمھارے لیے کیا ظلم سہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں، سایہ ہے ہوا ہے
پانی ہے خنک، مروحہ کش بادِ صبا ہے
کچھ گرمیِ عاشور کا بھی حال سنا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے، ہنگام بکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

لُو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
سب خلق تو سیراب تھی، پیاسے شہِ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اُس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ سیار
شاید المِ فاقہ سے ہے زردیِ رخسار
بے آبی سے اُودے تھے لبِ لعلِ گہر بار
دنیا میں ترستے رہے وہ آب رواں کو
جن ہونٹوں نے چوسا تھا محمدؐ کی زباں کو

o——o

## مطلعِ سوم

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل، بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست، مروت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد، حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی ہے کبھی ماں کی، کبھی قبر کا آغوش
گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں، کبھی خاموش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بہ سرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہیں، تابوت میں دن کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو، آرام ہو یا جور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے، عشرت کا کبھی دور
ہے شادیؑ و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ پہ آسیب خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح، عجب شام
گہ غم، کبھی شادی، کبھی ایذا، کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہؑ زہرا کا گل اندام
وا حسرت و دردا! کہ وہ آغاز یہ انجام!
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک

ریتی پہ عزیزوں کا مرقع ہے تو ابتر
شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلم کے، نہ ہمشیر کے دلبر
قاسم ہیں، نہ عباس، نہ اکبر ہیں، نہ اصغر
سب نذر کو دربارِ پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہ دیں گھر میں گئے ہیں

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت
پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہ کی محبت
سجادؑ سے کچھ کہنے ہیں اسرارِ امامت
بانوئے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت
مطلوب یہ ہے، زیب بدن رخت کہن ہو
تا بعدِ شہادت وہی ملبوسِ بدن ہو

خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت
اک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا، پہ جانا تھا قیامت
تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت

واں بین، ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر
اُمت کے لیے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفت ابر
تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر

لٹتے ہوئے اماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں
ہے ہے تہِ خنجر تمھیں کن آنکھوں سے دیکھوں

اس عمر میں تھوڑے غمِ جاں کاہ اٹھائے؟
اشک، آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے
ٹکڑے دلِ شبر کے لگن میں نظر آئے

حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی!
انساں ہوں، کلیجا مرا پتھر نہیں بھائی!

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا
دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا
ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا

صدقے گئی، یوں رَن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اُجڑتے نہیں دیکھا

ہے ہے تمھیں میں لے کے کہاں چھپ رہوں بھائی
لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشتِ پُرآشوب میں قسمت مجھے لائی
یا رب! کہیں مر جائے ید اللہ کی جائی

زہراؑ کا پسر وقتِ جدائی مجھے روئے
سب کو تو میں روئی ہوں، یہ بھائی مجھے روئے

زینب کی وہ زاری، وہ سکینہ کا بلکنا
وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بُندے کا چمکنا
حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا

حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

وہ کہتی تھی، بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ
فرماتے تھے شہ، آؤ نہ، جانِ پدر، آؤ
ہم کڑھتے ہیں، لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ

کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں، کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو؟

بی بی! کہو، کیا حال ہے اب ماں کا تمھاری؟
کس گوشے میں بیٹھی ہیں، کہاں کرتی ہیں زاری؟
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری
دیکھا نہ انھیں گھر میں، ہم آئے کئی باری

تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک؟
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک؟

کس جا ہیں، طلب ہم کو کریں، یا وہی آئیں
ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
کچھ ہم سے سنیں، کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
اک دم کے مسافر ہیں، ہمیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

غش میں جو سنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرتِ شبیر
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر
چلائی، مجھے ہوش نہ تھا، یا شہِ دل گیر!
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا!
یہ خادمہ رخصت کے لیے آتی ہے آقا!

یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہِ خوش اقبال
قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اُس وقت عجب حال
روتے تھے غضب، آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
فرماتے تھے جاں کاہ جدائی کا الم ہے
اٹھو تمھیں روحِ علی اکبر کی قسم ہے!

وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں، اے مرے سرتاج
والی! انھی قدموں کی بدولت ہے مرا راج
سر پر جو نہ ہو گا پسرِ صاحبِ معراج
چادر کے لیے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم، مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
قربان گئی، تخت اُلٹ جائے گا میرا

یاں آئی میں، جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد
وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد
حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی سے بہو ہو گئی زہراؑ و علیؑ کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبیؐ کی

چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو
اب ہجر ہے تقدیر میں یا سید خوش خو
ہر شب رہے تکیہ سرِ اقدس کا جو بازو
ہے ہے اسے اب رسّی سے باندھیں گے جفاجو
سر پر نہ ردا ہو گی تو مر جاؤں گی صاحب!
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب!

حضرت نے کہا: کس کا سدا ساتھ رہا ہے
ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
دارِ محن اس دار کو داور نے کہا ہے
ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہے
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا

سو سو برس اک گھر میں محبت سے رہے جو
اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا اُن کو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوئے خوش خو!
ہے شاق فلک پر کہ رہیں ایک جگہ دو
کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب!
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب!

لازم ہے خدا سے طلبِ خیرِ بشر کو
تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
آنا ہے تمھیں بھی وہیں، جاتے ہیں جدھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
کھولے گا وہ رسّی سے بندھے ہاتھ تمھارے
سجاد سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمھارے

زینب کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بے کس و ناچار
تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار
دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غم خوار
بیٹے بھی نہیں، گود کا پالا بھی نہیں ہے
اُن کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

یہ کہہ کے کچھ ارشاد کیا گوشِ پسر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
غش ہو گئی زینب، یہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا پھر شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے، تنہا نکل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر
کج کی طرفِ دوشِ یمیں گردنِ انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر!
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

یارب! یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بے کس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میرے نہیں، بندے ہیں ترے اے مرے خالق!
بستی ہو کہ جنگل تُو ہی حافظ، تُو ہی رازق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدی پہ منافق
نہ دوست ہے دنیا، نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں، دو بہویں ہیں اس گھر میں علیؑ کی

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں
یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس لٹیں، قید ہوں اور شام میں جائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی میں قدم، طوق میں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمت کا بھلا ہو

یہ کہہ کے، گریبانِ مبارک کو کیا چاک
اور ڈال لی پیراہنِ پُرنور میں کچھ خاک
میت ہوئے شبیر، کفن بن گئی پوشاک
بس فاتحۂ خیر پڑھا با دلِ غم ناک
مڑ کر نہ کسی دوست، نہ غم خوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

گردان کے دامن علی اکبر کو پکارے
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب، اے میرے پیارے!
لختِ دلِ شبّر! کدھر اس وقت سدھارے
بھائی ہیں کہاں، ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں، مسلم کے جگر بند کہاں ہیں؟
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں؟

تنہائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا
کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسداللہ کا پیارا
اونچا ہوا افلاک امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غل تھا کہ چلا قطب زماں عرش بریں پر

شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا
ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حسن خدا ساز دکھایا
فتراک نے اوج پہ پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک چرخ بریں پر
غل تھا کہ پھر اُترا ہے بُراق آج زمیں پر

بجلی کو نہ تھا اس کی جلو لینے کا یارا
رہوار کو دُلدل کا چلن یاد تھا سارا
اُڑنے میں نہ آہو کبھی جیتا، نہ چکارا
شہباز بھی بازی اسی جاں باز سے ہارا
طاؤس کا کیا ذکر، پری سے بھی حسین تھا
سایہ تھا کہیں، دھوپ کہیں، آپ کہیں تھا

جاں باز نے طے کی عجب انداز سے وہ راہ
لے آئی سلیماں کو پری تا صفِ جنگاہ
وہ رعب، وہ شوکت، وہ نہیب شہِ ذی جاہ
دلدل کو اُڑاتے ہوئے آئے اسداللہ

غل تھا یہ محمدؐ ہیں، کہ خالق کے ولی ہیں
اقبال پکارا، کہ حسینؑ ابن علیؑ ہیں!

نصرت نے صدا دی، کہ مددگار جہاں ہیں
صولت نے کہا، تاج سرِ کون و مکاں ہیں
گویا ہوئی ہمت کہ محمدؐ کی یہ جاں ہیں
غربت نے کہا، فاقہ کش و تشنہ دہاں ہیں

سطوت یہ پکاری، یہ خدا شیر یہی ہیں
بولی ظفر، اللہ کی شمشیر یہی ہیں

تنہا تھے، پہ اللہ ری جلالت شہِ دیں کی
تھراتے تھے سب، دیکھ کے صولت شہِ دیں کی
غل تھا کہ یہ آخر ہے زیارت شہِ دیں کی
گردوں سے ملک تکتے تھے صورت شہِ دیں کی

خود حسن یہ کہتا تھا کہ شمعِ سحری ہوں
شبیر کا کیا کوچ ہے، میں خود سفری ہوں

اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر
حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو، نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر
میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر

واللہ تعلّی نہیں، یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقع میں حسینؑ ایک ورق ہے

واللہ جہاں میں مرا ہم سر نہیں کوئی
محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
ہاں، میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعویٔ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
سرداریٔ فردوس کا افسر ہمیں بخشا
اقبالِ علیؑ، خلقِ پیمبرؐ ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی، زور ہمیں، زر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں، گھر طورِ تجلا ہے ہمارا
تختِ بنِ داؤد مصلا ہے ہمارا

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
قوسین مکاں، ختمِ رسل، صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
باپ ایسا، صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے
تھی کون سی شب، جس کو سحر کر کے نہ آئے
تھا کون جو ایماں تہہِ صمصام نہ لایا
اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

اصنام بھی کچھ کم تھے، نہ کفار تھے تھوڑے
طاقت تھی، کہ عزیٰ کو کوئی لات سے توڑے؟
بد کیشوں نے سجدے بھی کیے، ہاتھ بھی جوڑے
لے توڑے وہ بت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسداللہ اذاں دے کے حرم سے

اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں
جرار پسر، حیدرِ کرار کے ہم ہیں
فرزند، محمدؐ سے جہاں دار کے ہم ہیں
وارث، شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں
تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے
یہ تیغِ علی ہے یہ کمربندِ حسن ہے
یہ جوشنِ داوٗد ہے جو حافظِ تن ہے
یہ پیرہنِ یوسفِ کنعانِ محن ہے
دکھلائیں سند، دستِ رسولِؐ عربی کی
یہ مہرِ سلیماں ہے، یہ خاتم ہے نبی کی

دیکھو تو، یہ ہے کون سے جرار کی تلوار
کس شیر کے قبضے میں ہے کرار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
بجلی کی تو بجلی ہے یہ تلوار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے، کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر، گھاٹ نہیں ہے

دم لے کہیں رک کر، وہ روانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہے، گرانی نہیں اس میں
جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب، آگ ہے، پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اُسے جو دشمنِ دیں ہے
تابیں نہیں، غصے سے اجل چیں بہ جبیں ہے

سب قطرے ہیں، گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم، عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیم ملک عرش پہ تھا ورد ہمارا
جبریل سا استاد ہے شاگرد ہے ہمارا

گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں بہ جز خاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شور اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ تھے جب تو یہ اسلام کہاں تھا

محسن سے بدی، ہے یہی احساں کا عوض، واہ!
دشمن کے ہواخواہ ہوئے، دوست کے بدخواہ
گم راہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ
لو، اب بھی مسافر کو نکل جائے دو لِلّٰہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا، تم قہرِ خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادا نہ کروں گا
صابر ہوں، کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا
اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا

رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدا نے کہا، قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں، دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولؐ دوسرا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بُکا سے نہیں ڈرتے

ہم لوگ، جدھر دولتِ دُنیا ہے، اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں، بندۂ زر ہیں

حضرت نے کہا، خیر خبردار صفوں سے!
آیا غضب اللہ کا، ہشیار صفوں سے!
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
کب پنجتنی رکتے ہیں دوچار صفوں سے

غربت کا چلن دیکھ چکے، حرب کو دیکھو!
لو، بندۂ زر ہو تو مری ضرب کو دیکھو!

یاں گوشۂ عزلت، خمِ شمشیر نے چھوڑا
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا

عنقائے ظفر، فتح کا در کھول کے نکلا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے
دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
تاکا سپرِ مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

بالا سے جو آئی وہ بلا جانبِ پستی
بس نیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی
معلوم ہوا لٹ گئی سب کفر کی بستی
زوران کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں، بت اسد اللہ نے توڑے

بجلی سی گری جو صفِ کفار سے نکلی
آوازِ 'بزن'، تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہہ ڈھال میں ڈوبی، کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطاکاروں پہ در امن و اماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی
کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پر کبھی آئی
گہہ پھر گئی سینے پہ، جگر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
ندی اُدھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ، بدلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو، لعل اُگلتی ہوئی آئی

ہیرا تھا بدن، رنگ زمرد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو، پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا
معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دُلھن پھولوں کا گہنا

سیبِ چمنِ خلد کی بوباس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیر سے دولھا کی بغل میں

سر پٹکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہنچے
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے
خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے

دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اس کی بُری تھی
برچھی تھی، کٹاری تھی، سروہی تھی، چھری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی
دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی
امرت بھی، ہلاہل بھی، مسیحا بھی، قضا بھی

کیا صاحب جوہر تھی، عجب ظرف تھا اس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

ہر ڈال کے پھولوں کو اُڑاتا تھا پھل اس کا
تھا لشکرِ باغی میں ازل سے عمل اس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا
تھا قلعۂ چار آئینہ گویا محل اس کا

اس در سے گئی، کھول کے وہ در نکل آئی
گہ صدر میں بیٹھی، کبھی باہر نکل آئی

تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
جا پہنچی کماں داروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے
منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے

بس ہو گیا دفترِ نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا، دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو، شرارت کو، لڑائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو، رکھائی کو، صفائی کو نہ چھوڑا

اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

چار آئینے والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا
چو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
کہتے تھے زرہ پوش، نہیں جنگ کا یارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا

جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

بدکیش، لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلاتے تھے، قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

ڈر ڈر کے قدِ راست سنانوں نے جھکائے
دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
سر، خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھریرے کہ اماں دو

شہ کہتے تھے، ہے باڑھ پہ دریا، نہ رکے گا
اس موج پہ آفت کا طمانچا نہ رکے گا
بے فتح و ظفر دلبرِ زہرا نہ رکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو، موسیٰ نہ رکے گا
ہے بحرِ غضب، نام بھی قہرِ صمد اس کا
رکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

اس صف سے گئے، بیچ سے اس غول کے نکلے
جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغِ دو سر تول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علی کھول کے نکلے
اک زلزلہ تھا نہ فلک و ہفت طبق کو
ہر بار اُلٹ دیتے تھے لشکر کے ورق کو

لڑتے تھے، مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ اُمت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ

تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو، روکو ہمیں آ کر
دعوت یونہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر؟
ہم چاہیں تو پانی بھی پییں نہر میں جا کر

پر صبر کے دریا میں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی
وہ چاند سا رخ، وہ قد و قامت، وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ، وہ اعجاز بیانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی

کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی، کہیں باپ جیا ہے؟

یہ کہہ کے سکینہ کے بہشتی کو پکارے
الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمھارے
لڑتے ہوئے آ پہنچے ہیں دریا کے کنارے
عباس! غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے

ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لپٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو، برادر تمھیں کس طرح جگائے
ہے عصر کا وقت، اے اسداللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے؟

کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسین ابنِ علی پر

کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جُو
سالم نہ کلائی تھی، نہ شانہ تھا، نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

جھک جاتے تھے ہرنے پہ جو غش میں شہِ ابرار
منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیر دلِ افگار
اب خاتمۂ جنگ ہے، اے اسپ وفادار
اُتریں گے بس اب تجھ سے، چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں، نہ ہاتھ ہمارا

زخمی ہے، نہیں اب تری تکلیف گوارا
گرتے ہیں، سنبھلنے کا ہمیں بھی نہیں یارا
کیا بات تری، خوب دیا ساتھ ہمارا
آ پہنچا ہے منزل پہ یداللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہے وہ گھر اک دم میں لٹے گا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

گھیرے ہیں عدو، خیمے تلک جا نہیں سکتے
کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا، تجھے دوڑا نہیں سکتے
پہلو ترے مجروح ہیں، ٹھکرا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں، مجھے درد ہے سب کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو یہ ساری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
منہ رکھ دیا مڑ کر شہِ والا کے قدم پر

گردن کو ہلایا کہ مسیحا! نہ اُتریے
دم ہے ابھی مجھ میں، مرے آقا! نہ اُتریے
تلواریں لیے گرد ہیں اعدا، نہ اُتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا! نہ اُتریے
اے وائے ستم، صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مری زیں ہو

شہ نے کہا، تا چند مسافر سے محبت
وہ تُو نے کیا، ہوتا ہے جو حق رفاقت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت
نہ ہاتھ میں، نہ پاؤں میں، نہ قلب میں طاقت

بہتر ہے کہ اُتروں، نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم، جو غش کھا کے گروں گا

ہے عصر کا ہنگام، مناسب ہے اُترنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گزرنا
سجدے میں کٹے سر، کہ سعادت ہے یہ مرنا

طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہیں ہمیں اس کے کہ ورثہ ہے پدر کا

اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خاتم سے نگیں گر گیا، زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے، نہ مولا کے موالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی

کپڑے تنِ پرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
جا ڈیوڑھی پہ اے صاحبِ معراج کے رہوار!
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستم گار
زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار

رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکمِ خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسداللہ کا جایا
اک تیر جبیں پر بن اشعث نے لگایا
فریاد نے زہرا کی دو عالم کو ہلایا
پیکان سے پہلو عقب سر نکل آیا
تڑپے نہ، زہے صبر امامِ دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر
جو سر پہ لگی تیغ بنِ مالکِ بے پیر
ابرو تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیر
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبی کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علی کا

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پر
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک

نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک، بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خوں خوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا، نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
شورِ دُہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعدِ جفا کار
اے خولی و شیث و بنِ ذی الجوشنِ جرار!
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسین ابنِ علیؑ کا

لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اک سیدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
برقع تھا، نہ مقنع تھا، نہ موزے تھے، نہ چادر
چلائے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو، فاطمہؑ آتی ہے بچانے کو پسر کے

ہلتا تھا فلک، ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فرماتی تھیں، فضہ جو اُڑھا دیتی تھی معجر
فریادی ہوں، فریادی کو زیبا نہیں چادر
سر ننگے یونہی جاؤں گی روضے پہ نبی کے
پردہ تو گیا ساتھ حسین ابنِ علیؑ کے

اُس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری
اے سبطِ نبی، ابنِ علی، عاشقِ باری!
گھوڑا تو ہے کوتل، کدھر اتری ہے سواری
بھیا! بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

اُس وقت شہِ دیں نے سنی زاریِ خواہر
جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہہِ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستم گر
زینب نکل آئی ہے، ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دو بھائی کو بہن سے

منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
دی شہ نے یہ زینب کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
دیکھو گی کیسے، ہم تو ہیں پنجے میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں، جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ، اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

جاؤ صفِ ماتم پہ کرو گریہ و زاری
گھر سے نکل آئے نہ سکینہ مری پیاری
فردوس سے آ پہنچی ہے نانا کی سواری
بس اب نہ سنو گی بہن! آواز ہماری
رونا ہے تو رو لیجو مرے لاشے پہ آ کے
ہٹ جاؤ، کہ سر کٹتا ہے سجدے میں خدا کے

دوڑی یہ صدا سن کے یداللہ کی جائی
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے! بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
قاتل کو، نہ گردن کو، نہ شمشیر کو دیکھا
پہنچیں تو سناں پر سرِ شبیر کو دیکھا

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بے کس یہ پکاری
دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری

آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربیؐ کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

ہے ہے، پسرِ صاحبِ معراج، حسینا!
پردیس میں بیووں کا لٹا راج، حسینا!
گویا کہ علیؑ قتل ہوئے آج، حسینا!
ہے ہے، کفن و گور کے محتاج، حسینا!

پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشا بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی

قربان بہن، اے مرے سرور! مرے سید
مذبوحِ قضا، کشتۂ خنجر، مرے سید
اے فاقہ کش و بے کس و بے پر مرے سید
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر، مرے سید

دیتے ہو صدا کچھ، نہ بلاتے ہو بہن کو
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

بھیا! مرا کوئی نہیں، تم خوب ہو آگاہ
احمدؐ ہیں، نہ زہراؑ، نہ حسنؑ ہیں، نہ یداللہؑ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سیدِ ذی جاہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا، آہ!

چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بھینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

اے میرے شہید! اے مرے ماں جائے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا، ہائے برادر

انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

خاموش انیس اب کہ ہے دل سینے میں بے چین
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینب نے کیے بین
اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ کونین
حاسد ہیں بہت، دل کو عطا کر مرے تو چین

ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

☆

دوسرا مرثیہ

# فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے

اردو ادبیات کی تاریخ میں مختلف نقادوں نے گراں بہا تنقیدی مواد فراہم کیا ہے اور جا بجا قابل تحسین آرا مل جاتی ہیں۔ انیس کے حوالے سے نقادوں کی ایک قابلِ ذکر تعداد کا ماننا ہے کہ اردو ڈراما اگر انیس سے سبق لیتا تو اپنی موجودہ عظمت سے کہیں بڑھا ہوا ہوتا۔ یقیناً انیس کی تخلیقات میں حرکت و عمل کا ڈرامائی عنصر کسی نہ کسی حد تک اردو ڈرامے پر اثر انداز ہوا لیکن ڈراما نگاروں نے انیس سے بہت زیادہ نہیں سیکھا، تاہم اس سے انیس اور اس کے کلام کی عظمت سرِ موکم نہیں ہوتی۔

''کلیاتِ انیس'' میں شامل یہ دوسرا مرثیہ ایک ایسے ڈرامائی عنصر سے مالا مال ہے جسے حرکت کہا جاتا ہے۔ اگر مرثیہ گوئی کی تاریخ کا جائزہ لیں اور اس کے بعد اردو مرثیہ گوئی کے نمائندہ شاہکاروں پر ایک نظر ڈالیں تو مرثیے کے چند ناگزیر عناصر، اصطلاحات اور لوازمات سامنے آتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(i) چہرہ

(ii) سراپا

(iii) رخصت

(iv) آمد

(v) رجز

(vi) جنگ

(vii) تلوار

(viii) گھوڑا

(ix) شہادت

(x) بین

اس مرثیے میں مندرجہ بالا عناصر کی عدم موجودگی میر انیس کی فنی عظمت کا ایک نادر اور عدیم النظیر پہلو پیش کرتی ہے کیونکہ ان لوازمات کے بجائے اس تخلیق میں صرف ایک روداد بیان ہوئی ہے۔ یہ ایک سفر کی تیاری اور مسافروں کے سفر پر روانگی کی روداد ہے۔ سفر کرنے والا قافلہ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا پہنچتا ہے۔ یہ مرثیہ صرف اور صرف ''حرکت'' کی لڑی میں پرویا ہوا ہے۔ تمام کردار حد درجہ متحرک ہیں، گھر میں، گھر سے باہر، سفر میں اور یہاں تک کہ منزل یا پڑاؤ کے بیان میں بھی حرکت کا عنصر ہی زبردست ہے۔ انیس ایک روایت شکن اور روایت ساز تخلیق کار تھے اور یہ مرثیہ ان کی اس حیثیت کو اپنے ایک ایک شعر سے سند دیتا چلا جاتا ہے۔

زیادہ موزوں الفاظ میں تبصرہ کیا جائے تو یہ مرثیہ ایک ایسا منظوم ڈراما ہے جس کے تمام کردار حرکت و عمل سے معمور ہیں، وہ عمل کرتے ہیں، بات کرتے ہیں اور اپنا اپنا اثر چھوڑتے ہیں۔ یہ اکثر شروع سے آخر تک موجود ہے۔ یونانی ادبیات سے شغف رکھنے والے اور المیہ نگاروں کو سمجھنے والے نقاد اسے مرثیہ کے بجائے المیہ کہنا پسند کریں گے۔

یہ عظیم نظم میر انیس کی فکری، فنی اور شعری عظمت و مہارت کی نئی بلندیوں کو قاری پر عیاں کرتی ہے۔ نسوانی نفسیات کی ترجمانی ہے تو غضب کی ہے، وطن چھوڑنے والوں کے جذبات کی آئینہ داری ہے تو کمال کی ہے، پیچھے رہ جانے والوں کی حسرت و یاس کا بیان ہے تو دل کو چُھو لیتا ہے، زبان و بیان کی ہمواری اور موزوں آغاز و اختتام کی مثال پیش کرنا ہو تو صرف اس مرثیے کا حوالہ دینا ہی کافی ہوگا۔ مکمل متن سے پہلے قارئین کے ذوق کو ہوا دینے کے لیے بطور نمونہ چند اشعار درج کر دینا ہرگز بے محال نہ ہوگا۔ ملاحظہ فرمایئے:

تدبیرِ سفر میں ہیں۔ اِدھر سبطِ پیمبرؐ<br>
گھر میں کبھی آتے ہیں، کبھی جاتے ہیں باہر

اسباب نکلواتے ہیں، عباس دلاور
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبر
شہ کو جنھیں لے جانا ہے، وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

o——o

شبیرؑ کا منہ تکنے لگی بانوئے مغموم
صغرٰی کے لیے رونے لگیں زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
پردہ رہا اب کیا، تمھیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو، اس واسطے سب روتے ہیں صغرٰی
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرٰی

اس مرثیے میں ایک سو چودہ بند یا تین سو بیالیس شعر ہیں جو سب کے سب اثر آفرینی و موزونی میں یکساں اور لاجواب ہیں۔ میر انیس کے سبھی مرثیوں میں یہ مرثیہ کیفیات، موضوع، اسلوب، اندازِ بیاں اور ندرت و جدت کے لیے ممتاز تھا، ہے اور رہے گا۔ یہ رنگ، یہ آہنگ صرف میر انیس کے لیے مخصوص تھا، ان سے پہلے یا بعد میں کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ فنِ مرثیہ گوئی میں ان تخلیقی بلندیوں کو چھونے کی کوشش کرے جن تک میر انیس اس مرثیے کے بند بند میں جاتے نظر آتے ہیں۔ مستورات کے پردے کے اہتمام اور لوازماتِ سفر کے ضمن میں اس مرثیے کی فضا لکھنوی ثقافت کی ہلکی سی جھلک بھی پیش کرتی ہے لیکن اس عنصر سے مرثیہ کے پاکیزہ کرداروں کی کیفیات کو مزید گہرائی اور تقدس ملتا محسوس ہوتا ہے، کئی مقامات پر پڑھنے والے کی آنکھ چھلکتی ہے اور دل تڑپتا ہے، یہ تاثیر نوعیت کے اعتبار سے خداداد ہی کہلا سکتی ہے۔ زبان کی سادگی، اشعار کی روانی اور میر انیس کی جادو بیانی اس شاہکار مرثیے کا نمایاں وصف ہے۔

''کلیاتِ انیس'' کا یہ دوسرا مرثیہ امام عالی مقام حضرت حسینؓ، ان کے اہلِ خانہ اور رفقا

کی کربلا کی طرف روانگی کا واقعہ سامنے لاتا ہے جو ایک طرح سے اصل واقعہء کربلا کی تمہید ہے۔ یاد رہے کہ اس سفر کے دوران امام عالی مقامؑ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملتی ہے۔ لیکن راہِ حق کے قافلے کا سفر اس اندوہ ناک اطلاع پر بھی جاری رہتا ہے اور اس سفر کا اختتام آخر کار کربلا میں ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ بلاشبہ انیس کے کم سے کم منتخبات میں بھی ہمیشہ شامل رہے گا۔
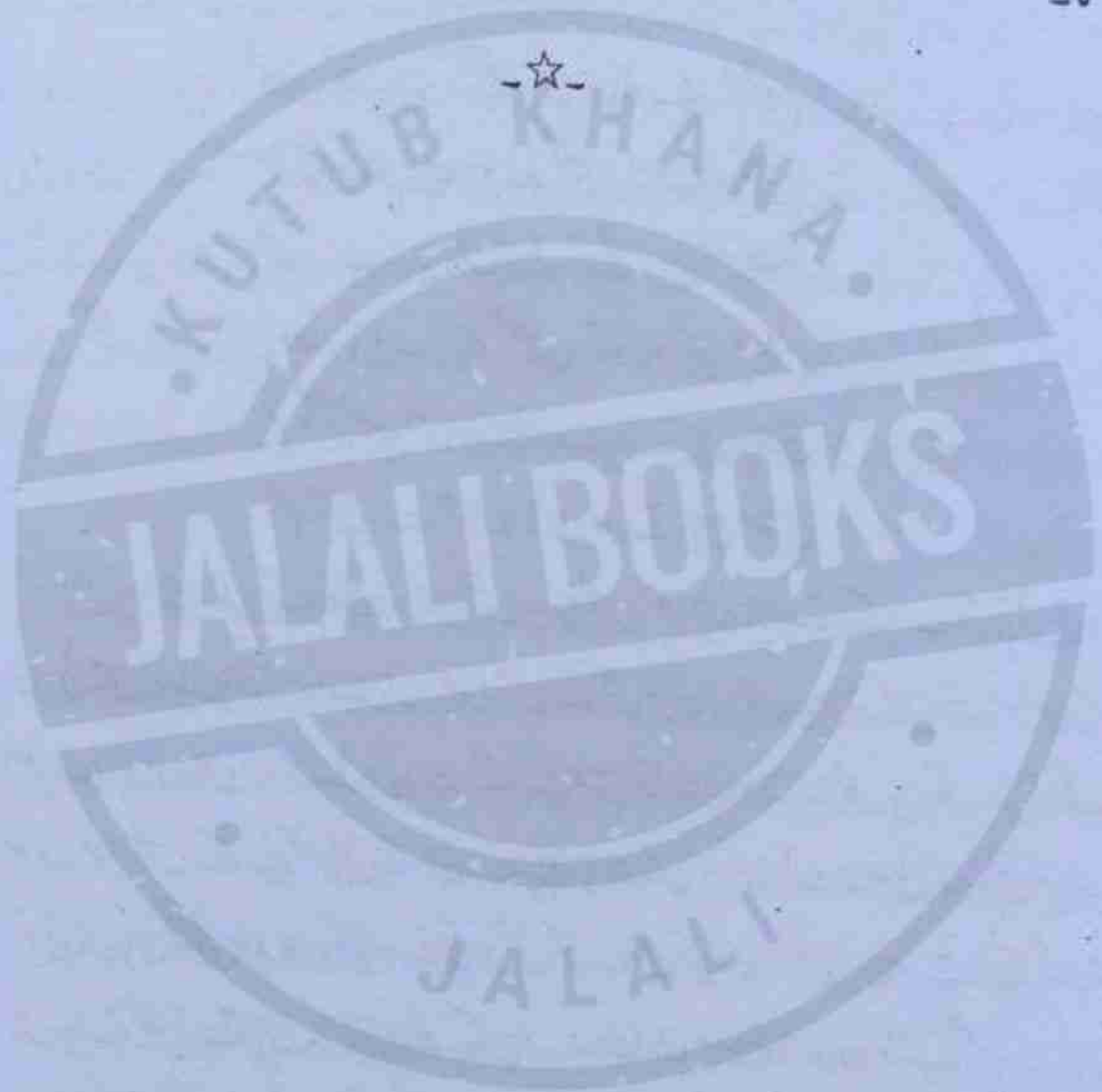
-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے
سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
گل چاک گریباں ہے، صبا خاک بہ سر ہے
گل رُو صفتِ غنچہ، کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر، سروِ قبا پوش
عمامے سروں پر ہیں، عبائیں بسرِ دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش
حیراں کوئی تصویر کی صورت، کوئی خاموش
منہ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباس کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی، آہ!
اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ
واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جاں کاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس، یہ خُلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عون و محمد کے ہیں ہم سن
کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں، یہ نہیں ممکن
گرمی کا مہینہ ہے، سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبیرؑ کے سایے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر
ہاں بھائیو! تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر
ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ہر قلب حزیں ہے، تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
غل ہے کہ چلا دل برِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبیؐ کے
روضے پہ اداسی ہے رسولِؐ عربی کے

ہے جب سے کھلا حالِ سفر، بند ہے بازار
یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاں دار
خاک اڑتی ہے، ویرنیٔ یثرب کے ہیں آثار
ہر کوچے میں ہے شور، کہ ہے ہے شہِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا، آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

تدبیرِ سفر میں ہیں اِدھر سبطِ پیمبرؐ
گھر میں کبھی آتے ہیں، کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباس دلاور
تقسیمِ سواری کے تردّد میں ہیں اکبر

شہ کو جنھیں لے جانا ہے، وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے، اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کَسے جاتے ہیں، محمل بھی ہیں تیار
چلاتے ہیں درباں: ''کوئی آئے نہ خبردار''

ہر محمل و ہودج پہ گھٹاٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فراش کھڑے ہیں

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہردم
فرش اٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم

غل ہوتا ہے ہر سمت، جدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

لے لے کر بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
اِس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر؟
مسلم کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر

لِلّٰہ، ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے، اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے، ملک رہتے ہیں جس گھر کے نگہباں
کیوں اپنے بزرگوں کا وطن کرتے ہیں ویراں؟
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں
بی بی! یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں

اک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدرؑ پہ چلی ہے

اُجڑے گا مدینہ، جو یہ گھر ہوئے گا خالی
بربادیِ یثرب کی بِنا چرخ نے ڈالی
کیا جانیں، پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی

زہراؑ ہیں، نہ حیدرؑ، نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں کا سفر، آہ
ان چھوٹے سے بچوں کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ
ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں، شہِ ذی جاہ

قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اِس راہ میں پانی نہیں ملتا

منہ دیکھ کے اصغر کا، چلا آتا ہے رونا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں، اور کہاں نرم بچھونا
لکھا تھا اِسی سِن میں مسافر انھیں ہونا

کیا ہو گا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کملائیں گے، ماں ہاتھ ملے گی

اُن بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
بہنو! ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے، مگر رہ نہیں سکتی

اماں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی
بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی

ظاہر میں تو مابینِ لحد سوتی ہیں اماں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں، روتی ہیں اماں

ہے روح پہ اماں کی قلق، کرتی ہیں زاری
سر پیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری
فرماتی تھیں: بھائی سے خبردار! میں واری

غم خوار ہے تُو اور خدا حافظِ جاں ہے
نے باپ ہے سر پر مرے بچے کے، نہ ماں ہے

یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی وصیت
کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دمِ رحلت
آہستہ یہ فرماتی تھیں با صد غم و حسرت
شبیرؑ سدھارے جو سوئے وادیِ غربت

اُس دن مری تربت سے بھی منہ موڑیو زینب
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینب

اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر
گھر بھائی سے تھا، بھائی نہ ہوتے تو کہاں گھر
دو بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر
رسی سے بندھے ہاتھ کہ بلوے میں کھلے سر
جو ہووے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینب
اس کوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینب

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہِ عادل
تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہو گی کہیں آج کی منزل
رخصت کرو لوگوں کو، بس اب رونے سے حاصل؟
چلتی ہے ہوا سرد، ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں، گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہیں ملنے کو آئے
کہہ دو، کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے
جانے کی خبر میری نہ صغریٰ کہیں پائے
ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اُس کا نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

رخصت کو ابھی قبرِ پیمبرؐ پہ ہے جانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا
اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

سن کر یہ سخن، بانوئے ناشاد پکاری
میں لٹتی ہوں، کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغریٰ مری پیاری
بے بس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری

اب کس پہ میں اس صاحبِ آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح میں بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں، کلیجا نہیں سینے میں سنبھلتا
صاحب! مرے دل ہے کو کوئی ہاتھوں سے ملتا
میں تو اسے لے چلتی، پہ بس کچھ نہیں چلتا
رہ جاتیں جو بہنیں بھی، تو دم اُس کا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغریٰ کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو
کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو!
ہم جاتے ہیں، تم اٹھ کے بغل گیر تو ہو لو
چھاتی سے لگو باپ کی، دل کھول کے رو لو

تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر میں جو ڈھونڈو گی، تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو، کیا صبح سے بے ہوش ہو، خواہر
اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اٹھ کے، کھڑی روتی ہیں مادر
ہم روتے ہیں، دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر

افسوس! اسی طور سے غفلت میں رہو گی؟
کیا آخری، بابا کی، زیارت نہ کرو گی؟

سن کر یہ سخن، شاہ کے آنسو نکل آئے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا، سخن لب پہ یہ لائے
کیا ضعف و نقاہت ہے، خدا اس کو بچائے
جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ، میں کیوں کر اسے لے جاؤں سفر میں

کہہ کر یہ سخن، بیٹھ گئے سیدِ خوش خو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گلِ زہراؑ کی جو خوشبو
آنکھوں کو تو کھولا، پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا: مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں؟

ماں نے کہا: ہاں ہاں، وہی آئے ہے مری جاں
جو کہنا ہو، کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو اِدھر، روتے ہیں، بی بی! شہِ ذی شاں
صغریٰ نے کہا، ان کی محبت کے میں قرباں
وہ کون سا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو مجھ سے کہ جدا ہوتے ہیں بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر؟
نے فرش، نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبر؟
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر؟
اجڑا ہوا لوگو، نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو، مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبطِ پیمبرؐ سے وطن چھٹتا ہے اماں؟

شبیرؑ کا منہ تکنے لگی بانوئے مغموم
صغریٰ کے لیے رونے لگیں زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
پردہ رہا اب کیا، تمھیں خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو، اس واسطے سب روتے ہیں صغریٰ
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغریٰ

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
میں پا بہ رکاب، اور ہو تم صاحبِ آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار
تکلیف تمھیں دوں، یہ مناسب نہیں زنہار

غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر، رنج و مصیبت کا سفر ہے

لُو چلتی ہے، خاک اُڑتی ہے، گرمی کے ہیں ایام
جنگل میں نہ راحت کہیں، نہ راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام
دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام

صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغریٰ نے کہا: کھانے سے خود ہے مجھے انکار
پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار
تبرید فقط آپ کا ہے شربتِ دیدار

گرمی میں بھی، راحت سے گزر جائے گی بابا!
آئے گا پسینہ، تپ اُتر جائے گی بابا!

کیا تاب، اگر منہ سے کہوں، درد ہے سر میں
اُف تک نہ کروں بھڑ کے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
قربان گئی، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں

ہو جانا خفا، راہ میں گر روئے گی صغریٰ
یاں نیند کب آتی ہے، جو واں سوئے گی صغریٰ

وہ بات نہ ہو گی کہ جو بے چین ہوں مادر
ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر
لونڈی ہوں سکینہ کی، نہ سمجھو مجھے دختر

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا! مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے، کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ
ایسا بھی کوئی ہے، جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ

ناچار، یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغریٰ
ہے مصلحتِ حق یہی، جو کہتا ہوں صغریٰ

اے نورِ بصر! آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا
تو مجھ سے بہلتی، مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف، کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا

جز ہجر، علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ، موئے ہم
ماں کہتی تھی، مختار ہیں بی بی، شہِ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم

وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغریٰ
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغریٰ

صغریٰ نے کہا: کوئی کسی کا نہیں زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ، نہ وہ آنکھ کسی کی ہے، نہ وہ پیار
اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار

بیزار ہیں سب، ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں، سلامت رہیں اکبر
اتنا نہ کہا، مر گئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں، وہ ہیں صبح سے باہر
وہ کیا کریں، برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے؟
نے بھائیوں کو دھیان، نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
میں کون، جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو غرض، چھاتی سے لپٹانے کو آتے
زلفیں جو الجھتیں تو سلجھوانے کو آتے

کل تک تو مرے حالِ پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں عباسِ دلاور
میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آ کر
سرسبز رہے خلق میں نوبادۂ شبّر
شادی میں بلائیں، مجھے یہ بھی نہیں باور
بے دولھا بنے منہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بے کس و رنجور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ "بیٹی میں ہوں مجبور"
ہمراہی بیمار کسی کو نہیں منظور
دنیا سے سفر، رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بی بیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بے کس و دل گیر
نزدیک تھا، دل چیر کے پہلو، نکل آئے
"اچھا" تو کہا منہ سے، پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے، آؤ
روٹھی ہے بہن تم سے، گلے اس کو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انھیں کب آؤ گے، اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر
کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغریٰ، مری تقصیر؟
چلّانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دل گیر
محبوب برادر، ترے قربان ہو ہمشیر

صدقے ترے سر پہ سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے پہ میں صدقے
کیوں روتے ہو، اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی!
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی!

لکھنا مجھے، نسبت کا اگر ہو کہیں ساماں
حق دار ہوں میں نیگ کی میرا بھی رہے دھیاں
اور مر گئی پیچھے تو رہے دل میں سب ارماں
لے آنا دلھن کو مری تربت پہ میں قرباں

خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی!
حق نیگ کا تم قبر پہ دھر دیجیو بھائی!

پیارے مرے بھیا، مرے مہ رو علی اکبر
چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو، علی اکبر
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو ، علی اکبر
ڈھونڈیں گی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو، علی اکبر

دل سینے میں کیوں کر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا، تو اُجالا نہ رہے گا

کیا گزرے گی، جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی!
کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی!
تشریف خدا جانیے کب لاؤ گے بھائی!
کی دیر، تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی!
کیا دم کا بھروسا کہ چراغ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

ہاں سچ ہے، کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا
صحت سے جو ہیں، ان میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا، جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف، کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے، تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے، غم اس کا نہیں زنہار
دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
قبلے کی طرف کون کرے گا رخ بیمار
"یٰسین" بھی پڑھنے کو نہ ہو گا کوئی غم خوار
سانس اکھڑے گی جس وقت، تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

ماں بولی: یہ کیا کہتی ہے صغریٰ! ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بے کس مری بچی، ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے، میری دُعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا؟
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا؟

میں صدقے گئی، بس، نہ کرو گریہ و زاری
اصغر مرا روتا ہے، صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
آ آ، مرے ننھے سے مسافر، ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن، جان گئے تم؟
اصغرا مری آواز کو پہچان گئے تم؟

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی
تپ ہے، تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے، لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی
رکھ لوں تمھیں، اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بے کس ہوں، مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو، سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سنی، درد کی گفتار
صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغریٰ
تم بھی یہ سمجھتے ہو، کہ مر جائے گی صغریٰ

عباس نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا:
"چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے، آقا"!
لپٹا کے گلے فاطمہ صغریٰ کو دوبارا
اُٹھے شہِ دیں، گھر تہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا، سو وہ پُرنم نظر آئی
اک مجلسِ ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہِ ابرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فراشوں کو عباس پکارے یہ بہ تکرار
پردے کی قناتوں نہ سے خبردار! خبردار!
باہر حرم آتے ہیں رسولِؐ دو سرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو، وہ اُتر جائے
آتا ہو ادھر جو، وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے!
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا، حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباسِ علی سے، علی اکبر نے کہا تب
ہیں قافلہ سالارِ حرم، حضرتِ زینب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل پہ چڑھیں سب
حضرت نے کہا، ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے، زہراؑ کی جگہ بنتِ علیؑ ہے
میں جانتا ہوں، ماں مرے ہمراہ چلی ہے

آ پہنچی جو ناقے کے قریں دخترِ حیدرؑ
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے، سبطِ پیمبرؐ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبر
فرزند کمربستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباس کھڑے تھے

اک دن تو مہیا تھا یہ سامانِ عماری
اک روز تھا وہ، گرد تھے نیزے لیے ناری
محمل تھا، نہ ہودج، نہ کجاوہ، نہ عماری
بے پردہ تھی، وہ حیدرِ کرارؓ کی پیاری

ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ، اور ہاتھ بندھے تھے

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہراؑ
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والا
آنے لگے رہوار، کھلا گرد کا پردا
عباس سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا

صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے، روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولؐ عربی پر

ہے قبر پہ نانا کی، مقدم مجھے جانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا
اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

پیدل، شہِ دیں روضۂ احمدؐ پہ سدھارے
تربت پہ صدا آئی کہ آ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیر لپٹ کر یہ پکارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے

خط کیا ہیں، اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا!
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا!

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی
راحت کوئی ساعت، مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی
ہیں آپ جہاں، راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں، گرفتارِ بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہوں

میں اک تنِ تنہا ہوں، ستم گار ہزاروں
اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک سر ہے فقط، اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمایئے، اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ
یاں قید کی ہے فکر، اُدھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے، اور کہیں زنجیر
خوں ریزی کو کعبے تلک آ پہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا!
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا!

یہ کہہ کے ملا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک
ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاک
جنبش جو ہوئی قبر کو، تھرا گئے افلاک
کانپی جو زمیں، صحنِ مقدس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو، ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح
تو شہر سے جاتا ہے تڑپتی ہے مری روح
بے تیغ کیا خنجرِ غم نے ترے مذبوح
ہے کشتیِ اُمت پہ تباہی کہ چلا نوح

افلاک امامت کا کبھی بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

مارا گیا جس روز سے، شبر مرا پیارا
اس روز سے ٹکڑے ہے کلیجا مرا سارا
اب قتل میں ہوتا ہوں، ترے ساتھ دوبارا
اُمت نے کیا پاسِ ادب خوب ہمارا

زہراؑ کی جو بستی کو اجاڑیں تو عجب کیا
اعدا مجھے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

اس ذکر پہ رویا کیے شہ، سر کو جھکائے
واں سے جو اٹھے، فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے، بہت اشک بہائے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے، مرے جائے

ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری
گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری
کہتے تھے کہ اے احمدِؐ مختار کی پیاری
تم پاس ہو، تربت ہے بہت دور ہماری

گھر لٹتا ہے، کیونکر ہمیں چینِ آئے گا زہراؑ
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہراؑ

میں نے جو کہا: قبر سے کیوں نکلے ہو باہر
نے سر پہ عمامہ ہے، نہ ہے دوش پہ چادر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنتِ پیمبرؐ
مرنے کو پسر جاتا ہے، برباد ہوا گھر

تڑپیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اب اور مرے بچوں کے گلے ہیں

پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبیر کا مقتل
وہ نہرِ فرات اور وہ کئی کوس کا جنگل
وہ بجلیاں تلواروں کی، اور شام کا بادل
دریا سے وہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہلچل

شبیر کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی
دسویں کو محرم کی، چھری مجھ پہ چلے گی

سن کر یہ بیاں باپ کا، مادر کی زبانی
رو رو کے پکارا اسداللہ کا جانی
ہاں والدہ، سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی
پیاسے ہیں مرے خون کے، یہ ظلم کے بانی

بچپن میں کیا تھا مرا ماتم، شہِؑ دیں نے
ناناؐ کو خبر دی تھی مری، روحِ امیں نے

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے، تربتِ شبر
اس قبر سے لپٹے بہ محبت، شہِ صفدر
چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے، برادر
حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر

قبریں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے چلے، قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم
رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے، افسردہ و مغموم
چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم

خالی ہوا گھر آج رسولؐ عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

جب اُٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم
سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یونہی ماتم
تھا رحلتِ شبرؑ میں محبوں کا یہی غم

پس آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ
اب پنجتن پاک سے خالی ہے مدینہ

چلاتی تھیں رانڈیں، کہ چلی شہ کی سواری
لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری
مضطر تھے اپاہج، ضعفا کرتے تھے زاری

کہتے تھے گدا، ہم کو غنی کون کرے گا؟
محتاجوں کی فاقہ شکنی، کون کرے گا؟

تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا، جسے کرتے تھے رخصت
پائیں گے کہاں ہم، یہ غنیمت ہے زیارت

آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں انھیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
تکلیف تمھیں ہوتی ہے، اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں، آنسو نہ بہاؤ
پھرنے کے نہیں، ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اُس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو! مری صغریٰ کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے، شاہ سدھارے
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
عابد، طرفِ خانۂ اللہ سدھارے
اُترے نہ مسافر، کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے
مکے نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبرؐ غربا سے
آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی بُو بُو ہے، نواسے میں نبیؐ کے

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام
کوفے سے چلے آتے تھے نامے، سحر و شام
اعدا نے گزرنے نہ دیے حج کے بھی ایام
کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتمِ ذی حجہ کہ راہی ہوئے حضرت

جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار
ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
قبریں نظر آ جاتی تھیں صحرا میں جو دو چار
فرماتے تھے شہ: ''فاعتبروا یا اولی الابصار''
جز خاک نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے، ہم سے غریب الوطنوں کا

احباب کہیں، گھر ہے کہیں، آپ کہیں ہیں
آگے تو زمیں پر تھے، پر اب زیرِ زمیں ہیں
خالی ہیں مکاں، آپ تہہِ خاک مکیں ہیں
جو دور نہ رہتے تھے، وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہو گی کہ پہنچے نہ وطن میں
کیا منہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

باتیں تھیں یہی یاس کی، اور درد کی تقریر
منزل پہ بھی آرام سے سوتے نہ تھے شبیرؑ
شب کو کہیں اُترے تو سحر کو ہوئے رہ گیر
جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈے کوئی معشوق کے گھر کو

ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ
یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہِ ذی جاہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ؟
اک نہر سوا، جس میں ہو چشمہ نہ کوئی چاہ؟
کیا ملتا ہے اُس دشت میں اور کیا نہیں ملتا؟
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں، وہ صحرا نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک!
ہے سخت پُراندوہ وہ صحرا تہِ افلاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک
سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک
دن رات کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت، نہ غنی کی

چلاتی ہے عورت کوئی، ہے ہے مرے فرزند
اِس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دل بند
پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے، یہیں خنجر تری گردن پہ چلے گا

اک شیر ترائی میں یہ چلاتا ہے دن رات
کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے، ہیہات
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہِ خوش اوقات!
پانی تو نہیں شور، پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی دمِ تشنہ دہانی، نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

اُس جا نہ اترتا ہے، نہ دم لیتا ہے رہ گیر
ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
پیاسوں کے لیے اُس کی ہر اک موج ہے شمشیر
اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بُو آتی ہے اُس نہر کے پانی میں لہو کی

اس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم
اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اُسے ہم
عاشق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہردم
غم اور بڑھا، وصل کا عرصہ جو رہا کم

آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جاں کاہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے پیٹے حرمِ شاہ
فرماتے تھے شہ، سب کو ہے درپیش یہی راہ

ہو گا وہی، اللہ کو جو مدِ نظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال
محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے عباسِ خوش اقبال
وہ کہتی تھی، ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال

پوچھو تو، کدھر وہ مرے پیارے گئے دونوں
فرماتے تھے شبیرؑ، کہ مارے گئے دونوں

محمل تھے سب اس بی بی کی ہودج کے برابر
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر
ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر

کیوں پیٹتی ہو، کون جدا ہو گیا اماں؟
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا اماں؟

اُس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا
کھانا کئی دن قافلے والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا، اسداللہ کا جایا
جو چاند محرم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبیرؑ میں دیکھا
منہ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

خویش و رُفقا چاند کی تسلیم کو آئے
مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو، یداللہ کے جائے
کفار پہ تو فتح اسی چاند میں پائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اُجالا رہے تیرا

حضرت نے دُعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات
کر رحم گنہ گاروں پہ، اے قاضیِ حاجات!
سر دینے کا مشتاق ہوں، عالم ہے تری ذات
خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

پہنچا دے مجھے جلدی سے اے خالقِ افلاک!
اُس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قُرب کا سبطِ شہِ لولاک
نے ملک کی خواہش ہے، نہ درکار ہے اِملاک
بیتاب ہے دل، صبر کا چارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

اتنے میں یہ فِقرہ، علی اکبر کو پکاری
لو دیکھ چکیں چاند، یداللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمھاری
آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں، واری!

آئے تو رخِ اکبرؑ ذی قدر کو دیکھوں
شکلِ مہِ نو دیکھ چکی، بدر کو دیکھوں

شہ داخلِ خیمہ ہوئے، فرزند کے ہمراہ
منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنتِ یداللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہؑ کے ماہ؟
فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ذی جاہ

سر تن سے مرا اس مہِ پُرغم میں کٹے گا
زینبؑ! یہ مہینہ تمھیں ماتم میں کٹے گا

یہ آلِ نبیؐ کی ہے مصیبت کا مہینا
یہ ظلم کا عشرہ ہے، یہ آفت کا مہینا
پہنچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا
آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا

یہ بارِ امامت مری گردن سے اُتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر، جو سر تن سے اُتر جائے

گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہے یہ، ہمشیر!
چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب لشکرِ شبیرؑ
نیزہ کوئی کھائے گا کلیجے پہ، کوئی تیر

برچھی کسی جاں باز کے پہلو میں لگے گی
شمشیر کسی شیر کے بازو میں لگے گی

خیمے کو جلا دیں گے، لٹے گا زر و زیور
اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ مادر
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے، بہنوں سے برادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہوویں گی مقرر
گھر کیں گے ستم گار جو روئے گی سکینہؑ
اس ماہ میں بے باپ کے ہووے گی سکینہؑ

دولھا کوئی ٹاپوں کے تلے ہووے گا پامال
پیٹے گی کوئی تازہ دلھن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال
نکلے گی کوئی کہتی ہوئی، ہائے مرا لال!
معصوموں کے سونے کی جگہ پائیں گی خالی
بچوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

اس عشرۂ اوّل میں نہ ہوئیں گے بہن ہم
تاریخِ سفر ہے ''دہم ماہِ محرم''
عشرہ، یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینب پُرغم
جس لال کی عاشق ہو، وہ ہو جائے گا بے دم
دیکھوں گی نہ پھر منہ، علی اکبرؑ سے پسر کا
اب شام میں ہوئے گا تمھیں چاند صفر کا

رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن
ان روزوں خوشی ہو، یہ کسی کو نہیں ممکن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن
اکبر کو جواں روئیں گے، معصوموں کو کم سن
بھولیں ہمیں، ایسے نہیں غم خوار ہمارے
ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

غش ہو گئی سن کر یہ بیاں زینبؑ پُرغم
خیمے میں اِسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بی بیاں باہم
خیموں کو اُکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم

آخر وہی صحرا، وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

اترے اُسی میدانِ بلاخیز میں سرور
اِستادہ ہوئے خیمۂ ناموس پیمبرؐ
صحرا کی طرف دیکھ کے، خوش ہو گئے اکبرؑ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور

شہ بولے، ہوا نہر کی بھائی! تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو، دریا کی ترائی تمھیں بھائی

خامے کو بس اب روک انیسِ جگر افگار
خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
زندہ رہیں دنیا میں، شہِ دیں کے عزادار
غیر از غمِ شہ اُن کو نہ غم ہو کوئی زنہار

آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اِس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

-☆-

تیسرا مرثیہ

# جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا

یہ مرثیہ میر انیس کے طویل ترین مرثیوں میں سے ایک ہے۔انھوں نے ایک دو مرثیے ہی ایسے لکھے تھے جن کے بند دو سو سے زیادہ تھے۔ یہ مرثیہ 245 بندوں پر مشتمل ہے۔انیس کے قلم کا کرشمہ یہ ہے کہ اس طویل نظم میں بھی وہی فنی بلندی، فکری جدت اور زبان و بیان کی غیر معمولی خوبیاں مصرعہ بہ مصرعہ موجود ہیں جو ان کے کلام کا جوہر ہیں۔

مرثیے کے آغاز میں امام عالی مقام حضرت حسینؑ کے دشت کربلا میں تشریف لانے کا ذکر ہے۔آپؑ اور آپؑ کے رفقا کی تشریف آوری سے یہ دشتِ بلا خلدِ بریں کا نمونہ بن گیا ہے۔ اس سرزمین پر وہ عالی مرتبت ہستیاں جلوہ افروز ہوئی ہیں کہ جن کی عظیم قربانیوں کے طفیل اسلام کی بقا کا اہتمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہے۔اب بہت جلد وہ واقعہ پیش آنے کو ہے جس کے متعلق سرورِ کونینؐ آپنے پیارے نواسے حضرت حسینؑ کا گلا مبارک چوم چوم کر اشارہ فرما چکے تھے۔۔۔لیکن مرثیہ کے آغاز میں حسینی قافلہ دشتِ کربلا میں آیا ہے اور یہ زمیں خود کو آسماں سے بھی افضل سمجھ رہی ہے۔اس عظیم نظم کا ہر بند پر تاثیر اور شاہکار ہے۔ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا<br>
دشتِ بلا نمونۂ خُلدِ بریں ہوا<br>
سر جھک گیا فلک کا، یہ اوجِ زمیں ہوا<br>
خورشید محوِ حُسنِ حسینؑ حسیں ہوا<br>
پایا فروغ نیّرِ دیں کے ظہور سے<br>
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے۔

o——o

یہ دشتِ ہولناک کہاں، یہ چمن کہاں
جنگل کہاں، بتول کے گل پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبیؐ کا، یہ دارِ محن کہاں
قبریں کہاں شکستہ دلوں کی، وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

میر انیس کا قلم جس منظر کو لفظوں کا روپ دیتا ہے، وہ منظر کاغذ پر شعر نہیں تصویر ہو جاتا ہے، ریاضِ رسولؐ کے پھولوں کی آمد سے کربلا کی خاک کیا سے کیا ہو گئی، یہ بیان بھی انیس پر ختم ہے، بظاہر وہ اس موقع پر دشتِ ویراں کی قسمت بدل جانے کا ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ فرات کے سینے پر حباب نہیں ہیں بلکہ یہ تو دریا کی طرف سے اپنے مہمانوں کے اعزاز و اکرام میں چراغاں ہو رہا ہے اور ہر کوہ کا دماغ گویا سرِ فلک پہنچا ہوا ہے، لیکن اس تمہید کو انھوں نے جس تفصیل کی طرف لے کر جانا ہے، اس کی حزیں سرخی بھی لفظوں کے پیچھے سے جھانکتی نظر آتی ہے۔ آمدِ حسینؑ سے اس زمیں کے بخت تو جاگے ہیں لیکن کنبۂ رسولؐ پر جو وقت آنے کو ہے، شاعر اس سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

جنگل میں بن گیا شجرِ طور ہر درخت
بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
اب اس زمیں پہ سوئے گا مختارِ تاج و تخت
رفعت کا اس کی فرش سے غُل عرش تک گیا
لو، آج خاک کا بھی ستارہ چمک گیا

دشتِ کربلا کی رفعت کا غُل فرش سے عرش تک جانا اور خاک کا ستارہ چمکنے کی بات کہنا صرف انیس ہی کا حصہ تھا۔ یہ انداز، یہ طرزِ سخن، یہ اسلوبِ شعری، یہ فنی نزاکتیں، یہ فکری بلندیاں اور تخلیقی عظمتیں جو اردو مرثیہ گوئی کی روایت کو میر صاحب کی بدولت نصیب ہوئیں، اردو ادب کی جان اور اس کا طرۂ امتیاز ہیں۔

اس مرثیے میں شروع سے آخر تک ہر بند ذوق آفریں ہے، بزم کے واقعات ہیں تو ایسے کہ پڑھنے سننے والوں کو مسحور کر دیں اور حالاتِ رزم کا ذکر ہوا ہے تو یوں کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور دل جوش سے بے قابو ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ رزم و بزم کے رنگارنگ جذبات کو اس مرثیے میں کچھ اس طرح شعری روپ دیا گیا ہے کہ لاکھ ڈھونڈنے سے بھی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی جو میر صاحب کے ہم پلہ ہو۔ انھوں نے اس عظیم اور طویل نظم میں ایسی اکائی کو ابتدا سے آخر تک بخوبی نبھایا ہے کہ مرثیہ گوئی کا معیار مقرر کر دیا ہے۔ صرف یہ ایک مرثیہ ہی ان کے قلم کی عظمت کا اعتراف کرنے کو کافی ہے۔ چہرے سے شہادت تک پوری نظم ایک قابلِ فخر ہمواری لیے ہوئے ہے۔

مدینے سے چلنے والا قافلہ جب کربلا پہنچا تو سینکڑوں میل کے صحرائی سفر کے بعد مسافروں نے اپنی منزل پائی، جب امام حسینؑ کے ساتھ سفر کرنے والے، بچے، بوڑھے، جوان اور مستورات آخرکار شطِ فرات کے قریب ٹھہریں تو ان کے جذبات اور نفسیات کے مطابق واقعات کو منتخب کر کے انھیں نظم کرنا کسی عام فنکار کے بس کی بات نہ تھی، لیکن میر انیس نے ان واقعات کو کاغذ پر تصویر کر دیا ہے۔ بلاشبہ ان کی قوتِ مشاہدہ ماورائی تھی، اس نظم میں یہ قوتِ مشاہدہ اپنے پورے عروج پر ہے، ساتھ ہی میر صاحب کا عقیدہ، خلوص، جذبۂ عقیدت اور وابستگی بھی جا بجا اپنا رنگ دکھاتی ہے:

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ امت کا ناخدا
جتنے سوار تھے، وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا!!
دیکھو تو! کیا ترائی ہے، کیا نہر، کیا فضا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر!
عباس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر!

o—o

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند
کیوں، یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند؟

کی مسکرا کے عرض، کہ یا شاہِ ارجمند!
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
سیراب یہیں رہیں گے، عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضور! ترائی غضب کی ہے

انیس کا یہ مرثیہ بھی کیا مرثیہ ہے، لطافتوں اور نزاکتوں کا ایک جہان مصرعہ بہ مصرعہ اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ ''اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر'' اور ''بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند'' جیسی نزاکتِ بیان اگر کہیں مل سکتی ہے تو وہ صرف انیس کا کلام ہے۔

امام عالی مقام حضرت حسینؑ کا فرات کے کنارے اترنا، جگہ موزوں دیکھ کر اطمینان ہونا، خیمے نصب کرنے کے لیے جگہ کا انتخاب کیا جانا، حضرت عباسؑ، امام عالی مقام اور حضرت زینب کا مکالمہ، آدابِ گفتگو، قاعدوں اور دستور کا پاس و لحاظ، ہر واقعہ کی جزئیات نگاری غرضیکہ ان سبھی واقعات کو انیس نے یوں لکھا ہے کہ قاری یہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتے دیکھتا ہے۔

قافلۂ امام حسینؑ کے خیمہ زن ہونے کے بعد یزیدی فوج کی آمد کی خبر گرم ہوئی، آخر کار یزیدی لشکر آ پہنچا، یہ مداخلت حضرت حسینؑ کے جانثاروں پر گراں گزری، نوبت بحث کی آئی اور اس واقعہ و موقعہ کو انیس نے یوں نظم کیا کہ منظر، صدائیں، لہجوں کے زیر و بم اور آوازوں میں خوابیدہ جذبات و محسوسات اور دلی کیفیات نے اشعار کا روپ لے لیا:

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی!!!
اک ایک پیل زور، تہمتن شکوہ تھا!
ابنِ رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

o——o

نیر صاحب نے مندرجہ بالا چھٹے مصرعوں میں ابن رکاب کی سربراہی میں آنے والی فوج

کا حال یوں بیان کیا ہے کہ پورا نقشہ جما کر رکھ دیا ہے۔ بن میں سیاہی کا چھانا، گھوڑوں کے دوڑنے سے زمین کا تھرتھرانا اور پھر جنگی سپاہ کا گھاٹ کے نزدیک آنا زیادہ فاصلے، کم فاصلے اور بالکل قریب کے منظر کو بتدریج سامنے لاتا ہے۔ اس صورتحال میں حضرت عباس نے جو ردِعمل ظاہر کیا اُسے انیس کچھ یوں کاغذ پر منتقل کرتے ہیں:

بولے ملازموں سے یہ عباسِ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
آتے ہی سرکشی، یہ طریقہ ہے کون سا
کہہ دو کہ اہلِ بیت کے خیموں کی ہے یہ جا
لازم رسولؐ زادیوں کا احترام ہے!
اُتریں الگ کہیں، یہ ادب کا مقام ہے!

حضرت عباس اس کے بعد مزید اعتراض بھی کرتے ہیں اور آنے والی فوج کے رئیس کو حدِ ادب ملحوظ رکھنے کا کہتے ہیں لیکن یزید کی بدبخت فوج کا رئیس ابنِ رکاب جواب میں کہتا ہے کہ امیر کا حکم یہی ہے کہ شام کی سپاہ اسی جگہ اترے گی، ہم بھلا راحت کا یہ مقام کیسے چھوڑ دیں؟ آپ ہی ذرا دریا سے ہٹ کر قیام پذیر ہوں، یوں بھی کل اس ساری سپاہ کے مورچے فرات پر ہوں گے۔ اس کے بعد وہ مزید فوج آنے کی بات کرتا ہوا کہتا ہے:

کوفے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار
رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں، نہ بیاباں، نہ کوہسار
شہروں سے، پرگنوں سے، چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا!
گیتی ہلے گی جب پسرِ سعد آئے گا

ابنِ رکاب شامی فوج کی تعداد اور طاقت کو مبالغہ آمیز انداز میں بیان کر کے کہتا ہے کہ ہم گھاٹ روکنے کے لیے اِدھر آئے ہیں کیوں کہ آج رات کو شمر کے آنے کی خبر ہے۔ اس بات کا جو جواب حضرت عباس نے دیا اور جس انداز سے دیا اور پھر جس ڈھنگ سے اسے انیس

نے نظم کیا وہ اپنی مثال آپ ہے:

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ 'تم سے ہٹیں گے ہم؟!'
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
بپھریں جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

o——o

تم کون ہو؟ حسینؑ ہے مختار خشک و تر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہِ بحر و بر
دیکھو! فساد ہو گا، بڑھو گے اگر اِدھر
شیروں کا یاں عمل ہے، تمھیں کیا نہیں خبر؟
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

یہ پُر جوش مکالمہ اور واقعات کا تسلسل جاری رہتا ہے، یزید کے فوجیوں کا سردار اپنی بات پر اڑا ہے، اور حضرت عباس اپنے مؤقف پر ڈٹے ہیں، مکالے کی گرمی اور تندی رفتہ رفتہ تلخی میں بدلتی ہے، حضرت عباس کو قہر آتا ہے، یزیدی سپاہ بھی چوکس ہو جاتی ہے، اس واقعے کو انیس نے انتہائی سادہ الفاظ میں رقم کیا ہے، ساتھ ہی اس کشمکش پر اہلِ بیت کی پریشانی اور بات بڑھتی اور جنگ و جدل تک پہنچتی دیکھ کر حضرت امام حسینؑ کی مداخلت کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ انیس ہی کی عظمت اور کمال ہے کہ صرف چار بند لکھ کر اتنا پُر اثر موضوع اور واقعہ تمام کر دیا لیکن ہر بند کا ہر مصرعہ ایسا ہے کہ پڑھتے ہی سیدھا دِل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ منظر ملاحظہ ہو:

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیرِ نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے اِدھر اور کوئی اُدھر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اور شور و شر

گھبرائے اہلِ بیتِ شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پر تلوار چل گئی

o—o

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنارِ نہر ہے اے بنتِ مُرتضیٰ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھتے ہیں عباسِ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

o—o

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام
عباس ادھر غضب میں بڑھے سوئے فوجِ شام
کرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انام
بھیا! ہمارے سر کی قسم! روک لو حسام
یکساں ہے بحر و بر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

o—o

صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
یاد آ گیا مجھے اسداللہ کا عتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
جعفرؑ ہو دبدبے میں، شجاعت میں بوترابؑ
یہ کیا ہیں! تم تو سدِّ سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

اس مرحلے پر اس شاہکار مرثیے کے رزمیہ لہجے میں درد، کرب اور الم کروٹیں لینے لگتا ہے۔ کربلا کا منظر بدلتا ہے، واقعات کی رونمائی کا عمل تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ امام عالی مقام حضرت حسینؓ اللہ تعالیٰ کی رضا کے عین مطابق نہر فرات کے کنارے سے ہٹ کر تپتی ہوئی ریت پر خیمے گاڑ لیتے ہیں، دن ڈھلتا ہے، خوشی وغم کے ملے جلے جذبات سے اس شام کے ہر منظر نے جنم لیا ہے، امام عالی مقامؓ کے ساتھیوں میں جوش وولولہ بھی ہے اور کوفیوں کی دغابازی پر دلوں میں غم وغصہ بھی، اہل بیت کے خیمے حزن وملال کی تصویر ہیں، جو ہونے والا ہے اُسے اردگرد کے ماحول میں صاف دیکھا جاسکتا ہے، بہر حال شام ہوتی ہے اور گہری ہو کر رات میں ڈھل جاتی ہے۔ اس رات کی صبح کا منظر بھی بہت عجیب ہے کیونکہ رات کو ہی شام کی فوج بہت بڑی تعداد میں پہنچ چکی ہے:

کیسا شمار، حصر نہ تھا، انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

یہ منظر بتدریج خوفناک سے خوفناک تر ہوتا چلا گیا۔ آخر کار شب عاشور آ گئی، یہ رات ڈھلی تو لہو رنگ سورج طلوع ہونے سے قبل افق پر روشنی کی بجائے سرخی ابھرنے لگی، ان واقعات کا بیان اس مرثیے کا بہت اہم مرحلہ ہے، ایک ایسا مرحلہ جس سے گزرنا اور آنکھ کا نہ برسنا محال ہے، شاید اسی لیے میر ببر علی انیس نے یہاں سے دوسرا مطلع کہہ کر اسے ممتاز کیا ہے، گویا یہ مرثیے میں ایک نئے مرثیے کا آغاز ہے لیکن باذوق قاری بے ساختہ تحسین کرتا ہے کہ میر صاحب کی قوتِ اظہار اس طویل نظم کے ساتھ ساتھ اپنی بھرپور رونمائی کا پتا دیتی ہے۔ کہیں بھی، کہیں بھی، کسی بھی مقام پر، یہاں تک کہ ایک شعر میں بھی اس قوت میں کمی کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی۔ اس طرح مرثیہ اپنی پوری شان اور اُٹھان سمیت سسکیوں، آہوں اور کراہوں کے دور میں داخل ہوتا ہے۔

شب عاشور کی صبح ہوئی تو یزیدی فوج میں بگل بجا، حسینی لشکر میں اذان بلند ہوئی، ماؤں نے بچوں اور بہنوں نے بھائیوں کو باطل کے سامنے ڈٹ جانے کے لیے ابھارا کیونکہ شامی لشکر بہر صورت مائل بہ فساد تھا۔ امام عالی مقامؓ نے احباب سے گفتگو کی، صفیں استوار ہوئیں اور آپؓ رخصت کے لیے خیمے میں تشریف لے گئے، آپؓ کا خیمے میں جانا تھا کہ کہرام برپا ہو گیا،

یہ نواسۂ رسولؐ حضرت حسینؓ کی رخصت تھی:

دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
بس 'الوداع' کہہ کے چلا فاطمہؓ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوش خصال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح پئے جدال
جھک کر سلام غازیوں نے باادب کیا
گھوڑا سوارِ دوشِ نبیؐ نے طلب کیا

امام عالی مقام حضرت حسینؓ گھوڑا طلب فرما کر میدانِ جنگ میں نکلے، غازیوں کا جھرمٹ پہرے پر تھا، یزیدی فوج نے تیروں کی بارش کی، حسینی بہادروں نے اپنے وجودوں کو امام عالی مقامؓ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ اس مرحلے پر عباس علم دار اور حبیب ابن مظاہر کی شخصیتیں بہت نمایاں ہیں لیکن پھر شامی فوج کے تیروں کی بارش کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے منظر یہ ہے کہ:

ستر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں
''ھل من مبارز'' کی جو اعدا میں تھی پکار
بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار

اس موقع پر جنگ و جدل کا پہلو بتدریج دھیما ہوا اور انیس نے مرثیے میں مرثیت کا طوفان برپا کر دیا، غم والم کے بادل مسلسل برسنے لگے، بچوں کی پیاس اور جناب سکینہ کی حالت کا بیان گویا قلم میں آنسو بھر کر لکھا گیا ہے۔ بہر حال اس موقع پر حضرت عباس خیمے سے رخصت ہو کر آئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کو چلے۔ انیس نے ان کے گھوڑے کی جو تعریف کی ہے، اس کی مثال نہیں مل سکتی، بس یہ صرف انیس ہی کا کام تھا:

وہ تھوتھنی، وہ اُبلی ہوئیں انکھڑیاں، وہ یال
گویا کھلے ہوں حور کے گیسو، پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال
دم میں کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصرِ آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اسے دیتا، براق تھا

انیس نے اس گھوڑے کے سوار کی دشمنوں پر طاری ہیبت لکھی، دشمنوں کا حال بیان کیا، حضرت عباس کے رجز منظوم کیے، جنگ و جدل اور اہلِ شر میں بھگدڑ مچنے کا منظر پیش کیا، نہر پر حضرت عباس علم دار کے قبضے اور اعلان فتح پر قلم اٹھایا، آخر کار حضرت عباس مشکیزے میں پانی بھر کے خود پیاسے نکل آئے اور وفادار کہلوائے، اتنے میں میدان جنگ ایک بار پھر آوازوں سے بھر گیا اور انیس نے لکھا:

ہاں راہ روک لو، یہ ہوئی چار سُو پکار
برچھے اُٹھا اُٹھا کے بڑھے سینکڑوں سوار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اُٹھا ابرِ کوہسار
تیغیں علم ہوئیں کہ بندھے آہنی حصار
ہلتا تھا چرخ غلغلہء دار و گیر سے
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

حضرت عباس کی شجاعت و دلاوری نے دشمنوں کی صفوں کو دیکھتے ہی دیکھتے الٹ پلٹ کر رکھ دیا، پیاسے بچوں کے لیے پانی سے بھرا مشکیزہ سنبھالا اور لڑتے بھڑتے، اہلِ شر کو مارتے پچھاڑتے اہلِ بیت کے خیموں کی طرف بڑھے، ابھی زیادہ دور نہ گئے تھے کہ یزید کے موذی لشکر میں ہلچل مچی اور پھر بقول انیس:

بوچھار یک بہ یک چلی تیروں کی ہے غضب
تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
یہ شکل، دو جہاں کے امیروں کی، ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس صغیروں کی، ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

O——O

زخمی تھے پر، فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار
چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار
تن سر سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علیؑ کی لڑائی کا
اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

دلیری، شجاعت اور مردانگی کا یہ عظیم نقش کاغذ کی چھاتی پر اتار کر انیس نے امام عالی مقام حضرت حسینؑ کا ردِعمل بیان کیا اور ایسے کیا کہ پتھر دل بھی پگھل کر پانی ہو جاتے ہیں۔ امام حسینؑ بے تابانہ بھائی کے شدید زخمی ہونے پر میدانِ جنگ میں جاتے ہیں۔ حضرت عباسؑ جاں بلب ہیں اور آخری ایک دو باتیں کہنے سے قبل ناتوان سے خاموش ہیں۔ اس منظر کو میر انیس نے اپنی ماورائی قوتِ مشاہدہ سے دیکھا اور دل کے خون سے لکھ ڈالا۔ اس موقع پر امام عالی مقام فرماتے ہیں:

مر جائے گا حسینؑ ، برادر! جواب دو
اے میرے نوجواں، میرے صفدر جواب دو
اب جاں بہ لب ہے سبطِ پیمبر جواب دو
اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر! جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے، تشنہ کام ہیں
بھیا! تمھارے سر کی قسم! ہم تمام ہیں

o——o

سُن لو تمھیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام
ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
جنبش ہوئی لبوں کو، بھتیجی کا سن کے نام
کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پر آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

میر ببر علی انیس نے عباس علم دار کی شجاعت کے بعد اس کی شہادت کا حال رقم کیا، بین لکھے، امام کا حال لکھا اور بلاشبہ فردوسی کو مات کو دیا، شیکسپیئر کو پیچھے چھوڑ دیا اور خود کو فنکاروں کا انکار منوالیا۔ امام عالی مقامؑ کے حضرت عباس سے آخری مکالمے، سکینہ کی فریاد، مختلف خواتین کے شہادتِ عباس پر مختلف ردعمل اور پھر انیس کی سننے والوں سے گریہ طلبی ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

غل پڑ گیا کہ شہ کے علم دار ہائے ہائے
اے نورِ چشمِ حیدرِ کرار ہائے ہائے

o——o

چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر
دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

o——o

سمجھو شریک بزمِ شہِ مشرقین کو
دو نوجوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو

''کلیاتِ انیس'' میں شامل یہ تیسرا مرثیہ جس شان وشوکت اور واہ واہ سے شروع ہوا تھا وہ آخری اشعار میں آہ آہ اور نالہ وبکا میں بدل گئی ہے۔ آپ اس عظیم مرثیے کو کلاسیکی ڈراموں کا عظیم نمونہ کہہ سکتے ہیں، رزمیہ المیہ کا معیار قرار دے سکتے ہیں اور ایک بے مثال منظوم شاہکار سمجھ سکتے ہیں مگر ہر حال میں یہ حقیقت بلاخوفِ تردید بیان کی جاسکتی ہے کہ مغربی ادب میں اس مرثیے کے پائے کی ایک بھی تخلیق نہیں ہے اور مشرقی ادب میں یہ تخلیق اپنی مثال آپ ہے۔

اردو ادب اور ہندوستان کے شعری سرمائے میں اعلیٰ لسانی، ادبی، فنی اور تخلیقی اصولوں کے مطابق اتنا پُراثر، پُردرد، شاندار اور جاندار ادب پارہ موجود نہیں ہے جتنا کہ میر انیس کا یہ مرثیہ۔ صرف یہ ایک مرثیہ ہی میر انیس کو ایک لازوال شاعر کے طور پر زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ آئیے! قارئین، انھی الفاظ کے ساتھ میر انیس کے ساتھ میدان کربلا کے منظر دیکھیں جو ناقابلِ فراموش بھی ہیں اور قلب وروح کو گرمانے والے بھی۔ یقیناً مرثیہ پڑھ کر آپ سوچیں گے کہ ان تمہیدی سطور میں جو بھی لکھا گیا، اس سے بہت زیادہ لکھا جانا چاہیے تھا۔

-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا
دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا، یہ اوجِ زمیں ہوا
خورشید محوِ حسنِ حسینؑ حسیں ہوا

پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

زہراؑ کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی
غازی جہاں چلے، وہ زمیں کہکشاں ہوئی
سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی
ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی

دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبے نے اس کے طواف کا

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا
مختارِ کائنات ہے، مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا
بس اب نواں بہشت ہے، بستانِ کربلا

خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے عرش وہ دُرِ نجف ملے

یہ دشتِ ہولناک کہاں، یہ چمن کہاں
جنگل کہاں، بتولؑ کے گل پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبیؐ کا، یہ دارِ محن کہاں
قبریں کہاں شکستہ دلوں کی، وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب
باغی جو چین دیں تو یہ ہے موسمِ عجیب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب
آیا گلِ ریاضِ محمدؐ، خوشا نصیب!
فخر اس زمیں کا جس پہ شہ اِنس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

خوشبو سے اُن گلوں کی ہُوا دشت باغ باغ
غنچے کھلے، ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذروں نے خاک کے

جنگل میں بن گیا شجرِ طور ہر درخت
بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
اب اس زمیں پہ سوئے گا مختارِ تاج و تخت
رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
لو، آج خاک کا بھی ستارہ چمک گیا

کہتی تھی آسماں سے زمینِ فلک حشم
کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تُو کہ ہم؟
مجھ پر ہیں وہ جو مُہرِ نبوت پہ تھے قدم
ذرّے سے بھی یہاں ترے شمس و قمر ہیں کم

اب تو یہ خاکسار بھی کیواں اساس ہے
زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے

پھیلی جو نکہتِ چمنِ شاہِ بحر و بر
صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سربسر
جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر
آیا تری کچھار میں مختارِ خشک و تر

جب تک وہ بحرِ فیض برائے وضو بڑھے
بڑھ کر قدم تو لے، کہ تری آبرو بڑھے

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امامِ دہر
دریا دلی کا ہو گا تری شور، ہر شہر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر
سر کو قدم کیے ہوئے دوڑی ہر اِک لہر

آمد سنی جو سبطِ رسالت مآبؐ کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار
منزل پہ ہم پہنچ گئے، احسانِ کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے رہوار
یہ وہ زمیں تھی، جس کے لیے دل تھا بے قرار

قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے

اُترو مسافرو! کہ سفر ہو چکا تمام
کوچ اب نہ ہوگا حشر تلک، ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے، یہی مشہدِ امام
اونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام

بستر لگاؤ شوق سے، اس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

مثلِ زمینِ خلد، مصفا ہے یہ زمیں
ساتوں فلک سے اوج میں بالا ہے یہ زمیں
روئے زمیں پہ عرشِ معلیٰ ہے یہ زمیں
فردوس کا کھنچا ہوا نقشا ہے یہ زمیں

اس کے مکیں نہ ہوں گے پراگندہ نشر میں
بے سر اسی زمیں سے ہم اُٹھیں گے حشر میں

مرغوبِ طبع ہے یہ زمینِ فلک جناب
سوئے گا اس کی خاک پہ فرزندِ بوتراب
ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب
جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب

مرنا لکھا ہوا ہے یہیں سرنوشت میں
جائے گا ہاتھوں ہاتھ یہ طبقہ بہشت میں

سجدے کریں گے جس پہ ملک، وہ زمیں یہ ہے
جس پر کھدا ہے نقشِ شفا، وہ نگیں یہ ہے
بطحا یہ ہے، مدینۂ اربابِ دیں یہ ہے
کعبہ یہ ہے، نجف یہ ہے، خلدِ بریں یہ ہے

تھی اس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

ذروں سے اس کے اشرفیِ مہر زرد ہے
مٹی طلا ہے، نسخۂ اکسیر گرد ہے
کر دے سقر کی آگ کو پانی وہ سرد ہے
کحلِ بصر ہے، داروئے اندوہ و درد ہے

زندے الم سے بچتے ہیں، مُردے فشار سے
آنکھوں میں نور آتا ہے اس کے غُبار سے

خاک اُس کے دل میں، ہو جسے اس خاک سے غبار
مجرم بھی اس کے فیض سے اٹھے گا رستگار
پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اس کی ایک بار
سائے سے اس کے آتشِ دوزخ کرے فرار

یوں دور ہوں گناہ سب اُس نیک بخت سے
پتے خزاں میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

کام آئے گی لحد میں یہ ہنگامِ درد و یاس
اس خاک سے بنے گا کفن، نور کا لباس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس
سو طرح سے پائے گا راحت وہ حق شناس

فرمائیں گے ملک، ارم اس کا مقام ہے
سونے دو چین سے، یہ مطیعِ امام ہے

دیں گے جو اس کی خاک سے لکھا ہوا کفن
میت پہ پھر نہ ہو گا کوئی صدمہ و محن
ڈھانپے گا اس کو چادرِ رحمت سے ذوالمنن
خوشبو سے ہو گا کنجِ لحد خلد کا چمن

پھولوں میں خاکِ پاک کفن کو بسائے گی
صرصر سے نکہتِ گلِ فردوس آئے گی

توشہ مسافروں کا یہی، اور یہی ہے زاد
یہ خاک آبِ خضر سے رتبے میں ہے زیاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مرد خوش نہاد
لے آئے گی ہوائے موافق دُرِ مُراد
دیکھے گا یاس میں کرمِ کارساز کو
تھامے گا دستِ موج سے دریا جہاز کو

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ اُمت کا ناخدا
جتنے سوار تھے، وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
دیکھو تو! کیا ترائی ہے، کیا نہر، کیا فضا
اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کیوں، یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند؟
کی مسکرا کے عرض، کہ یا شاہِ ارجمند!
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیر اب یہیں رہیں گے، عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضور! ترائی غضب کی ہے

گرمی میں ایسی سرد ہوا، یا شہِ انام!
ہے لیٹنے کی جا، یہ زمین فلک مقام
مشہور غاضریہ ہے شاید اسی کا نام
جی چاہتا ہے یاں سے سرکیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اِسی جگہ

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام
شکلیں وہ نور کی، وہ تجمل، وہ احتشام
زلفیں ہوا سے اڑتی تھیں، ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال
پھولوں سے کھیلنے لگے زینب کے نونہال
سبزے سے واں کے ابنِ حسینؑ خوش ہوئے کمال
کی عرض، اس زمیں کا ہر اک گل ہے بے مثال
اے خسروِ زمیں، یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں، عطرِ عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہِ اُمم
الیاس شاد ہو کے پکارے "زہے حشم"!
اُبھریں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
بولے حباب "آنکھوں پہ شاہا ترے قدم"!
پانی میں روشنی ہوئی حسنِ حضور سے
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجاں نے دور سے

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہ رُو
دھویا کسی نے رخت، کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے، پیاس بجھانے کنارِ جُو
بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیرِ نیک خُو
کھینچی اک آہِ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامور
خیمہ کہاں بپا کریں، یا شاہِ بحر و بر؟
ایذا ہے محملوں میں بہت اہلِ بیت پر
بچے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چُھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رُکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا
زینب جہاں کہیں، وہاں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا
جا کر قریبِ محملِ زینب یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار امامِ غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضورؑ کا؟

بولی یہ سن کے دخترِ خاتونِ روزگار
اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل، میں نثار
خشکی ہو یا ترائی، چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اُترو وہاں، جہاں مرے بھائی کو چین ہو

عاقل ہو تم تو نامِ خدا، اے علیؑ کے لال!
مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
دریافت کر لو پہلے کسی سے، یہاں کا حال
واری! کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
گوشہ ملے ہمیں، نہ فضا ہو، نہ سیر ہو
اب تو یہی پڑی ہے کہ جانوں کی خیر ہو

آرام کو ترس گئے، جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتوں میں چار مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں، یہ گرمی کے ایام، یہ سفر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں، جاگے ہیں رات بھر

گرمی سے کھیت خشک تھے، جنگل اُجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہِ جبل میں، پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمیں لایا ہے آسماں
اب دیکھیے، دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دُعا مانگو، بھائی جاں
یا رب! مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں

دشمن بہت ہیں بادشہِ خوش خصال کے
بھائی! بہن نثار، ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمیں کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو سخن ہیں ان سے بھی لازم ہے مصلحت
صدقے گئی، حبیب سے بھی کر لو مشورت

ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیا! مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجیے، اے بنتِ مرتضیٰؑ!
ہر چند مصلحت مری کیا، اور عقل کیا
لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا

جو مہرِ فاطمہؑ میں ہے، یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قرب نہر کا، آبِ حیات ہے

جس سرزمیں پہ دلبرِ زہراؑ عمل کرے
زُہرہ کسی کا کیا ہے جو رد و بدل کرے
مانع وہ ہو جو دینِ نبیؐ میں خلل کرے
کافر ہے جو حسینؑ سے رد و بدل کرے

دخل اس میں روم کا ہے، نہ سلطانِ شام کا
دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جاں نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
کی عرض، خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار

اُتریں یہیں، یہ مرضیٔ آلِ رسولؐ ہے
بولا وہ بحرِ فیض، کہ اچھا، قبول ہے

یہ سن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبیں
فراش آ کے جلد مصفا کریں زمیں
حاضر ہوں آب پاش، محل دیر کا نہیں
یاں ہو گا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دیں

جلد اُن کو بھیجو، لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اُشتروں سے قناتیں اُتار کے

بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہیں سب غلام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
• کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام

پرتو فگن تھا نورِ رسالت مآبؐ کا
سر پر لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

تھا فکر میں خموش دو عالم کا تاج دار
کھلوا رہے تھے خیموں کو عباسِ ذی وقار
ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار

مڑ کر کہا حبیب نے، کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی، یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یک جا ہوئے یہ سن کے جوانانِ صف شکن
نکلا ہر اک ولی کی زباں سے یہی سخن
آئے ہیں ملکِ غیر میں ہم چھوڑ کر وطن
تو سب کی خیر کیجیو، اے ربِ ذوالمنن!

اعدائے دیں کے شر سے حفاظت میں ہم رہیں
ناحق کوئی لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

کہنے لگے پکار کے عباسِ حق شناس
ہاں، ناصرانِ قبلۂ کونین! با حواس
دل میں نہ خوف ہو، نہ زباں پر کلامِ یاس
جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدرداں کے پاس

گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
دونوں طرف مآل تمھارا بخیر ہے

کیا ڈر قشونِ روم ہے، یا ہے جنودِ شام
ہم اپنے کام میں ہیں، ہمیں کیا کسی سے کام
جو مرد ہیں، ہراس کے کرتے نہیں کلام
ہونے دو، گر ہیں سرخ علم یا سیاہ فام

سرسبز ہیں وہی جو علیؑ کے نشان ہیں
خود جھک کے وہ ملیں گے کہ ہم میہمان ہیں

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
اک ایک پیل زور، تہمتن شکوہ تھا
ابنِ رکابِ سبز قدم سرگروہ تھا

بولے ملازموں سے یہ عباسِ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
آتے ہی سرکشی، یہ طریقہ ہے کون سا
کہہ دو کہ اہلِ بیت کے خیموں کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیوں کا احترام ہے
اُتریں الگ کہیں، یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشیں ہے لختِ دلِ سید البشرؑ
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں، مگر
آتی ہے اُڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد ادھر
کیا ہے، جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
شاید ہوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر، کیا کلام
حکمِ امیر ہے، یہیں اُترے سپاہِ شام
چھوڑیں گے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہے مقام؟
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام!
لشکر کشی ہے بادشہِ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

کوفے سے کُل جواں اِدھر آئے ہیں دس ہزار
رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں، نہ بیاباں، نہ کوہسار
شہروں سے، پرگنوں سے، چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں، کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسرِ سعد آئے گا

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں، ہم چلے تھے جب
گردے میں بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
اس عرض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
کیسے- مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں اِدھر
ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ، ترائی میں گونجا وہ شیرِ نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ 'تم سے ہٹیں گے ہم'؟!
گر فوجِ قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
بھپریں جو، شیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

دنیا ہو اک طرف تو نہ آئے خیال میں
لاکھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
گیتی ہو بے نشاں اگر آئیں جلال میں
ہے سب طرح کا زور محمدؐ کی آل میں
دریا ہے کیا، یہ شیر ہیں جس کو چھوڑ کے
جب پُل بنا دیا درِ خیبر کو توڑ کے

تم کون ہو؟ حسینؑ ہے مختارِ خشک و تر
اُن کے سوا ہے کون شہنشاہِ بحر و بر
دیکھو! فساد ہو گا، بڑھو گے اگر اِدھر
شیروں کا یاں عمل ہے، تمھیں کیا نہیں خبر؟
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

دریا تو ابتدا سے ہمارا ہے، تم ہو کون؟
اس کا محق رسولؐ کا پیارا ہے، تم ہو کون؟
اللہ نے زمیں کو سنوارا ہے، تم ہو کون؟
ساحل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے؟ تم ہو کون؟
ہیہات! غصبِ حق سے پھرے آج تک نہیں
منزل مسافروں کی یہ ہے، کچھ فدک نہیں

کیا ابنِ سعدِ شوم کی فوج، اور کیا حشم
سر لوٹتے پھریں گے، بڑھایا اگر قدم
اُترے ہیں آ کے فخرِ سلیماں کے ساتھ ہم
کیا اُن کے مور چے کہ جو ہوں چونٹیوں سے کم
کچھ ڈر نہیں، چھ لاکھ اگر بدخصال ہیں
ہم بھی کنندۂ درِ خیبر کے لال ہیں

کیا سر پہ موت آئی ہے؟ بس سامنے سے جاؤ
فوجوں کا ذکر کر کے کسی اور کو ڈراؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا اگر، تو آؤ
بیٹا رحیم کا ہوں، مجھے غیظ میں نہ لاؤ
تلوار اِدھر کھنچی کہ اُدھر کھیت پڑ گیا
پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

ہم شیر ہیں، قسم اسدِ کردگار کی
رکھتے ہیں ناخنوں میں، بُرِش ذوالفقار کی
سو کی نہ اصل یاں، نہ حقیقت ہزار کی
ٹوکے، یہ کیا مجال کسی نابکار کی
گرجیں ابھی تو رعد ہیں، برسیں تو ابر ہیں
اک میں نہیں، بہت ابھی ایسے ہزبر ہیں

چھوڑیں نہ یہ زمیں جو گرے سر پہ آسمان
بڑھ کر ہٹا نہیں کبھی اس فوج کا نشان
جب تک کہ دم میں دم ہے نہ جائے گی آن بان
ریتی پہ ہم بپا کریں خیمے؟ خدا کی شان!
مر جائیں وہ جو ساتھ کئی شیرخوار ہیں؟
فی الواقعی ہم ایسے ہی تقصیروار ہیں؟

ہم پہلے آئے ہیں، کہ تم آئے ہو تا بہ نہر؟
کیوں غاصبو! یہ نہر نہیں فاطمہؑ کا مہر؟
چھوڑ آئے ہیں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر
کوئی مسافروں پہ یہ کرتا ہے جبر و قہر؟
اُترے ابھی نہیں کہ لڑائی ٹھہر گئی
وعدے وہ کیا ہوئے؟ وہ محبت کدھر گئی؟

شر اس قدر زمیں پہ؟ تمھارے سروں پہ خاک
مٹی ہوئے، لکھے تھے عریضوں میں جو تپاک
ہے بوترابیوں کی جگہ، یہ زمینِ پاک
ہوئیں گی تربتیں بھی یہیں، گر ہوئے ہلاک
تم لوگے کس طرح، یہ جگہ ہم کو بھائی ہے
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

سوچو تمھی دلوں میں کہ حق دار کون ہے؟
عالم میں بر و بحر کا مختار کون ہے؟
ہادی ہے کون، سیدِ ابرار کون ہے؟
ہے بے قصور کون، گنہ گار کون ہے؟
لازم ہے تم کو پاس کلامِ مجید کا
کلمہ نبیؐ کا پڑھتے ہو تم، یا یزید کا؟

یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمھیں؟
صدقہ ہے کس ولی کا جو عزت ملی تمھیں؟
خوانِ کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمھیں؟
ہادی ہوئے جو ہم، تو ہدایت ملی تمھیں
پھلتا نہیں نہالِ حسد، پھولتا نہیں
محسن کو اِس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

ہم تو تمھیں سمجھتے ہیں سید کا خیر خواہ
کیا خوب میہمانوں کی دعوت ہے، واہ واہ!
اُلفت، نہ دل دہی، نہ تعارف، نہ رسم و راہ
معصوم سے وہ کون سا ایسا ہوا گناہ؟
چشمے پہ جنگ، فاطمہ کے نورِ عین سے؟
نامنصفو! پھراتے ہو آنکھیں حسین سے؟

ہر چند خاکسار ہیں فرزندِ بوتراب
پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
کہنی تک آستیں، کو جو اُلٹیں دمِ عتاب
گردوں میں تھرتھرا کے چھپے قرصِ آفتاب
آ جائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسماں زمیں پہ، زمیں آسمان پر

ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی
جو سرکشی کرے، اسے پسپا کریں ابھی
اس سرزمین کو خون کا دریا کریں ابھی
ساحل تک آئے جو، اُسے ٹھنڈا کریں ابھی
بولے کوئی، تو تن سے سر اس کا جدا کریں
خیمہ بپا نہ ہو تو قیامت بپا کریں

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
نیرے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
اک شور تھا کہ "چھین لو دریا کو شیر سے"

بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر
تولی زہیرِ قین نے شمشیرِ بے نظیر
جوڑا کماں میں ابنِ مظاہر نے ایک تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عابس کو غیظ لشکرِ بدخو پہ آ گیا
غصے سے بل ہلال کی ابرو پہ آ گیا

بولے اٹھا کے نیزے کو ضرغامۂ دلیر
بس، اب سزا میں ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بولے شبیب، ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر
بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں، کو پھیر پھیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں، کیا بے شعور ہیں

اُلٹی جناب قاسمِ ذی شاں نے آستیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرِ حسیں
بولے پکڑ کے نیچے زینب کے مہ جبیں
شیروں سے کیا ترائی کو لیں گے، یہ اہلِ کیں
کہیے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

آگے تھے سب کے حضرت عباسِ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بہ دم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانیِ ستم
کہتے تھے، سر نہ ہو گا، بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعبِ حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیرِ جری دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیرِ نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے اِدھر اور کوئی اُدھر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہلِ بیتِ شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پُھپھی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینب ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہِ خوش نہاد
ہمشیر کو نثارِ امامِ اُمم کرو
لوگو! دعائیں اکبرِ مہ رو پہ دم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنارِ نہر ہے، اے بنتِ مرتضیٰؑ!
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسِ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے، یہ غصہ ہے شیر کو

زینب پکاریں پیٹ کے زانو بہ صد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھیں جلال
کہہ دے کوئی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
غربت پہ ابنِ فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی، نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تھام لو

لڑنے کو تیغ میان سے کھینچو گے تم اگر
محمل سے گر پڑوں گی زمیں پہ میں ننگے سر
عباس! تم تو ساقیِ کوثر کے ہو پسر
یہ نہر کیا ہے جس کے لیے رنج اس قدر
مر جاؤں گی سفر میں جو بچھڑوں گی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے، گزری ترائی سے

دریا کو روکتے ہیں اگر بانیِ ستم
جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
غربت زدوں پہ چاہیے اللہ کا کرم
پھر آؤ، بس سکینہ کے سر کی تمھیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ گلا نہیں

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام
عباس اُدھر غضب میں بڑھے سوئے فوجِ شام
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہِ انام
بھیا! ہمارے سر کی قسم، روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

ہر چند اس میں کوئی تمھارا نہیں قصور
ناحق فساد کرتے ہیں تم سے یہ بے شعور
خیر، امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور
جانے دو، جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور
ادنیٰ سے بحث ننگ ہے عالی مقام کا
بس، خامشی جواب ہے اُن کے کلام کا

لے سکتے ہیں ترائی کو تم سے، یہ نابکار؟
کس پر یہ خشم، اے شہِ مرداں کے یادگار
جرأت میں تم ہو ایک، نہ یہ اہلِ کیں ہزار
بخشا ہے ہر طرح کا تمھیں حق نے اختیار
بے آبِ تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں
گر منہ سے اُف کروں تو ابھی جل کے خاک ہوں

ہے گرچہ اُن کی بے ادبی قابلِ سزا
پر، تم پسر رحیم کے ہو، بخش دو خطا
جنگل ہو یا ترائی ہو، ہے ہر جگہ خدا
مظلوم کو، غریب کو، غصے سے کام کیا

کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے
ہم کو نبیؐ کی روحِ مطہر کا پاس ہے

صدقے ترے جلال کے، اے میرے آفتاب!
یاد آ گیا مجھے اسداللہ کا عتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
جعفر ہو دبدبے میں، شجاعت میں بوتراب

یہ کیا ہیں تم تو سدِ سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

بھیا، پدر کے صبر پہ اس دم کرو خیال
ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا سب اُن کا حال
بلوہ تھا بعدِ رحلتِ محبوبؐ ذوالجلال
یاں تک کہ باندھ لے گئے رسی سے بدخصال

کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا!
گردن جھکی ہوئی تھی، گلا ریسماں میں تھا

توڑا ہو ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در
پھونکیں گھر اس کا اور کرے یوں وہ درگزر
تھرائیں جس کی ضرب سے روح الامین کے پر
رکھ دے وہ تیغ کھول کے اور ڈال دے سپر!

کمزور دست و بازوئے خیبر کشا نہ تھا
سب قدرتیں وہی تھیں، پر حکمِ خدا نہ تھا

ارشاد کر گئے تھے جو کچھ سیدالانام
باندھے رہا اُسی پہ کمر وہ فلک مقام
مطلب نہ تھا سپر سے نہ تیغ و تبر سے کام
مظلوم ہو گئے تھے، اطاعت ہے اس کا نام
اپنا امام ہم کو بھی جانو اسی طرح
تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح

لازم ہے ان پر رحم، یہ اُمت ہے، میں نثار
کرتے تھے مصطفیؐ انھیں بیٹوں کی طرح پیار
ان کے لیے حسنؑ نے کیا جبر اختیار
دشمن پہ بھی رہا کرمِ شیرِ کردگار
ہو نوجواں، مزاج میں غصہ ہے آپ کے
بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

آؤ، تمھیں قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
بگڑو نہ سرکشی پہ جنابِ امیرؑ کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی
سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے، صابر و شاکر کے واسطے؟
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے؟

تھوڑے سے بستروں کی ہے درکار ہم کو جا
جنگل ہوا تو کیا جو ترائی ہوئی تو کیا
ہے عمر بے ثبات، زمانہ ہے بے وفا
آرام کا محل نہیں، یہ عاریت سرا
اب وہ کہاں ہیں، شہر جنھوں نے بسائے ہیں؟
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحب کرم
پر تھی شکن جبیں پہ، نہ ہوتا تھا غیظ کم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
کہہ دیجے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
حکم خدا ہے حکمِ شہنشاہِ بحر و بر
اب کچھ کہوں زبان سے کیا تاب، کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا! مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

اُترے گی آ کے نہر پہ اب شام کی سپاہ
پانی بھی ہم پہ بند کریں گے یہ رُوسیاہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمہ کوئی، نہ چاہ
سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ
اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
پر عینِ مصلحت ہے، جو حکمِ جناب ہے

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی! یہ کیا، یہ کیا
لو، اب اٹھا لو تیغ و سپر، تم پہ میں فدا
دریا کو تم تو لے چکے، اے میرے مہ لقا
وُہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو، کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں؟

اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمھیں
غصہ، نہ برہمی، نہ جدل چاہیے تمھیں
قربِ خدائے عزوجل چاہیے تمھیں
جو ہم کہیں اُسی پہ عمل چاہیے تمھیں
بھائی! جگہ مزار کی پہچانتا ہوں میں
جو ہو گا اس زمیں پہ، اسے جانتا ہوں میں

ہے منکشف امام پہ احوالِ بحر و بر
حق نے کیا ہے واقفِ اسرارِ خشک و تر
صدمہ ہے دل پہ، کیا میں کہوں تم سے یہ خبر
قبضہ تمھارا تا بہ قیامت ہے نہر پر
دولت لٹے گی یاں اسدِ کردگار کی
بھیا یہی جگہ ہے تمھارے مزار کی

ہوتا ہے کیا، ہزار کہیں ساکنانِ شام
بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آ کے صبح شام
یاں ہو گی قبرِ حضرت عباسِ نیک نام
دیں دار گرد قبر کے بستی بسائیں گے
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

سچ ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے یہ جگہ
پیارے ہمارے بھائی کو بھائی ہے یہ جگہ
ٹھنڈی ہوا میں سونے کو پائی ہے یہ جگہ
کیا سبزہ، کیا نفیس ترائی ہے یہ جگہ!
لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
لازم ہے قربِ نہر بہشتی کے واسطے

آؤ، اب اپنی قبر کی جا ہم تمھیں دکھائیں
مقتل میں نخل بھی نہیں، سایہ کہاں سے لائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ مقتل کی دھوپ کھائیں
چالیس روز تک نہ کفن اور نہ غسل پائیں
میداں ہو اور لاشِ حسینؑ غریب ہو
بھائی قریب ہو، نہ ترائی قریب ہو

عباس آب دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام
بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
فرمایا واں پہنچ کے، جو تھا قتل کا مقام
دیکھو! حسینؑ قتل یہیں ہو گا تشنہ کام
بھائی! مقامِ خیمۂ آلِ عبا ہے وہ
باہر ہے جو نشیب سے، تربت کی جا ہے وہ

رونے لگے پکار کے عباس نام دار
شہ نے کہا کہ ضبط کرو، تم پہ میں نثار
سن پائے گی جو زینبِ بے کس یہ حالِ زار
مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر فگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہراؑ کی جائی کا
مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام
ارشاد یہ تو کیجیے اے قبلۂ انام
پہلے مرے گا آپ سے یہ باوفا غلام؟
رو کر کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لاکلام
مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں سے کھوئیں گے
روؤ گے تم نہ ہم کو، ہمیں تم کو روئیں گے

مژدہ یہ سن کے شاد ہوا وہ اسیرِ غم
سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
ریتی پہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم
برپا ہوئے خیامِ شہِ آسماں حشم
ذرے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اُترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

کھینچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر
روشن ہوئے کلس کی تجلی سے دشت و در
تارِ شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر
پردا حرم کا تھا کہ قناتیں ادھر اُدھر
جنگل کا اوج ہو گیا خیمے کی شان سے
پلہ زمیں کا اُٹھ کے ملا آسمان سے

تھا اس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور
سکّانِ عرش دیکھتے تھے فرش کو بہ غور
شمسے کا اوج اوج تھا، خیمے کا دور دور
گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا اور
سر جا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سونا اُتر گیا ورق آفتاب کا

خیمے میں جا چکے جو حرم با صد احترام
ڈیوڑھی پہ آ کھڑے ہوئے عباسِ نیک نام
کمریں اِدھر کھلیں، اُدھر اتری سپاہِ شام
بھائی کو لے کے خیمے میں داخل ہوئے امام
اُٹھا تھا دل جو سبطِ نبیؑ کی جدائی سے
زینب لپٹ کے رونے لگیں چھوٹے بھائی سے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
صدقہ اُتارو کچھ مرے بھائی پہ اے بہن!
تھے دس ہزار مستعدِ جنگ تیغ زن
جیتا ہیں؟ زخمی ہوتے جو عباسِ صف شکن
آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
دیکھو، ابھی تلک نہیں ابرو سے بل گیا

لے کر بلائیں، کہنے لگی وہ جگر فگار
کیا جی میں آ گئی تھی یہ، بھیا! بہن نثار
محمل میں میں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار
صدقے کروں وہ نہر لڑیں، جس پہ نابکار
پیارا رہے اُنھیں جنھیں پانی عزیز ہے
بھیا! ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے

منہ رکھ کے منہ پہ، بالی سکینہ نے یہ کہا
عاشق کو میرے پھیر کے لایا مرا خدا
روتی تھی میں، سنی بھی نہ تم نے مری صدا
بس اب کہیں نہ جائیو، اچھے مرے چچا
اس بے کسی میں دلبرِ زہراؑ کا کون تھا
آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسِ خوش بیان
غصّے میں اِن کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان
یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان؟
آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں

فرمایا شہ نے بھائی سے، اب کھولیے کمر
زینب نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبر نے دی خبر
فوج اور آئی شام سے، یا شاہِ بحر و بر!
مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
شہ نے کہا کہ ہووے، تمھیں کیا ہراس ہے

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم
آ پہنچا لے کے فوجِ گراں ابنِ سعدِ شوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانانِ شام و روم
آفت کی ہے بھیڑ، قیامت کا ہے ہجوم
کیسا شمار، حصر نہ تھا، انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب
نرغے میں آ گیا پسرِ سیدالعربؑ
گرمی میں ساتویں سے ہوئی شدتِ تعب
پانی مسافروں پہ ہوا بند، ہے غضب
مرجھا گیا چمن شہ گردوں جناب کا
شور آٹھویں سے ہونے لگا 'آب آب' کا

غش تھے تہم کو پیاس سے اطفالِ شاہِ دیں
جز آبِ اشک پانی کا قطرہ کہیں نہیں
تھا دودھ خشک، پیٹتی تھی بانوے حزیں
دم توڑتا تھا جھولے میں اصغر سا نازنیں
خندق میں گرد خیمے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر تڑپ رہا تھا، سکینہ بلکتی تھی

روتے میں وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام
آئی سیہ بلا کی طرح شامِ تیرہ فام
شب تھی مسافروں کے لیے موت کا پیام
غل تھا کہ ایک رات کے مہمان ہیں امام

مل لو جنابِ فاطمہ کے نورِ عین سے
خالی سحر کو ہو گا زمانہ حسین سے

لکھوں سیاہیِ شبِ عاشور کا جو حال
دفتر سیاہ ہوں شبِ دیجور کی مثال
چھایا ہوا تھا ابرِ غم و حسرت و ملال
کھولے تھے اہلِ بیتِ محمدؐ سروں کے بال

پیاسوں سے پوچھو، رات وہ کیوں کر بسر ہوئی
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

o——o

## مطلعِ دوم

گردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا
یعنی کتابِ ذکرِ خدا کا سبق کھلا
بزمِ جہاں میں دفترِ نظم و نسق کھلا
ظلمت نہاں ہوئی درِ باغِ شفق کھلا

پہنچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موجِ ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

ہونے لگے چراغ نجوم آسماں پہ گل
قرنا پھنکی، سپاہِ عدو میں بجا دُہل
برپا حسینیوں میں ہوا یاں اذاں کا غل
پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جز و کل
قدسی ہوئے نثار جماعت کی شان پر
نعرے نمازیوں کے گئے آسمان پر

سجدے میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر
فوجِ ستم میں ہو گئیں صف بندیاں اُدھر
دو چار تیر آ کے گرے جب قریبِ در
حضرت پہ آ کے روک لی عباس نے سپر
کی عرض، سرکشی پہ یہ سب فوجِ شام ہے
فرمایا آپ نے، یہ اجل کا پیام ہے

پھر بیٹھے جانماز پہ شاہِ فلک وقار
شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
سر پر رکھا عمامۂ محبوبِ کردگار
پہنی قبائے خسروِ عالم بہ افتخار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعتِ اُمت کے واسطے

رخصت کو اہلِ بیت نبیؐ میں گئے امام
قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شور 'الفراق' کا، وہ یاس کے کلام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام
روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینب کے بین سے

روتے تھے ماں کے پہلو میں زینب کے نونہال
پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال
گرنے میں تھامتے تھے جو ماں کو وہ خوش خصال
کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال

قربان جاؤں، منہ نہ پھرانا لڑائی سے
ہشیار رہیو، بہر خدا میرے بھائی سے

قاسم سے کوئی کہتی تھی، اے میرے نوجوان
چھپ جائے گی اب آنکھوں سے ہے ہے حسن کی شان
اک سو تھا مادرِ علی اکبر کا یہ بیان
اٹھارہویں برس میں بچھڑتے ہو میری جان

رخصت کو ماں سے آئے ہو زلفیں سنوار کے
چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اُتار کے

دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
بس 'الوداع' کہہ کے چلا فاطمہؑ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوش خصال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح پئے جدال

جھک کر سلام غازیوں نے باادب کیا
گھوڑا سوارِ دوشِ نبیؐ نے طلب کیا

آیا عجب شکوہ سے شبدیزِ تیزگام
طاؤس و کبک دیکھتے تھے جلوۂ خرام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام
عباس نے رکاب کو تھاما بہ احترام

چھوٹی قدم سے میں، یہ ہوا غم زمین کو
جبریل جھاڑنے لگے شہپر سے زین کو

حاصل ہوا جو فیضِ قدم بوسیِ جناب
اللہ ری ضیا، مہِ نو بن گئی رکاب
روشن تھے بدر سے سُمِ اسپ صبا شتاب
ثابت تھا صدرِ زیں سے، کہ ہے برج آفتاب
انساں تو کیا ہیں، دیدۂ انجم بھی بند ہیں
تارِ شعاع موے ایالِ سمند ہیں

کس اوج سے خدیوِ زمین و زماں چلا
رہوار کیا زمیں پہ چلا، آسماں چلا
لے کر نشاں علیِؑ ولی کا نشاں چلا
دامن بھرے ہوئے علَمِ زرفشاں چلا
اختر نثارِ بخششِ سبطِ رسولؐ تھے
ذرے نہ تھے زمین پہ، سونے کے پھول تھے

سادات کے وہ چہروں کی ضو، وہ علَم کی شان
تکتا تھا اُس زمین کے چہرے کو آسمان
وہ برچھیاں سنبھالے ہوئے ہاشمی جوان
رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
وار اُن کے معرکے میں ہزاروں پہ چل گئے
قبضے چُھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

پہنچے جو اس شکوہ سے وہ غازیانِ دیں
گاڑا سپاہِ کفر کے آگے نشانِ دیں
اللہ رے جلوۂ قمرِ آسمانِ دیں
روشن تھا جس کے نور سے سب خاندانِ دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی تو جلال آفتاب کا

چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر
سینے حسینیوں نے ادھر کر دیے سپر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
حجت تمام کی، پہ نہ سمجھے وہ بد گہر
مطلق نہ تھی تمیز خطا و صواب میں
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں

عباس نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شریر
مولا! کہاں کلامِ نصیحت، کہاں وہ تیر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
موقع بس اب ہے جنگ کا، اے آسماں سریر!
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

بولے حبیب، رحم کی بھی انتہا ہے اب
دیجے رضا جہاد کی، یا شاہِ تشنہ لب!
گزرے ہیں سات روز کہ ہے روح پر تعب
بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب
کٹ جائیں پیاسے حلق، ادا سر سے دَین ہو
اب سلسبیل پر کہیں پہنچیں تو چین ہو

فرمایا! واں کثیر ہے لشکر، یہاں قلیل
اچھا، لڑو! کہ خالقِ کونین ہے کفیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
دے گا مجاہدوں کو خدا رتبۂ جلیل
یاں اشتیاقِ خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے
درپیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتماد
رخصت انھیں ملی کہ ملا گوہرِ مراد
تیغیں پکڑ پکڑ کے جو نکلے پئے جہاد
میداں سے اُٹھ گئے قدمِ لشکرِ عناد
کس آبرو سے فدیۂ راہِ خدا ہوئے
سر دے کے، سب امام کے حق سے ادا ہوئے

نصف النہار تک تھا یہی شورِ کارزار
مرنے کو یہ چلا، وہ تڑپ کر ہوا نثار
رخصت اِسے کیا، تو اُسے روئے زار زار
جاتے تھے آپ لاشے اُٹھانے کو بار بار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی
دم نکلے سب کے گود میں سبطِ رسولؐ کی

لٹنے لگی علیؑ کی بضاعت دمِ زوال
کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
زینب کے نونہال بھی جب کر چکے جدال
حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسنؑ کا لال
ستر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

اُس وقت تھا عجب شہِ دیں پر ہجومِ یاس
ڈھلنا وہ دوپہر کا، وہ آندھی، وہ لُوں، وہ پیاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس
رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہِ حق شناس
اُٹھتا تھا دردِ دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے
فرما کے ''یا علیِ ولی'' بیٹھ جاتے تھے

"ھل من مبارز" کی جو اعدا میں تھی پکار
بھائی کو دیکھتے تھے انکھیوں سے بار بار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہِ نام دار!
دوڑو، چلی جہاں سے سکینہ جگر فگار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو
قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں چوانے کو

گردن جھکائے چپ تھے شہنشاہِ بحر و بر
لب برگِ گل سے خشک تھے، رخ آنسوؤں سے تر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عباسِ نامور
پانی تھا غم سے اکبرِ ذی جاہ کا جگر
تلخ ان کو زیست تھی، انھیں سربارِ دوش تھا
دونوں دلاروں کو شجاعت کا جوش تھا

بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبر یہ دم بہ دم
رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہِ دیں سے ہم
فرماتے تھے اشارے سے عباسِ ذی حشم
کہیو نہ کچھ، تمھیں سرِ شبیرؑ کی قسم
پہلے فدا وہ ہو گا جو خدمت گزار ہے
مر لے یہ جاں نثار، تو پھر اختیار ہے

یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
صدمے سے قلب ہل گیا، تھرا گیا جگر
طاقت نے تن سے کوچ کیا، جھک گئی کمر
کیا سنبھلے جس پہ ظلم کا یوں آسماں گرے
دل تھام کر زمیں پہ امامِ زماں گرے

بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
بتلاؤ کیا ارادہ ہے؟ اے میرے مہ لقا!
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
پیاسی سکینہ مرتی ہے یا شاہِ کربلا!
گزرے ہیں تین دن یونہی اُس خوش صفات پر
گر اِذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر

بولے بہا کے اشک امامِ فلک جناب
یہ موت کا پیام ہے، بچوں کا اضطراب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزندِ بوتراب
اچھا یہ ہے صلاح تو کیجے تلاشِ آب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
پانی کہاں کا، سب یہ اجل کے بہانے ہیں

کیا اختیار، خیر دغا دیجیے ہمیں
جینے کی کوئی شکل بتا دیجیے ہمیں
ملیے گا اب کہاں، یہ بتا دیجیے ہمیں
رو لیں لپٹ کے، اتنی رضا دیجیے ہمیں
بھائی کی زیست، قوتِ بازو کے ہاتھ ہے
پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے

یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیرؑ نوحہ گر
روئے جواں پسر کے لیے جس طرح پدر
رخصت کی اہلِ بیت کو بھی ہو گئی خبر
گھبرا کے آئی بالی سکینہ قریبِ در
چلائی عمو جان اِدھر آ کے جایئے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جایئے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباسِ حق شناس
آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
بولی یہ مشک دے کے سکینہ بہ درد و یاس
قربان عمو جان، بجھا دو ہماری پیاس

پھنکتا ہے دل عطش سے، کلیجا کباب ہے
سقائی کیجیے کہ یہ کارِ ثواب ہے

عباس نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام
بی بی! تمھارے باپ کا ادنیٰ ہے یہ غلام
دی تم نے آبرو مجھے، اے دخترِ امام!
اب ہو گیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام

کوثر میں سمجھوں دوش پہ گر مشکِ آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

کہہ کر یہ بات، باگ اُٹھائی سمند کی
صورت بدل گئی فرسِ سربلند کی
چھل بل ہرن کی، تیز پری تھی پرند کی
سرعت بلائیں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی

بجلی چمک کے چھپ گئی، پارا تڑپ گیا
جنگل میں یوں اُڑا کہ چکارا تڑپ گیا

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے
بجلی کو خوف کیا ہے نشیب و فراز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے
اُڑتا تھا، پر صدا نہ نکلتی تھی ساز سے

راکب وہ ہیں جو فرقِ دوعالم کے تاج ہیں
گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

وہ تھوتھنی، وہ اُبلی ہوئی انکھڑیاں، وہ یال
گویا کھلے تھے حور کے گیسو، پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال
دم میں کبھی ہُما، کبھی ضیغم، کبھی غزال
وہ قصرِ آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اُسے دیتا، براق تھا

گھوڑے کی یہ شکوہ، وہ شوکت سوار کی
تصویر تھی ہوا پہ شہِ ذوالفقار کی
وہ نُور، وہ چمک، علمِ زر نگار کی
خوشبو مہک رہی تھی نسیمِ بہار کی
پنجہ نہ تھا، نشانِ ثریا مآب کا
تھا فرقِ جبرئیل پہ تاج آفتاب کا

بڑھ کر صدا یہ دیتا تھا اقبال دم بہ دم
افزوں ترا جلال! دوبالا ترا حشم!
نصرت پکارتی تھی جلو میں، قدم قدم
جب تک ہے آفتابِ درخشاں، رہے علم
مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتوی رہیں
یا رب! ترے حسینؑ کے بازو قوی رہیں

اللہ رے جلالت و شوکت حضور کی!
دہشت سے اُٹھ نہ سکتی تھی گردن غرور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی
بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی
ذروں کی ضو سے مہرِ جہاں تاب زرد تھا
مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

پہنچا جو اس جلال سے وہ آفتابِ دیں
دیکھا سپاہ کو، صفتِ شیرِ خشم گیں
گاڑا جو دبدبے سے، علم، ہل گئی زمیں
ہٹ ہٹ کے مورچوں سے پکارے یہ اہلِ کیں
غازی ہے، صف شکن ہے، جری ہے، دلیر ہے
ہٹتا نہ تھا ترائی سے جو، وہ یہ شیر ہے

گر دے کے اپنے سر کی قسم لے نہ جاتے شاہ
دریا سے اس جری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ؟
گویا کھڑے تھے تیغ بہ کف ضیغمِ اِلٰہ
کیا قہر کی نگاہ تھی، اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزیوں سے کلیجے فگار تھے
جنبش بھووں کی تھی کہ سروہی کے وار تھے

خود اب تو دی ہے شہ نے اُسے رخصتِ جدال
دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش خصال
اس کا جلال حیدرؓ صفدر کا ہے جلال
سرکش جو لاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اُس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
دیکھو! یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے

یہ سن کے تہلکہ صفِ اعدا میں پڑ گیا
ٹوٹا یہ مورچہ، وہ رسالا بگڑ گیا
ہر غول میں علم سے علم جھک کر لڑ گیا
جو رہ گیا نشاں، وہ خجالت سے گڑ گیا
ہل چل میں چنکیوں سے جو چلّے نکل گئے
اِس صف کے تیر سہم کے اُس صف پہ چل گئے

تیغیں کھنچی لیے ہوئے بھاگے جو اہلِ شر
کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا اور کسی کا سر
تلواریاں پڑی تھی کسی کی، تو واں سپر
برچھی تھی اس شقی کی تو اُس نحس کا جگر
یہ جنگ تھی کہ حشر، کوئی جانتا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

گھبرا کے ابنِ سعد نے لشکر کو دی صدا
چھوڑ آئے مورچوں کو شجاعو! یہ کیا کیا
اتنا ہراس نامورو! ننگ کی ہے جا
وہ کون تھے، علیؑ سے لڑے جو دمِ وغا
سب مل کے روکتے نہیں اس تشنہ کام کو؟
کھوتے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو؟

قاتل تمھارے جد و پدر کا تھا جو دلیر
ہاں غازیو، اُسی کا جگر بند ہے یہ شیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر
دشمن کو پا کے، واہ یہ کم جرأتی! یہ دیر!
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
لو کشتگانِ بدر کا بدلہ، جو مرد ہو

یہ سن کے سب کو جوش حمیت کا آ گیا
ابلیس آ کے راہِ ضلالت بتا گیا
پھر ابرِ فوجِ شام لبِ نہر چھا گیا
شور دُہل سے رعد کا دل تھرتھرا گیا
جو جو تھے منتشر، وہ پرے پھر بہم ہوئے
پھر سب نشان کھل گئے، نیزے علم ہوئے

پڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پسر بڑھا
گویا شکار کھیلنے کو شیرِ نر بڑھا
دریائے قہرِ خالقِ جن و بشر بڑھا
بہرِ نبرد مالکِ فتح و ظفر بڑھا
تڑپا جو رخش، برق نگاہوں سے گر گئی
آمد خدا کے شیر کی نظروں میں پھر گئی

کانپے طبق زمیں کے، ہلا چرخ لاجورد
مانندِ کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد
تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے رن کی، ہوش اُڑے وحش وطیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پَیر کے

نکلی اِدھر غلاف سے وہ برقِ شعلہ ریز
چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبانِ تیز
چمکے شرر، بھڑکنے لگی آتشِ ستیز
گھیرا اجل نے، بند ہوئے کوچہء گریز
آیا خدا کا قہر ہر اک رُو سیاہ پر
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

چمکی، گری، تڑپ کے کلیجے ہلا گئی
جو تھے ہوا پہ خاک میں ان کو ملا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی
جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی
دعویٰ تھا خونِ قلم یوسف جمال کا
یوں تیغ نے عوض لیا شپرؑ کے لال کا

کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں
ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
ثابت رہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں
پہلے اُٹھی کے کاٹ گئی سر لڑائی میں
دو ٹکڑے ہو کے گرتا تھا جو راہوار سے
یہ اُٹھ کے داد مانگتی تھی ذوالفقار سے

جس غول پر گری، نہ رکی، نہ تھمی کہیں
اک دم بھی کی نہ اُس کی بُرش نے کمی کہیں
چمکی کہیں کسی پہ، کسی جا دمی کہیں
فوجوں میں ابتری تھی کہیں، برہمی کہیں
کاٹے ہوئے نشاں تھے زمیں پر پڑے ہوئے
ہر جا تھے ضربِ تیغ کے جھنڈے گڑے ہوئے

جل جل کے آبِ تیغ سے کفار مر گئے
پس پس کے بھاگتے میں جفاکار مر گئے
نامی تھے جتنے، سب وہ نمودار مر گئے
دو ہاتھ جب ادھر سے چلے چار مر گئے
غل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رَن کی ہے
کہتا تھا شیر، ہاں یہ مدد پنجتن کی ہے

جب وار چل گیا سپر آہنیں کٹی
دستانہ کٹ کے، ہاتھ کٹا، آستیں کٹی
مغفر کٹا، دو نیم ہوا سر، جبیں کٹی
سینے کو لے کے زیں سے جو اُتری، زمیں کٹی
جو رنگ تھا فرس تو دوپارا سوار تھا
اللہ رے منہ کہ تیغ نے جانا خیار تھا

آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی
خالی صفوں میں اور سوا ابتری ہوئی
بے جاں تھا، جس پہ سایہ فگن وہ پری ہوئی
پھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل، پر ڈری ہوئی

آنچ اس کی قہر تھی، کوئی کیونکر الگ نہ جائے
چھپتی تھی برق بھی کہ ہوا اس کی لگ نہ جائے

بے سر تھا، جس کے فرق پہ وہ جاں گزا لگی
اک آگ تھی کہ چنبرِ گردوں میں جا لگی
چار آئینے پہ ضربتِ قہرِ خدا لگی
کڑیاں کھلیں زرہ کی، جب اُس کی ہوا لگی

برپا تھا شور چار طرف "بھاگ بھاگ" کا
پانی، اثر دکھاتا تھا لوہے کو، آگ کا

پلٹی اُدھر سے جب، تو اِدھر کا پرا نہ تھا
کاٹے تھے سر، پہ فرق بُرش میں ذرا نہ تھا
چھلکا ہوا تھا سم، بدن اس کا ہرا نہ تھا
خوں سب کا پی گئی تھی، مگر دم بھرا نہ تھا

سیلِ فنا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا
دم خم تھا گھاٹ باڑھ میں، سب ذوالفقار کا

گورا وہ ہاتھ، اور وہ تلوار کی چمک
تھی صاف تیغِ حیدرِ کرار کی چمک
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی، دھار کی چمک
اُس پار تلک پہنچتی تھی اِس پار کی چمک

اک شور تھا، کہ آگ لگی کائنات میں
خشکی میں زلزلہ تھا، تلاطم فرات میں

بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سُو
کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سُو
تھا رن میں گرم موت کا بازار چار سُو
پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار چار سُو

تیغ آئی جس پہ اس کا بھی وار اُس پہ چل گیا
وہ سر گرا گئی، تو یہ لاشہ کچل گیا

ثابت ہو جس پہ زہ، کوئی ایسی کماں نہ تھی
تیر افگنوں کی خوف سے خاطر نشاں نہ تھی
گر، میاں تھا تو تیغ دمِ امتحاں نہ تھی
یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا، زباں نہ تھی

جرار سر جھکائے تھے تلوار کی طرح
سرکش خموش تھے لبِ سوفار کی طرح

جب ضرب کی، زمیں کے طبق ہل کے رہ گئے
سر اُڑ گئے، گلوں سے گلے مل کے رہ گئے
زخموں کے پھول چار طرف کھل کے رہ گئے
بسمل تڑپ کے سامنے بسمل کے رہ گئے

برہم مزاجِ لختِ دلِ بوتراب تھا
لاشے اُلٹ گئے، یہ نیا انقلاب تھا

ممکن نہ تھا کہ ایک کو سو میں اماں ملے
مارا اُنھیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے
جو نامور بڑے تھے، نہ ان کے نشاں ملے
ریتی پہ گر ملے بھی تو لاشے تپاں ملے

کیوں معرکے میں تیغ دم دم سرخ رُو نہ ہو
ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

زُہرہ کسی کا آب تھا ڈر سے، کسی کا دل
بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا، بھائی کے متصل
آفت تھی، قہر تھی، بُرشِ تیغِ جاں گُسل
کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منفعل
ٹکڑے تھا منہ، سزا تھی یہ اعمالِ زشت کی
ہیئت بدل گئی تھی ہر اک بدسرشت کی

ڈوبے لہو میں، گھاٹ ستم گار روک کے
دم بھر نہ رک سکا کوئی اک وار روک کے
جب بھاگتا سپر کو یہ کار روک کے
عباس مسکراتے تھے تلوار روک کے
ٹھہرا جہاں، وہیں لیا گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار بچتا ہے پنجے سے شیر کے؟

وہ تیغ شعلہ زا کی چمک، وہ فرس کی جست
رستے کھلے ہوئے، نہ صفیں وہ، نہ بندوبست
بجلی گری، ذرا جو پھرا دستِ حق پرست
غارت وہ مورچہ، اِدھر آفت، اُدھر شکست
افسر سے فوج، فوج سے افسر چُھٹے ہوئے
سب چھاؤنی اُجاڑ، محلے لٹے ہوئے

ہر اک علم کی چوبِ ضلالب نشاں کٹی
منہ تیغ کا کٹا، تو سناں کی زباں کٹی
ترکش کٹے، قلم ہوئے نیزے، سناں کٹی
ٹکڑے ہوئی زرہ، کمرِ پہلواں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے، نہ روحیں تنوں کے ساتھ
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے، گردنوں کے ساتھ

ناری صفوں میں جل گئے، جب شعلہ ور ہوئی
چمکی اِدھر یہ تیغ، تجلی اُدھر ہوئی
شب کو چمن کھلا، جو سپر خُوں سے تر ہوئی
سر دھڑ سے گر پڑا، تو جسد کو خبر ہوئی
چلائی موت، صدقے تری کج ادائی کے
بولی نکل کے روح، نثار اس صفائی کے

جب سن سے فوجِ کفر پہ وہ جنگ جُو چلی
گویا سمومِ قہرِ خدا چار سُو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے، یوں تند خُو چلی
ٹکڑے اڑائے، ذبح کیا، سرخرو چلی
غل تھا بُرِش ہے قہر کی، جوہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ، یہ کرشمے قضا کے ہیں

جس کے گلے سے مل کے چلی، مر کے رہ گیا
بسمل بھی تیز تیغ کا دم بھر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا
سکتے میں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا
دو پُتلیاں بھی بہرِ تماشا ٹلی رہیں
سر کٹ کے گر پڑا مگر آنکھیں کھلی رہیں

کہنی سے دونوں ہاتھ جدا، تن سے سر جدا
ہر نخلِ قد کی شاخ جدا، اور ثمر جدا
اِس ہاتھ سے جو تیغ، تو اُس سے سپر جدا
بھائی سے بھائی، اور پسر سے پدر جدا
وہ تہلکے بھی ہولِ قیامت سے کم نہ تھے
کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے

اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی
لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی
برچھیت کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی
رستم بھی ہو تو ٹھاٹھ بدلنے نہ دیتی تھی
جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
جس کا قدم بڑھا، نہ سپر تھی، نہ ہاتھ تھا

اُٹھی، چلی، سپاہ میں آئی، جدا ہوئی
پنجہ جو بچ گیا، تو کلائی جدا ہوئی
صف کی جدا، پرے کی صفائی جدا ہوئی
پیری جگر میں، خوں میں نہائی، جدا ہوئی
دم توڑے یا مرے کوئی، پروا ذرا نہ تھی
نکلی جو خوں میں پیر کے، پھر آشنا نہ تھی

چھپتی تھی برف اُس کی چمک دیکھ دیکھ کے
رہ جاتی تھی سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
تھراتا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے
خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا، زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق تھی، چم خم ہلال کا

تنی تھی، سر تنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے
کرتی تھی نازِ حشر بپا، دیکھ دیکھ کے
لے خود بھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے
چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے
کہتی تھی تیغ گو کہ سروہی کا ہاتھ ہوں
تو میرے دم کے ساتھ ہے، میں تیرے ساتھ ہوں

سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع، واہ!
اس صف کے ہاتھ پاؤں قلم، وہ پرا تباہ
خط جابجا تھے خاک پہ مابینِ رزم گاہ
کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں 'اللہ کی پناہ'
کترا کے، لو پھر آئی لہو چاٹتی ہوئی
چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

گھیرا جو یک بیک غضبِ کردگار نے
گھوڑے بھگائے فوجِ ضلالت شعار نے
کھینچا سر آسماں پہ زمیں کے غبار نے
سر پر اُڑائی خاکِ سیہ روزگار نے
دن چھپ گیا، یہ گرد پڑی روئے مہر پر
مٹی کا پُل بندھا تھا محیطِ سپہر پر

اللہ رے زلزلے کہ لرزتے تھے دشت و در
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
دنیا میں خاک اُڑتی ہے، اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے، اُٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمیں کا طبق آسمان سے

دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
ساحل تک آئے حضرتِ عباسِ نیک نام
نعرہ کیا، ترائی تو شیروں کا ہے مقام
وہ زور شور کیا ہوا؟ اے ساکنانِ شام!
تم سب کی کیا بساط ہے، دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو!

وہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب
ریتی پہ کیا سپاہ کی قسمت ہوئی خراب
لاکھوں میں اب تو دے کوئی اس تیغ کا جواب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزندِ بوتراب

افسوس، ابنِ سعدِ ستم گار ٹل گیا
پر خیر، کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
طاؤس دُم اُٹھا کے بنا اسپ سربلند
چمکا جو عکسِ روئے علمدارِ ارجمند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چند

دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکاچوند ہو گئی

جلوے جو نہر میں علمِ سبز نے دکھائے
اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے
پھر آنکھ میں حباب کی کیا آسماں سمائے

ہر سنگ ریزہ نُور سے دُرِ خوش آب تھا
لہریں جو تھیں کرن، تو بھنور آفتاب تھا

چھاتی تک اُس نے پانی کو جو دیکھا ایک بار
گھوڑے کا دل ہوا صفتِ موج بے قرار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار
بولے یہ باگ چھوڑ کے عباسِ نام دار

تو پی لے اے فرس! کہ بہت تشنہ کام ہے
ہم پر تو بے حسینؑ یہ پانی حرام ہے

گردن ہلا کے کہنے لگا اسپ تیزگام
بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
اُس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام
آقا! ابھی حسینؑ کے بچے میں تشنہ کام
مطلب یہ ہے کہ ذکرِ وفا چار سُو رہے
تر خشک لب نہ ہوں تو نہ ہوں، آبرو رہے

ہرچند تین روز سے ہے پیاس کا وفور
پیتا یہ خانہ زاد بھی، پیتے اگر حضور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور
جانیں بچیں صغیروں کی، فکر اس کی ہے ضرور
ناموسِ مصطفیٰؐ میں تلاطم ہے رات سے
اب جلد مشک بھر کے نکلیے فرات سے

بچوں کا حال سن کے لگا دل پہ تیرِ غم
روئے لہو کے اشکوں سے عباسِ باکرم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بچشمِ نم
نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیزِ خوش قدم
بڑھتے ہی بحرِ ظلم کی موجوں میں گھر گیا
سقا نبی کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

'ہاں راہ روک لو!' یہ ہوئی چار سُو پکار
برچھے اُٹھا اُٹھا کے بڑھے سینکڑوں سوار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اٹھا ابرِ کوہسار
تیغیں علم ہوئیں کہ بندھے آہنی حصار
ہلتا تھا چرخ غلغلۂ دار و گیر سے
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

کہتا تھا گرز تول کے ایک ایک پہلواں
رکھ دو یہ مشک، اے اسداللہ کے نشاں!
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباسِ نوجواں
چہرہ بگاڑ دوں گا، سنبھالے رہو زباں!
کیا منہ جو مشک لے کوئی، جب تک یہ ہاتھ ہے
اے بے حمیتو! مری جاں اس کے ساتھ ہے

طفلی سے تھی ہمیں انھی عہدوں کی آرزو
دونوں امانتیں ہیں یہ، اے فوجِ کینہ جو
اک مشک، اک نشانِ شہنشاہِ نیک خو
اس سے جہاں میں نام ہے، اور اس سے آبرو
گر مر گئے تو مشک و علم لے کے جائیں گے
مختار اُن کا جو ہے اسے دے کے جائیں گے

جھپٹے یہ کہہ کے تیغ دو دستی علم کیے
دونوں طرف کے نیزۂ خطی قلم کیے
حملے صفوں پہ صورتِ شیرِ دژم کیے
تیغِ دو دم سے بند لعینوں کے دم ہیے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کمریں جو کٹ گئیں
آدھی صفیں تو بچھ گئیں، آدھی اُلٹ گئیں

بوچھار یک بہ یک ہوئی تیروں کی ہے غضب
تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
یہ شکل، دو جہاں کے امیروں کی، ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس صغیروں کی، ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

زخمی تھے پر، فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار
چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار
تن سر سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علی کی لڑائی کا
اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

جھکتے علم کو روک کے کہتے تھے بار بار
قوتِ عطا کرو مجھے یا شیرِ کردگار
دیتے تھے دم بہ دم یہ صدا شاہِ ذوالفقار
بیٹا! ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

وا حسرتا! وہ فوج کا بلوہ، وہ ایک جان
فاقہ وہ تین دن کا، وہ سوکھی ہوئی زبان
لڑنے کی فکر، مشک کا دھڑکا، علم کا دھیان
جی سن سے ہو گیا، کہیں کڑکی اگر کمان
چمکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

کھاتے تھے تن پہ زخم کچھ اپنا نہ تھا الم
مضطر تھا مشک کے لیے وہ صاحبِ کرم
بہتا تھا خوں رکابوں میں، تھمتے نہ تھے قدم
قوت کو ضعف، ضعف کو قوت تھی دم بہ دم
اعدا ہدف بنائے تھے کینے سے مشک کو
پر یہ جدا نہ کرتے تھے سینے سے مشک کو

تلوار ہاتھ میں علمِ شاہ دوش پر
ہرنے پہ گاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
اک تیغ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر
تلوار کیا، پہاڑ گرا آہ! دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جانِ حزیں پہ تھا
دیکھا جو پھر کے، دستِ مبارک زمیں پہ تھا

شانے سے یوں اُبل کے بہا خوں کہ الاماں
تیورا کے جھومنے لگے عباسِ نوجواں
مچھلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھا تپاں
لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں
بے دست ہوگئی تھی جو اس صفدری کے ساتھ
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

دہنا تھا ہاتھ، تیغ اسی میں تھی، ہے ستم
اب تھاما بائیں ہاتھ میں مشکیزہ و علم
تلواریں دو چلیں جو کمیں گاہ سے بہم
الجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
کس سے ہٹائیں فوج کو، کس سے وغا کریں
بتلاؤ اب کہ حضرتِ عباس کیا کریں؟

ڈر سے قریں تو آ نہ سکا کوئی نابکار
پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گزرا جگر کے پار
پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار
'ہے ہے سکینہ' کہہ کے فلک پر نگاہ کی
ہرنے پر سر پٹک کے بہشتی نے 'آہ' کی

گرزِ شقی سے شق ہوا ناگہ سرِ جناب
تھرائے ہونٹ، چھٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب
فرمایا: ''ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب''
گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثلِ آفتاب
تڑپے، اُٹھے، کراہ کے خاموش ہو گئے
منہ رکھ کے خالی مشک پہ بے ہوش ہو گئے

ان کا تو یاں ہے کوچ، سنو واں کی اب خبر
ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
لپٹا ہوا ہے چھاتی سے عباس کا پسر
روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریبِ در
زینب کھڑی ہیں ڈیوڑی پر اور دل پہ ہاتھ ہے
بکھرائے بال زوجۂ عباس ساتھ ہے

زینب سے عرض کرتی ہے رو رو کے دل فگار
ہے ہے، یہ شور نہر پہ کیسا ہے، میں نثار
کچھ دم اُلجھ رہا ہے، نہیں قلب کو قرار
گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
خیر اب نہیں ہے، خیر کے انداز اور ہیں
بی بی! یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں

کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر
پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
دوڑے زمیں سے اُٹھ کے شہنشاہِ بحر و بر
ماتم میں نوجواں کے دل اندوہ ناک تھا
تلوار ہاتھ میں تھی، گریباں چاک تھا

رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم
اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بہ دم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہِ اُمم
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے الم
بازو پکڑ کے دلبرِ زہراؑ کو لے چلو
بیٹا! چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

اک اک قدم پہ ضعف و نقاہت سے سدِ راہ
عباس کیا بچھڑ گئے، گھر ہو گیا تباہ
جیتے رہے تھے ٹھوکریں کھانے کو، آہ آہ!
وہ کہتے ہوں گے لاش پہ اب تک نہ آئے شاہ
شق ہو جگر جو صبر ادھر سے عطا نہ ہو
یا رب! کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

ٹھہرو! کہ پاؤں اب نہیں قابو میں اے پسر!
تم ہاتھ تھامتے ہو، جھکی جاتی ہے کمر
سینہ لہو ہے، دل ہے تپاں، چاک ہے جگر
اکبر بتاؤ، ہاتھ میں رکھوں کدھر کدھر
لو اتنے بولنے میں بدن سرد ہو گیا
کیا دکھ ہے یہ کہ میں ہمہ تن درد ہو گیا

اس شکل سے ترائی میں پہنچے جو شاہِ دیں
رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبرؑ حزیں
بابا! یہی ہے لاشِ علم دارِ مہ جبیں
گھوڑا کہیں ہے، تیغ کہیں ہے، علم کہیں
رکھے ہوئے ہیں مشک پہ منہ، پیار دیکھیے
شانے کٹے ہیں، شانِ علم دار دیکھیے

حضرت پکارے، جان بھی ہے جسمِ زار میں؟
یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
کی عرض، دم تو ہے جسدِ زخم دار میں
پر منہ سے بولتے نہیں کچھ احتضار میں
کیجیے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
آنکھیں کھلی ہیں، دیکھ رہے ہیں حضور کو

چلائے گر کے لاش پہ شبیرِ نام دار
بھیا! تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمھیں بھائی کا انتظار؟
آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند، جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

مر جائے گا حسین، برادر! جواب دو
اے میرے نوجواں، مرے صفدر جواب دو
اب جاں بہ لب ہے سبطِ پیمبر، جواب دو
اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر! جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے، تشنہ کام ہیں
بھیا! تمھارے سر کی قسم! ہم تمام ہیں

سن لو، تمھیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام
ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
جنبش ہوئی لبوں کو، بھتیجی کا سن کے نام
کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

منہ رکھ کے منہ پر کہنے لگے شاہِ خوش خصال
کیوں چپ ہوئے کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
ان سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علیؑ کا لال
بھیا! مدد کو آئے ہیں اب شیرِ ذوالجلال

رخ کیوں ہے زرد، کون سی ایذا گزرتی ہے؟
کیوں دم بہ دم کراہتے ہو، کیا گزرتی ہے؟

گودی میں ہے مری دمِ آخر تمھارا سر
اور پائنتی جوان بھتیجا ہے نوحہ گر
گزرے گی ہم پہ جو تمھیں اس کی بھی ہے خبر؟
سینے پہ ہو گا تیغ لیے شمرِ بد گہر

شمشیر حلقِ خشک پہ چلتی ہے کس طرح
دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح

یہ بات سن کے نزع میں، عباسؑ تھرتھرائے
قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ کے آئے
دو بار سر پٹک کے پکارے کہ 'ہائے ہائے'
پُر خوں دہن حسینؑ کے قدموں کے پاس لائے

ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کدھر گئے
منہ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے
واحسرتا! حسینؑ کو بے آس کر گئے

اب کون دے گا دکھ میں نبیؐ کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

اے میرے شیرِ صف شکن، اے میرے نوجواں
پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
شیرِ خدا کا آج جہاں سے مٹا نشاں
تم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جاں

تیغوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
بازو کٹائے شیر سے دریا پہ سوتے ہو

آتے ہی بھا گئی تھی ترائی کی جا تمہیں
اللہ، کیا پسند تھی یاں کی ہوا تمہیں
بخشی خدا نے قبر بھی سب سے جدا تمہیں
آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمہیں

اتنی جگہ کے واسطے بچھڑے حسینؑ سے
بھیا ہوائے سرد میں اب سوؤ چین سے

قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم
کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے، ہے ستم
کیا خوب ہو، اگر یہیں نکلے ہمارا دم
الفت یہ چاہتی ہے کہ قبریں بھی ہوں بہم

روئیں سرہانے بیٹھ کے جو سوگوار ہوں
ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

آئی صدائے حضرتِ خاتونِ روزگار
ہے ہے جہاں سے اُٹھ گیا ایسا وفاشعار
اے میرے لال! تیرے تڑپنے کے میں نثار
میرا پسر ہے آج سے عباسِ نام دار

بیٹا! بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں
پرسا تمھارے بھائی کا دینے کو آئی ہوں

واری، تم اب یہ مشک و علم لے کے جاؤ گھر
ایسا نہ ہو نکل پڑے زینب برہنہ سر
چلائے تب یہ رو کے شہنشاہِ بحر و بر
اماں کمر تو ٹوٹ گئی، جائیں اب کدھر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گزر گیا
بازو ہمارا تھامنے والا تو مر گیا

اکبر سے پھر کہا کہ علم خاک سے اُٹھاؤ
پُرخوں یہ مشک خیمۂ عصمت میں لے کے آؤ
بیوہ ہوئی چچی، اسے پرسا دو، خاک اُڑاؤ
بیٹا! چچا کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبرؐ کدھر گئے؟
کہہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے

اکبر یہ شہ سے سن کے جو روئے بصد بُکا
تڑپے اک 'آہ' کر کے شہنشاہِ کربلا
ناگاہ در سے آئی سکینہ کی یہ صدا
بابا! میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
روتے ہیں آپ کیوں، مرے عمو کدھر گئے
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گزر گئے

فرما کے یہ زمیں سے اُٹھے شاہِ انس و جاں
رو کر علم سے باندھ دی وہ مشکِ خوں چکاں
پہنچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں
سر پیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
''اندھیر ہے جہاں، مجھے کچھ سوجھتا نہیں
ہے ہے، علم تو آیا ہے، میرا چچا نہیں''

ڈھونڈوں کہاں میں اے مرے عمو کدھر گئے؟
مجھ کو پتا دیا نہ وہاں کا، جدھر گئے
دریا سے مشک بھیج دی اور خود گزر گئے
پانی پیا نہ، تشنہ دہن کوچ کر گئے
شانے کٹے تھے، مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
وہ کیا کریں، ہماری ہی قسمت اُلٹ گئی

غل پڑ گیا کہ شہ کے علم دار ہائے ہائے
اے نورِ چشمِ حیدرِ کرارؑ ہائے ہائے
اے ابنِ فاطمہؑ کے مددگار ہائے ہائے
اے فوجِ شہ کے جعفرِ طیار ہائے ہائے
چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر
دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
اور گر پڑے زمیں پہ شہنشاہِ باکرم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم
جن سے جدا نہ ہوتے تھے، کھو آئے اُن کو ہم
پوچھو ہمارے دل سے مصیبت جدائی کی
بھائی ہی جانتا ہے محبت کو بھائی کی

بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا، ہزار حیف
چھوڑا نہ پھل، نہ پھول، نہ بوٹا، ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا، ہزار حیف
امت نے میرے باغ کو لوٹا، ہزار حیف
فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا
تیغوں سے سروِ باغِ علیؑ کو قلم کیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباس کا یہ حال
ماتھا بھرا تھا خاک سے، بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی، یتیم ہوئے میرے دونوں لال
دنیا سے کھو گئے مجھے عباسِ خوش خصال

ہے ہے علیؑ کا نورِ نظر مجھ سے چھُٹ گیا
میں رانڈ ہو گئی، مرا اقبال لُٹ گیا

ناگہ صدا علیؑ کی یہ آئی کہ اے بہو
زانو پہ تھا مرے سرِ عباسِ نیک خُو
آئی ہے تیرے پُرسے کو زہراؑ کشادہ مُو
بی بی! بس اب حسینؑ کو رو کر رلا نہ تُو

بھائی کے غم میں لال مرا دردمند ہے
اب صبر کر، کہ صبر خدا کو پسند ہے

ہاں روؤ مومنو! یہ بُکا کا مقام ہے
تم میں شریک روحِ رسولِؐ انام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے
چہلم کی مجلسوں کا بھی اب اختتام ہے

موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا، وہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمھارے مرتے جو عباسِ باوفا
پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خداؐ کو کیا؟
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
زہرا بھی ننگے سر ہے، قیامت کرو بپا

سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دو نوجوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو

یہ کہہ کے ہائے حضرتِ عباسؑ ، خاک اڑاؤ
پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور اشکِ خوں بہاؤ
'ہے ہے حسینؑ' کہہ کے زمیں پر پچھاڑیں کھاؤ
پرسا پسر کا فاطمہ زہراؑ کو دے کے جاؤ

کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو
رخصت کرو حسین علیہ السلام کو

اے بے دیار و بے سر و سامان الوداع
اے بنتِ مصطفیٰؐ کے دل و جان الوداع
اے دو جہاں کے سید و سلطان الوداع
اے شیعیانِ ہند کے مہمان الوداع

آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے
جب تک جئیں گے، آپ کی غربت پہ روئیں گے

مولا! ضریحِ پاک پہ بلوایئے شتاب
اب ہجر کی انیس کے دل کو نہیں ہے تاب
رہ جائے گی ہوس، جو دیا زیست نے جواب
خاکِ شفا ملے مجھے، یا ابنِ بوتراب!

اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے
حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

-☆-

چوتھا مرثیہ

# بہ خدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر

اس شاہکار اور منفرد مرثیے کے حوالے سے کچھ تحریر کرنے سے قبل میر انیس کی مرثیہ گوئی پر چند سطور قلمبند کرنا ضروری ہے اور میر صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا یہ سلسلہ آئندہ مرثیوں کے تبصروں میں بھی جاری رہے گا۔ جس مرثیے میں جو عظیم خوبیاں ہوں گی، انھیں میر انیس کی مرثیہ گوئی کے محاسن کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔ اپنی مرثیہ نگاری کے حوالے سے انیس فرماتے ہیں:

عمر گزاری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

اگرچہ اردو مرثیہ گوئی کا فن انیس سے پہلے ہی اپنے ارتقا کی کئی منزلیں طے کر چکا تھا اور اس روایت کی فنی ضروریات اور خصوصیات طے ہو چکی تھیں اور عمومی اعتبار سے خلیق، ضمیر، دلگیر اور فصیح کے مرثیے کافی حد تک مقبول ہو چکے تھے، لیکن اس کے باوجود جو شہرت اور قبولیت انیس نے حاصل کی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ ہاں، یہ ہے کہ دبیر ضرور قبول عام میں انیس کے قریب پہنچ پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک صرف انھی دو حضرات کو مرثیہ گوئی کے فن کا امام سمجھا جاتا ہے حالانکہ فنی نقطۂ نظر سے ضمیر اور خلیق کی خدمات اور کمالات بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ شبلی نے ''موازنۂ انیس و دبیر'' لکھ کر انیس کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا اور سچائی بھی یہی ہے کہ جو بات انیس کے کلام میں ہے، وہ کہیں اور نظر نہیں آتی، انیس کے ہاں ایک عجیب سی خداداد اثر آفرینی اور لطف ہے۔ شبلی کے بقول انیس کی حسبِ ذیل خوبیاں انھیں دوسروں سے منفرد و ممتاز کرتی ہیں:

1۔ ان کا کلام فصیح ہے۔

2۔ نظم میں کلام کی اصلی ترتیب قائم رہتی ہے۔

3۔ روزمرہ کا استعمال بہت خوبی سے کرتے ہیں۔

4۔ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

5۔ موزوں بحر، ردیف اور قافیہ منتخب کرتے ہیں۔

6۔ فصاحت کے علاوہ کلام میں بلاغت اور اس کے جزئیات کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔

7۔ انسانی جذبات کو نظم کرنے کا ایک خاص سلیقہ انیس کے پورے کلام کی جان ہے۔

8۔ منظر نگاری اتنی اچھی ہوتی ہے کہ واقعہ تصویر ہو کر قاری کی نگاہ کے سامنے آجاتا ہے۔

9۔ واقعہ نگاری پر قدرت اور گرفت ہے۔

10۔ انسانی نفسیات کا پہلو بھی جا بجا اپنی مؤثر کارفرمائی کے ساتھ قابلِ مشاہدہ ہے۔

یہ ساری خوبیاں اس ایک مرثیے میں جمع ہیں جو آپ مطالعہ کرنے جا رہے ہیں۔ اس میں صرف ایک واقعہ اور ایک کردار ہے لیکن ناقدین اسے بہترین مرثیہ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ انیس نے اس شاہکار میں حُر کے شامی لشکر کو چھوڑ کر امام عالی مقامؑ کے ساتھ آ ملنے اور قصور معاف ہونے پر شہادت پانے کا ذکر کیا ہے۔

-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر
ایک، دو لاکھ سواروں میں، بہادر تھا حُر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر
گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو، وہ دُر تھا حُر

ڈھونڈ لی راہِ خدا، کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالعِ بیدار، زہے عزت و جاہ
حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا، اللہ اللہ!
پیشوائی کو گئے آپ، شہِ عرش پناہ
خضرِ قسمت نے بتا دی اُسے فردوس کی راہ

مدّتوں دور رہے جو، وہ قریب ایسا ہو
بخت ایسے ہوں، اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر
ابھی ذرہ تھا، ابھی ہو گیا خورشیدِ مُنیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحلِ کی تقصیر
تکیۂ زانوے شبیر ملا وقتِ اخیر

اوج و اقبال و حشم فوجِ خدا میں پایا
جب ہُوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

اللہ اللہ! حُر صفدر و غازی کا نصیب
جانِ محبوبِ الٰہی جسے فرمائے "حبیب"
ہجر میں لطف ملاقات کا، دوری میں قریب
وہی کام آتے ہیں، محسن کے، جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشق ولی کہتے ہیں
اس کو دُنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

آیا کس شان سے کعبے کی طرف، چھوڑ کے دیر
کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر
فتنہ و شر سے بچا، ہو گیا انجام بخیر
ذکرِ خیر اُس کے موئے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

کفر کی راہ سے کارہ تھا، جو وہ نیک طریق
کس بشاشت سے ہوا رہبر ایماں کا رفیق
تھے تو لاکھوں، پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق؟
خلق طینت میں ہے جن کی، وہی ہوتے ہیں خلیق
اوج دیں دار کو، بے دیں کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہے، وہی کستی ہے

کیوں نہ بالیدہ ہو اس کا چمنِ جاہ و جلال
جس کو سرسبز کرے خود اسداللہ کا لال
ہو گیا فاطمہ کے باغ میں آتے ہی نہال
وہ ثمر پائے کہ پہنچے نہ جہاں دستِ خیال
کھل گیا غنچۂ دِل، عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ خزاں دیدہ، گنہ دُور ہوئے

حُر کہاں، اور کہاں احمدِ مُرسل کا خلف
بخت نے دَیر سے پہنچا دیا کعبے کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے یہ شرف
جب کہ آنکھیں ہوئیں حق بیں تو ملا دُرِ نجف

نیک جو امر ہیں دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا اچھا ہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

وصفِ حُر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور
آمد آمد کا بہادر کی سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور

غل ہوا، جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ، زمیں پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودِ اللہ
کوئی ہم طلعتِ خورشید، کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ
چمنِ خُلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ

واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباس نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سرخ شجاعت سے رخِ آلِ نبیؐ
آئی ٹھنڈی جو ہوا، بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا، بجنے لگے باجے عربی
یکہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی

اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماں دار بڑھے
بولے شہ، یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں، سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام!
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
پسرِ مصحفِ ناطق ہوں، سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا، مناسب ہو تو، موقوف کرو!

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش
تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گئے جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش
کیا بجاتے، کہ بجاتے تھے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا ان کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ علیؑ سرمۂ آواز ہوا

کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم، جب اک بار
یوں گہر بار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ، اے سپہِ ناہنجار!
قتلِ سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پہ یہ قُرق ہے کیوں پانی کا؟
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا؟

مجھ کو لڑنا نہیں منظور، یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو مجھ پر تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو!
دیکھو، اچھا نہیں یہ ظلم، بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں، اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں
میں ہوں خالق کی قسم! دوشِ محمدؐ کا مکیں
میں ہوں انگشترِ پیغمبرِؐ خاتم کا نگیں
مجھ سے روشن ہے فلک، مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزمِ عز و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگیں ہے، وہ جہاں دار ہوں میں
آج، گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں
ورثۂ احمدِ مختار کا مختار ہوں میں
بخدا! دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرک میری سرکار میں ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ، یہ کس کی دستار؟
یہ زِرہ کس کی ہے، پہنے ہوں جو میں سینہ فگار؟
بر میں کس کا ہے یہ چار آئینۂ جوہر دار؟
کس کا رہوار ہے یہ، آج میں جس پر ہوں سوار
کس کا عمامہ خود ہے، یہ تیغِ دو سر کس کی ہے؟
کس جری کی یہ کماں ہے، یہ سپر کس کی ہے!

تنگ آئے گا، تو رُکنے کا نہیں پھر شبیر
ایک حملے میں فنا ہوں گے، یہ دو لاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پر، نہ تلوار، نہ تیر
کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ براں شمشیر

شیر ہوں، لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ اُمت کا خیال
روک لیتا مجھے رستے میں، یہ تھی حُر کی مجال؟
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال؟
پوچھ لو، دیکھا ہے اُس نے مرے شیروں کا جلال

گفتگو میں سپر اُس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اِک وار میں پہنچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہونٹ چباتے تھے علیؑ کے دل دار
نیمچے تولتے تھے عون و محمد ہر بار
اُگلی پڑتی تھی جگر بندِ حسنؑ کی تلوار
میں نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرار

چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا، نہ رسالا ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عباس، مرا شیر جواں
سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ، اے بھائی جاں
رحم لازم ہے ہمیں، ہم ہیں امامِ دو جہاں

کچھ تردد نہیں، سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کے شایاں
کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو حُر تو ہے موجود، عیاں را چہ بیاں
اسی جنگل میں معِ فوج تھا یہ تشنہ دہاں

شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ سے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے، شجر ہو کہ بشر
مجھ سے دیکھا نہ گیا، میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباسِ دلاور سے کہا گھبرا کر
مشکوں والے ہیں کہاں، اونٹ ہیں پانی کے کدھر

کرمِ ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی!
جتنا پانی ہے، وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی!

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا، کوئی ناقہ، بے آب
چھاگلیں جلد منگاؤ، مرا دل ہے بے تاب
سقے مشکیزوں کے منہ کھول کے آ پہنچے شتاب
متوجہ ہوا میں خود، کہ وہ تھا کارِ ثواب

چین آیا نہ مجھے، بے انھیں آرام دیے
تھا جو اک جام کا پیاسا، اُسے دو جام دیے

تھی یہی فصل، یہی دھوپ، یہی گرم ہوا
ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی تھی نہ جا
سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا

بھائیو! آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاری ہے!

آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں
فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہاں
شکر کرنے لگی، تر ہو کے ہر اک خشک زباں
پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا، ابنِ یداللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

ایک دن وہ تھا، اور اک دن یہ ہے، اللہ اللہ!
کہ اُسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
چشمِ امید ہو کیا، سب نے پھرائی ہے نگاہ
کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں، آہ!
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

کئی معصوم ہیں کم سن کہ موئے جاتے ہیں
دم اکھڑتا ہے مرا، جب انھیں غش آتے ہیں
''پانی پانی'' جو وہ کہتے ہیں تو شرماتے ہیں
پاس دریا ہے، پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے، غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے، کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
عمرِ سعد نے کی مڑ کے، رُخِ حُر پہ نگاہ
بولا وہ، اشہد باللہ، بجا کہتے ہیں شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
اُن کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخنِ حق میں جو شک لائے، وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا ہوں، زمانے پہ ہے احساں ان کا
ابرِ رحمت ہیں، خطاپوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرم خلق میں یکساں ان کا
اے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں ان کا

جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہووے گا
جو ادھر ہو گا خدا اُس کی طرف ہووے گا

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں
ہیں سخی ابنِ سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں
یاں تو زر دیتے ہیں، فردوس میں گھر دیتے ہیں

آس مجرم کی، گنہگار کی امید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں، وہ خورشید ہیں یہ

یہ ابھی ہاتھ اُٹھا کے جو دعا فرمائیں
جتنے عالم کے گنہگار ہیں، بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلب گار ہوں، فوراً پائیں
جامِ کوثر یہیں فردوس سے حوریں لائیں

مثلِ خورشید ہے روشن، وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمرِ سعد شریر
یہ تو ہے صاف طرف داریِ شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر، نہ تعریفِ امیر
اللہ اللہ یہ اوصاف! یہ مدحِ شبیرؑ!

سن چکا ہوں میں کہ مضطر ہے کئی راتوں سے
الفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے!

نہ وہ آنکھیں، نہ وہ چتون، نہ وہ تیور، نہ مزاج
سیدھی باتوں سے بگڑنا، یہ نیا طور ہے آج؟
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج؟
جن کو سمجھا ہے غنی دل میں، وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے؟
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے؟

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال؟
مل گیا سایۂ طوبیٰ کو جو ایسا ہے نہال؟
قصرِ یاقوت میں پہنچا جو ترا رنگ ہے لال؟
کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال؟
دفعتاً حق نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بے ہوش کیا؟

میں جہاں دیدہ ہوں، سب مجھ کو خبر ہے تیری
قُرۃ العینِ محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری
جسم خالی ہے اِدھر، جان اُدھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تُو نے فرزندِ یداللہ سے سازش کی ہے؟!

خیر، مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور
لکھیں گے، عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکم شام ہے جابر، وہ سزا دے گا ضرور
گر تجھے دار پہ کھینچے جو کچھ اُس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر، تن سے جدا ہوویں گے
زن و فرزند، گرفتارِ بلا ہوویں گے

نفع اس امر میں کیا، جس میں ہو مردم کا ضرر
آنکھیں نکلیں گی، محبت سے جو دیکھے گا اُدھر
شجرِ قامتِ سرور پہ جو ڈالے گا نظر
سر چڑھے گا ترا برچھی پہ، یہ اُس کا ہے ثمر

اُلفتِ زلف سے بھی پیچ میں تُو آئے گا
خالِ رخ دیکھا تو گھر خالصے لگ جائے گا

بدر پیشانیِ سرور کا جو ہے سر میں خیال
تو اسی ماہ میں نقصاں ترا ہووے گا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکلِ ہلال
تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل

عشقِ رخسار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا
منہ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ابھی کٹ جائے گا

خوف کس بات کا، پیاسوں سے یہ تھرانا کیا؟
لب پہ ہر مرتبہ بے کس کی ثنا لانا کیا؟
ننگ کی بات ہے، دشمن کی طرف جانا کیا
ہو نبیؐ یا کہ وصی، جنگ میں شرمانا کیا؟

ابھی لے جائیں جو شبیر کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

حُر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار!
قابلِ لعن ہے تُو، اور وہ تیرا سردار!
ابنِ زہراؑ ہے جگرِ بندِ رسولِؐ مختار
میرا کیا منہ جو کروں مدح امامِ ابرار

اک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خدا ان کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے
تین سو آیے ہوں تعریف میں جن کی آئے
کسی انساں نے یہ دُنیا میں ہیں رتبے پائے؟
اپنا محبوب و ولی جس کو خدا فرمائے

اُلفتِ آل میں مریے تو خوش اقبالی ہے
سنگ ہے، اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے

اسفلوں سے ہے محبت، تجھے اور سفلہ مزاج!
خاکِ پا اس کا ہوں میں، ہے جو سرِ عرش کا تاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج
میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج

کیوں ترے سامنے مُکروں کہ نہیں بخشا ہے
ہاں مجھے شاہ نے فردوسِ بریں بخشا ہے

باغ جو مجھ کو دکھایا، اُسے کیا جانے تُو
راحتِ روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بُو
مجھ کو اللہ نے بخشی ہیں وہ حوریں خوش رُو
کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو

نام کوثر کا نہ لے تُو، مجھے جوش آتا ہے
اُنھی چھینٹوں سے تو بے ہوش کو ہوش آتا ہے

عزتِ دیں، شرفِ کون و مکاں ہیں شبیرؑ
جانِ زہراؑ ہیں، محمدؐ کی زباں ہیں شبیرؑ
سنگ پانی ہو، وہ اعجاز بیاں ہیں شبیرؑ
جان کیوں ہو نہ ادھر، جانِ جہاں ہیں شبیرؑ

مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
وہ نہ بخشیں، تو خدا تک نہ رسائی ہووے

کیا میں اور کیا وہ ریاست مری، کیا میرے عیال
جب کہ آفت میں پھنسے احمدؐ مختار کی آل
واں کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال
یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
گھر کا اب دھیان، نہ بچوں کا الم ہے مجھ کو
خانہ بربادیِ شبیر کا غم ہے مجھ کو

دولتِ حاکمِ دوں پر ہے ترا دار و مدار
دارِ دُنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیں دار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار
خوابِ غفلت ہے اُسے، اور مرے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہو گا
دارِ طوبیٰ کا مرے فرق پہ سایا ہو گا

ہے سر افراز سدا، عاشقِ پیشانیِ شاہ
سجدے کیجیے کہ ہے بیت ابروؤں کی بیت اللہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لیے نورِ نگاہ
ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے
وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

خالِ رخسار نہیں گوئے سعادت ہے یہ
مجھ سے مجرم کے لیے مُہرِ شفاعت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو، تو عبادت ہے یہ
بہ خدا سلسلۂ بخششِ اُمت ہے یہ
شبِ معراجِ رسولؐ دو جہاں سمجھا ہوں
اُس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں

وصفِ دنداں میں زباں جس کی رہے گوہر بار
موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
شوق میں سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار
حوریں غرفوں سے دکھائیں اسے رنگِ رخسار

دم بہ دم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
یہ گلا وہ ہے، گلے جس کے لیے کٹتے ہیں

صدقے اس سینے پہ ہیں، عاشق صافی سینہ
خاک اُس دل پہ، جو اُس سینے سے رکھے کینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ
اس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا

فیض پاتا ہے وہ دل، جس میں ولا ہوتی ہے
چشم کو اس کی زیارت سے جلا ہوتی ہے

پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے
تو سرِ دست سرافرازیِ کونین وہ پائے
گردِ نعلینِ مبارک جو اثر اپنا دکھائے
توتیا ہوئے خجل، کُحلِ جواہر شرمائے

صدقے کردیں گے سر ان پاؤں پہ، ہم ایسے ہیں
دوشِ احمدؐ پہ رہے جو، یہ قدم ایسے ہیں

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے، او ابلیس!
یہی کونین کا مالک ہے، یہی راس و رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکمِ ملعون و خسیس
کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھیں پرچہ نویس

ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں
لے ستم گر! جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ، ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
سرخ آنکھیں ہوئیں، ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامِ ابرار
پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہوار
غُل ہوا، سیّد والا کا ولی جاتا ہے
لو، طرف دارِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاتا ہے

حُر نے نعرہ کیا، یا حیدرؑ صفدر! مددے
وقتِ امداد ہے، یا فاتحِ خیبر! مددے
زوجِ زہراؑ مددے، نفسِ پیمبرؐ! مددے
بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر! مددے
تنِ تنہا ہے غلام، اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حُر! ترے حامی ہم ہیں

مل گئی راہِ خدا، واہ رے اقبال ترا
پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جرمِ ماضی ہوئے سب عفو، خوشا حال ترا
جلد جا جلد، کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے، جس کی یہ ہمت، یہ ارادہ ہووے
ہاں بہادر، تری توفیق زیادہ ہووے

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حُسینی کے جواں
درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں
شور کوثر پہ ہے، شبیرؑ کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قُدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق میں دُعا کرتی ہے

تُو بہشتی ہے، یہ کافر ہیں کنشتی، اے حُر!
مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی، اے حُر!
دیکھ، اب صورتِ حورانِ بہشتی، اے حُر!
کس تلاطم میں بچی ہے تری کشتی، اے حُر!
غضب اللہ کا شبیر کی ناراضی ہے
پنج تن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

اور بالیدہ ہُوا سن کے یہ مژدہ وہ ہزبر
دلِ بے تاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
اب تو اِس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر
قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لیے صحبتِ گبر
ہاں اٹھا باگ، جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے

سن کے یہ، باگ جو لی، اسپ سبک تاز اُڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اُڑا
کیا اُڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اُڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا
باغِ زہراؑ میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا، دربارِ سلیمانؑ میں پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا، نہ ملی گردِ سمند
کہتے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند
یہ چھلاوا تھا کہ آنکھی، یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہیں رہ گئے، واں حُر کی سواری پہنچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے، شہِ دیں آگاہ
ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حُرِ ذی جاہ
سب سے کہہ دو کہ نہ روکے کوئی اُس شخص کی راہ

جاؤ لینے کو، عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں، مرا عاشق، مرے پاس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دُور سے آئی اک بار
'الغیاث' اے جگر و جانِ رسولِ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار
عفو کر عفو کر، اے چشمۂ فیضِ غفار

پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے میں بہشتی ہو جائے

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں، اے شاہنشاہ!
مدد! اے نوحِ غریباں، مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ

ابرِ رحمت کی طرف جا، یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

ترے دامن کے نثار، اے مرے آقائے جلیل!
رحم کر رحم کر شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
دل خنک ہووے، جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل
جان آ جائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل

نہ وزیروں میں یہ ہمت، نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

خلق میں آپ کے والد کا کرم ہے مشہور
بات میں بخش دیے سینکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور
بخش دیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہوں، میں لائقِ تعزیر نہیں
حجرِ اسود سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے مددگار و معین الضعفا! ادرکنی
اے خبر گیرِ گروہِ غربا! ادرکنی
پاؤں لغزش میں ہیں، اے دستِ خدا! ادرکنی
ہاتھ باندھے ہوں میں، اے عقدہ کشا، ادرکنی
دیجیے حُر کو سند، نار سے آزادی کی
آیئے، جلد خبر لیجیے فریادی کی

مرے اعمال میں ہرچند سراسر ہے بدی
ہوں گنہگارِ خدائے ازلی و ابدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی
خداوندِ جہاں، خُذ بیدی خُذ بیدی!
جو تہی دست ہیں، تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف
اے سلیماں! کہیں پامال نہ ہو مُورِ ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار، کہاں جائے نحیف
کیجیے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہوں خفیف
ہوں سرافراز، جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا حُر نے، جو با دیدۂ نم
آ گیا جوش میں اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کر شہنشاہِ اُمم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم

شکر کر، سبطِ رسول الثقلینؑ آتے ہیں
لے بہادر، ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں!

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیر
دوڑ کر چوم لیے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا، اے با توقیر!
میں نے بخشی، مرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضامند ہوں، کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسِ دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو، میں ہوتا ہوں خجل
سہل کر دیں اُسے، گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ، مجھ سے بغل گیر تو ہو کھول کے دل
غافر و راحم و تواب ہے ربِ عادل

جرم سب محو کیے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

حُر پکارا ''بابی انت و اُمی'' یا شاہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ!
سب ہے صدقہ انھی قدموں کا، خدا ہے آگاہ

مہر ذرے پہ جو ہو نیرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مُور کو چاہیں وہ سلیماں ہو جائے

کون مقداد تھے، سلمان و اباذر تھے کون؟
آپ فرمائیں، کہ عمارِ دلاور تھے کون؟
شور عالم میں جو ہے، مالکِ اشتر تھے کون؟
اے خداوندِ جہاں! حضرتِ قنبر تھے کون؟
انھی قدموں کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب
دے کسی شخص کو، بندے میں یہ مقدور ہے کب؟
اُس مسبب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
وہی مُنعم، وہی محسن، وہی رازق، وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام، اور نہ درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے، تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کے، وہ ایسا ہے جواد
ہم اسے بھولیں تو بھولیں، وہ ہمیں رکھتا ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد
شکر کرتے نہیں معبود کا اِس پر بھی عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اُس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

جس قدر اس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ
صاحبِ جود ہے، وہاب ہے، محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ
بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں، معبود ہے وہ
پرورش جُرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا، واں سے عطا ہوتی ہے

کہہ کے یہ، ساتھ لیے حُر کو چلے شاہِ اُمم
ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا، اللہ رے کرم
راس و چپ قاسم و اکبر تھے، زہے شان و حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباس علم

دور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سائے میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام
بولے عباس: ''کمر کھول اب اے نیک انجام''
شہ نے فرمایا: ''مناسب ہے کوئی دم آرام''
عرض کی حُر نے: ''کمر خلد میں کھولے گا غلام''

فاتحہ پڑھ کے، یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ
ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ
شاہزادوں کی سپر ہوں، کہ عبادت ہے یہ جنگ

کہیں ایسا نہ ہو، بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری
مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
وا دریغا! ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری
خیر، فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری

آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہو گا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہو گا

تجھ سے مخفی نہیں، ہفتم سے جو کچھ ہے مرا حال
راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اِس دشت میں، گندم کا ہے کال
نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریے میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغر کو، نہ عابد کو دوا ملتی ہے

حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ ادب
شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ، رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب
شاہ بولے کہ عجب دوست چُھٹا، ہائے غضب
دم بہ دم یاں سے جو آوازِ بُکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کر توسن
چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت، وہ غضب کی چتون
ہاتھ میں تیغ، کماں دوش پہ، بر میں جوشن
دو سرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے
دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
برچھیوں اُڑتا تھا دب دبے کے فرس رانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خودِ رومی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزۂ حُر کی سناں پہ نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سر عجز پناہ
آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر اندازوں کو جانوں کے اِدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے، آگ کے پرکالے تھے

o—o

## مطلع سوم



رن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیں دار آیا
کس بشاشت سے اُڑاتا ہُوا رہوار آیا
غل ہوا، سیدِ مظلوم کا غم خوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرارؑ آیا
شفقِ نُور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا، پر اب اور ظہور
اے خوشا! رُتبۂ فیضِ قدمِ پاک حضور
غل تھا، آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ ولا دل کو جلا کرتی ہے
مس کو اک آن میں، اکسیر طلا کرتی ہے

واہ، کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں
ذرۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا، نہ بنی آدم میں
یہ وہی حُرِ جری ہے، جو ابھی تھا ہم میں

تن ہے خوشبو، رخ گل رنگ تروتازہ ہے
خاک، نعلینِ مبارک کی عجب غازہ ہے

مہر ذرہ ہے جہاں، چہرۂ روشن ایسا
چاند بھی جس سے کرے کسب ضیا، تن ایسا
حرز ہو بازوئے داؤد کا، جوشن ایسا
ہوش پریوں کے اُڑے جاتے ہیں توسن ایسا

گلشنِ دہر میں لو بادِ بہاری آئی
قاف میں غل ہے، سلیماں کی سواری آئی

حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو، بے شک، لاریب
دامنِ حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب
بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب

فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا، واں سے غنی آیا ہوں

مجھ کو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے
نور بخشا، قمرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلامِ نو نے
گنج وہ لایا ہوں، دیکھا جو نہ تھا خسرو نے

دور دور آج سے میرا ہے، زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

رُخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے
مَل کے آیا ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے
وائے وہ لوگ، جو محروم ہیں اس دولت سے

مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھو...، مگر سوتے ہو

جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو
پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
قمرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو

ساتھ اُس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

ایک سید کو مٹا دینے میں ہے کون سا نام
اس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام؟
گر ہو دانا تو کہو، بد ہے کہ ہے نیک یہ کام
خوش نما کب ہے وہ تسبیح، نہ ہو جس میں امام

شکرِ احسانِ جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں؟

یہ سخن سن کے پکارا پسرِ سعد شریر
ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہِ کثیر
فاتحہ پڑھ کر جواں مرد نے کھینچی شمشیر

حُر کا مُنہ سرخ ہوا، فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرا گیا، نعرے جو سنے ضیغم کے
استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں، جم جم کے
برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے

نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں، ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ، فرس کو جو ذرا گرمایا
غیظ میں اُن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
شیر سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا
روند ڈالا اُسے دم میں، جسے سرکش پایا

اُس کا قاتل تھا، جو دشمن شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا، کہ تیغِ حُرِ ذی جاہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلیِ ظفر، راہ چلی
گہ تھمی، گاہ بڑھی، گاہ رُکی، گاہ چلی

زخم زینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کیں صفیں صاف، مگر منہ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا، وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رُکھائی نہ گئی
سینکڑوں خون کیے اور کہیں آئی نہ گئی

شور تھا، برق پے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے
پل نہ گزرے کہ صفیں زیر و زبر کرتی ہے
چشم، ہرچند کہ پتلی کو سپر کرتی ہے
ہے وہ طرار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے

اُس کے افسوں سے جو ساحر ہو تو جل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھونکے بجلی کو، یہ اُس آگ کی ہے پرکالا
کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیاں چل گئیں اُس پر جسے دیکھا بھالا
آ گیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا

اس کے پانی میں کفِ مارِ سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

آئی جس غول پہ، لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
دست و پا، صدر و کمر، گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی
دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ، اُسی گھاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی، نہ بے جان لیے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی، مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

گل نئے پھُولے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ، کاٹا ہوا جنگل اُس کا
جو بڑھا جنگ کو، قصہ ہوا فیصل اُس کا

شور تھا، دیکھیے کیوں کر یہ بلا ٹلتی ہے
اِس قدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا میں ہوں
سر اٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا میں ہوں
چرخ کہتا تھا کہ یارب! تہہ و بالا میں ہوں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ، یا میں ہوں
کس میں ہے، یہ جو تڑپ زیرِ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ، یہ چمک میری ہے

نہ تھمی سنگ سے وہ، اور نہ رُکی آہن سے
ہاتھ اُڑا لے گئی پہنچوں سے، تو سر گردن سے
نہ اٹھی اُس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
چل گئی بادِ مخالف، جدھر آئی سن سے
جوشِ طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر اک کشتیِ تن ڈوب گئی

کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال میں تھی
پر تڑپ، صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
کبھی مغفر میں، کبھی سر میں، کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لیے
تھی جگر کے لیے برچھی، تو چھری دل کے لیے

صید کرنے کو جسے صورتِ شہباز آئی
لاکھ تڑپا، پہ نہ بے جان لیے باز آئی
غل ہوا، شہپرِ شاہیں کے تلے قاز آئی
اُڑ گیا طائرِ جاں، اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لیے تھی، اُسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صیدِ زبوں، کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا
تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا
گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید
حُر کے ہاتھ آ گئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
بُرش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید
جامۂ کفر کے پرزے تھے، زہے قطع و برید
نہ، بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لیے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لیے

کئی حملے کیے پیہم جو کماں داروں پر
چل گئے تیرِ ملامت کے خطاکاروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
رخ پھیرا تھا کہ گری برق ستم گاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

نیزہ فوجِ ستم گار تھے دیکھے بھالے
دم میں اُس شیرِ نیستاں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تُل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کُھل جاتے تھے

الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کہیں برچھی کی انی تھی تو کہیں تیر کی پھال
کہیں تلوار، کہیں خنجرِ بُراں، کہیں ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دم بہ دم فوجِ ستم گر بھی ثنا کرتی تھی

شور تھا، آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
جل بجھی کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ، زور میں لاثانی ہے
کہتا تھا حُر، یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا، نہ وغا کی طاقت
سب سے یہ سبطِ پیمبر کی دعا کی طاقت

کہہ کے یہ، فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
ورطۂ قلزمِ آفت میں گُہر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گُلِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں، کبھی تیروں میں

گہ چھپا اور گہے نکلا، وہ مہِ برجِ شرف
گہے اس صف میں در آیا، گہے روندی وہ صف
گہے دریا کے کنارے، گہے صحرا کی طرف
گہے نعرہ تھا، کہ صدقے ترے یا شاہِ نجف
جتنے مجروح تھے، دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نامِ علیؑ سن کے دہل جاتے تھے

نخل تھراتے تھے، سب گونج رہا تھا جنگل
سرکی جاتی تھی زمیں رن کی، غضب تھی ہلچل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیرِ اجل
منہ کے بل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بھل

حشر برپا تھا سواروں پہ، فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار، ایک پہ دو، پانچ پہ دس لوٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباس، "زہے عزت و جاہ"
"بارک اللہ" کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسین: "واہ حُرِ غازی، واہ!"
شاہ، ہر ضرب پہ فرماتے تھے "ماشاء اللہ"

اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

اتنے جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز اُدھر، اور ادھر تنہائی
باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی

آ گیا موت کے پنجے میں، نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا، دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا، تیر چلے اعدا کے
رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبر نے یہ حضرت سے کہا چلا کے
گر ہو ارشاد تو مہماں کو سنبھالوں جا کے

خانۂ زیں سے عدم کا سفری گرتا ہے
خاک پر گھوڑے سے اب حُرِ جری گرتا ہے

شاہ رونے لگے، یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
ہو گئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
علی اکبر سے کہا، تم ابھی ٹھہرو دل بر
حُر کی امداد کو ہم جائیں گے، اے نورِ نظر

کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش مہماں کی اٹھاؤں گا کہ حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرتِ عباس نے، جاتا ہے غلام
جوشِ رقت میں کہا شہ نے، نہیں اے گل فام!
میری الفت میں ہوا قتل حُر نیک انجام
دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئیں نہ کام

اُس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آئیں گے
لاش کیا، قبر میں مہمان کی ہم جائیں گے

اُس کے لاشے پہ نہ جائیں، یہ مروت سے ہے دور
اُس سے ہم شاد ہوئے، وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
قصرِ خُلد اُس کو دکھائیں کہ ہوئے عفو قصور
سرخ رُو جاتا ہے دُنیا سے وہ خالق کے حضور

ایسا ذی رُتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبیر
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
پہنچے لاشے پہ امامِ دو جہاں وقتِ اخیر

چمنِ ہستیِ مہماں کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور
ہائے اے میرے مددگار و معین و یاور!
گُرز کیا تجھ کو لگا، ٹوٹ گئی میری کمر
گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کس دوست کو چین آیا ہے
کھول دے آنکھوں کو بھائی! کہ حسین آیا ہے

واہ اے حُرِ جری! میں تری ہمت کے فدا
اس کو کہتے ہیں محبت، اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بے کس ترا شرمندۂ احساں بخدا
بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں، جو کچھ تو نے کیا
حق تعالٰی چمنِ خلد میں گھر دے بھائی!
اس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی!

حُر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہر نے کہا
"آپ" بے تاب ہیں اے حرِ جری! ہوش میں آ!
دیکھ دیدار جگر بندِ جنابِ زہرا
کوچ درپیش ہے، یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے
نزع میں نورِ الٰہی کی زیارت کر لے

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیرِ غلام؟
دیکھ تو رحم، ترے واسطے روتے ہیں امام
"بھائی" فرماتے ہیں شفقت سے، شہِ عرش مقام
اے خوشا حال، خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم انگیز رہا
تُو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

نیم وا چشم سے حُر نے رخِ مولا دیکھا
زیرِ سر، زانوے شبیرؑ کا تکیا، دیکھا
مسکرا کر، طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُرِ جری! کیا دیکھا؟
عرض کی حُسنِ رخِ حُورؑ نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نُور نظر آتا ہے

باغِ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار
صاف نہریں ہیں رواں، جھوم رہے ہیں اشجار
شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار
حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
ہے یہ رضواں کی صدا، دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہمان! یہ گھر تیرا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے، یا شاہ!
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خُلد سے شیرِ خدا نکلے نہیں، اللہ اللہ!
لو برآمد ہوئے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمدِ مختارؑ کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے ناناؐ کی سواری آئی

قبلہ رُو کیجیے لاشہ مرا، اے قبلۂ دیں!
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دمِ باز پسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں!
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجیے مولا! مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ، گود میں شبیرؑ کی لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق، چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا: ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
چل بسے حُرِ جری، پھر نہ کچھ آواز آئی
طائر روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

لاش اُٹھا کر شہِ دیں خیمے کے در پر لائے
پاؤں مہماں کے سنبھالے علی اکبر آئے
غل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرور آئے
پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے
دخترِ فاطمہؑ سامانِ عزا کرنے لگی
فِضّہ پردے کے اُدھر آ کے بُکا کرنے لگی

شاہ چلائے کہ اے زینب و اُم کلثوم!
ہم بھی مظلوم ہیں، مہماں بھی مُوا ہے مظلوم
ماں ہے یاں اس کی، نہ خواہر، یہ تمھیں ہے معلوم
کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
اجر ہو گا تمھیں، اشکوں سے جو منہ دھوؤ گی
اس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

کہہ دو کبریٰ سے کہ ماتم کے لیے کھولے سر
روئے نادان سکینہ اسے "عمو" کہہ کر
جاں گزا بین کرے بانوئے تفتیدہ جگر
ہم اُدھر لاش پہ ماتم کریں، تم روؤ ادھر
غل ہے فریاد کا آوازِ بُکا آتی ہے
سن لو اماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

میری جانب سے کہو، لاش پہ آئیں سجاد
بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد
یہ وصیت مرے شیعوں کو ہے، دیکھیں اسے یاد
نامِ حُر سن کے کریں آہ و فغاں و فریاد
جس عزاخانے میں وہ تعزیہ میرا رکھیں
اس کا ماتم بھی اُسی بزم میں برپا رکھیں

دوست کے دوست کا غم، دوست سدا کرتے ہیں
حق محبت کا وفادار ادا کرتے ہیں
فاتحہ دیتے ہیں، سامانِ عزا کرتے ہیں
غیر مر جاتا ہے گھر میں تو بُکا کرتے ہیں
تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ فدا ہوتی ہے
فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

سن کے یہ، شور ہوا، حُر دلاور ہے ہے
اے مددگار جگر بند پیمبر ہے ہے
خوں میں سب تر ہے ترا روئے منور ہے ہے
تشنہ و بے کس و مظلوم کے یاور ہے ہے
ادھر آتا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

بس انیس اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِ عباد!
لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہ والا کے رہیں خلق میں شاد
ان کے سائے میں برومند ہو ان کی اولاد
عشرۂ ماہِ عزا، نالہ کشی میں گزرے
سال بھر شہ کے غلاموں کا خوشی میں گزرے

-☆-

پانچواں مرثیہ

# جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج

ہر عظیم شاعر کی طرح انیس بھی معاصرین کے علاوہ بعد کے دور کے مبصرین اور نقادوں کے اعتراضات کی زد میں آیا۔ لیکن یہ اعتراضات انیس کے شاعرانہ کمالات کو ایک دن کے لیے بھی نہیں دھندلا سکے۔ آئندہ بھی جو اعتراضات کیے جائیں گے وہ اس کی شہرت کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے اگر دلائل کی ضرورت ہے تو پھر دلائل کے لیے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے صرف اتنا اشارہ ہی کافی ہے کہ اعتراضات سے کبھی کسی بڑے شاعر کی شہرت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بڑے شاعر کے کلام میں صداقت کے کچھ ایسے عناصر ملتے ہیں جن میں ابدیت مضمر ہوتی ہے اور وہ ہزاروں مخالفتوں کے باوجود زندہ رہتی ہے۔ اس ابدیت کے فیضان کا سرچشمہ بھی ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

اس مرثیے میں بھی صداقت کی ابدیت کے فیضان کا یہی سرچشمہ بہہ رہا ہے۔ یہ مرثیہ 184 بندوں پر مشتمل ہے۔ گذشتہ مرثیے میں جنابِ حر کے امام حسینؑ کے ساتھ آ ملنے کا ذکر ہوا تھا جبکہ اس نظم کا موضوع حضرت عون و محمد کی شہادت ہے تاہم ضمناً حبیب ابن مظاہر، حضرت زینب اور حضرت عباس کے کردار اور سراپا بھی سامنے آتا ہے۔

اب اس مرحلے پر انیس کے فنی کمال کا ایک پہلو ملاحظہ فرمائیے کہ گذشتہ مرثیے میں متعدد افراد کے چہرے قلمبند کیے گئے نہ بزم کی دل کشی پر قلم اٹھایا گیا، نہ پہلو بہ پہلو واقعات رقم ہوئے نہ منظر نگاری کی رنگینی نظر آئی لیکن اس کے باوجود تسلسل، حسن بیان، لطفِ زبان، خوبیِ فکر اور نزاکتِ فن کے لحاظ سے علمائے فن کی نظر میں ہمیشہ ایک شاہکار مرثیہ قرار پایا۔

بالکل اسی طرح اس مرثیے میں تشبیب نہیں ہے بلکہ مرثیہ براہِ راست شروع ہوتا ہے۔

یہاں بھی صبح کا منظر رقم ہوا نہ شام کی منظر کشی ہوئی، مناظرِ قدرت کا بیان ہوا نہ فکری تاثرات لکھے گئے بلکہ صرف ایک منظر کی تصویر پیش کی گئی۔

منظر یہ ہے کہ امام عالی مقام حرم سرا سے باہر آنے کو ہیں۔ خیمے سے باہر یہ حال ہے کہ لوگ خیمے کے دروازے سے صحرا کے پھیلاؤ تک انتظار میں کھڑے ہیں۔ جیسے ہی حضرت حسینؓ باہر تشریف لاتے ہیں، لوگ آداب بجالاتے ہیں اور یہ منظر انیس نے اتنی فنی مہارت اور چابکدستی سے نظم کیا ہے کہ آج بھی ہمیں اس میں جاہ وجلال، ادب آداب اور ماضی کی شان نظر آتی ہے حالانکہ ہماری نسل نے شاہی آداب ومراسم کو بہ چشم خود کبھی نہیں دیکھا، تو پھر سوچیے کہ جنھوں نے ان آداب کو خود ملاحظہ کیا ہوگا وہ کیسے انیس کے کلام پر بھڑک اٹھے ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ منظر، منظر نگاری کے مسلمہ معیارات اور اصولوں کے لحاظ سے بھی انتہائی اہم ہے اور امام عالی مقام حضرت حسینؓ کی مدح کا ایک رُخ ہونے کے حوالے سے بھی انتہائی دل کش اور شان وشوکت کا حامل ہے۔

اس پس منظر میں مرثیے کا المیہ پہلو بے حد درد انگیز ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا دل تھام کر رہ جاتا ہے، آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور سینے کی فضا غمِ اہلِ بیت سے معمور ہو جاتی ہے۔ مجموعی اعتبار سے انیس کا یہ مرثیہ شروع سے آخر تک ان کے فنی کمال اور تخلیقی قوت کا کرشمہ ہے۔ گذشتہ سطور میں جس منظر کا ذکر تھا اس کے دو مرحلے صرف دو بندوں کی صورت میں ملاحظہ کریں:

حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار
اک ٹوٹہل رہے ہیں عزیزانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار
بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار
شوقِ زیارتِ علمِ فوجِ شاہ ہے
ایک اک کی نظر جانبِ درِ دولت نگاہ ہے

o——o

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہے یہ پکار

آتے ہیں اب حضور، خبردار! ہوشیار!
خلعت پہن رہے ہیں علم دار، نام دار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہیں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ، تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

اسی طرح حضرت عون و محمد میدان جنگ میں نکلنے سے پہلے اپنی کم سنی کے حوالے سے اہل بیت کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اپنی جنگی عزم و ولولے کو بیان کرتے ہیں۔ انیس کے باکمال قلم کے کرشمے نے اس بیان کو وہ آب و تاب بخشی ہے کہ سورج بھی دیکھے تو ٹھنڈا ہو جائے۔ نمونہ دیکھئے:

لاکھوں میں دس جواں نہیں اس آن بان کے
حافظ ہیں سب یہ مصحفِ ناطق کی جان کے
حملے کریں گے رن میں جو سینوں کو تان کے
مل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
سو سو کی جان لے کے ہر اک جان کھوئے گا
ہم سب کے بعد ہوگا جو قسمت میں ہوئے گا

o——o

خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے
رکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
ہم بھی ہیں بنتِ فاطمہؑ کی گود کے پلے
مرتے ہیں شوق میں، کہیں تلوار تو چلے
چمکا کے نیمچوں کو جو کھیلیں گے جان پر
لاشے زمیں پہ ہوں گے، لہو آسمان پر

اس مرثیے میں حرم سرا سے امام کی آمد کے علاوہ حضرت زینب اور دوسری خواتین، حضرت عباس کی صورت، سیرت اور کردار، عون و محمد کی مختلف حالتیں اور ان کی جنگ و شہاد

کے واقعات رقم ہوئے ہیں۔عون ومحمد کے لڑائی میں اترنے، دشمنوں پر جا گرنے، بہت سوکو کاٹ دینے اور پھر خود جامِ شہادت نوش کرنے کو کمال نازک خیالی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ غرضیکہ مردانہ زبان یا نسوانی لب ولہجہ میں خوشی، غم اور جذبات کی شدت دکھانے کے لیے اظہار کی جو شدت درکار تھی، میر انیس نے ادب وشعر کو وہی پیرایہ عطا کر کے فکروفن کو نئی عظمت بخش دی ہے۔مرثیے کی مجموعی فضا دل کو چھو لینے والی ہے اور ''کلیاتِ انیس'' کا یہ پانچواں مرثیہ بھی انیس کے منتخب شاہکاروں میں شامل ہے۔

☆
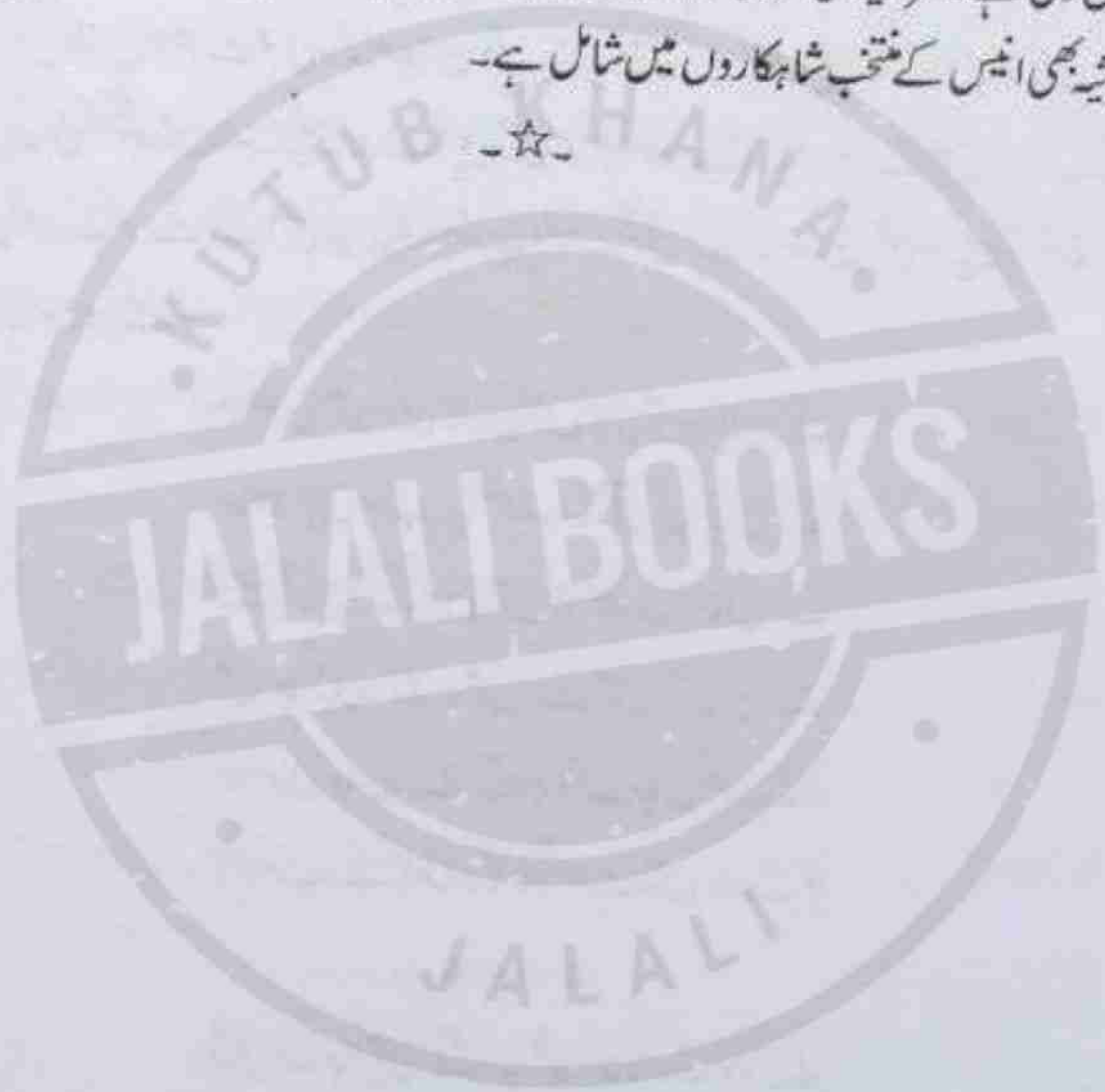
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاتی ہے کس شکوہ سے رَن میں خدا کی فوج
کمریں وغا پہ باندھے ہے مشکل کشا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے، سب پیشوا کی فوج
جنت کا رخ کیے ہے، شہ کربلا کی فوج
ڈیوڑھی پہ جن و انس و ملک کا ہجوم ہے
خیمے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے

حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار
اک سُو ٹہل رہے ہیں عزیزانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار
بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار
شوقِ زیارت علمِ فوجِ شاہ ہے
ایک اک کی جانبِ درِ دولت نگاہ ہے

رخ ہے کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ
کوئی سنوارتا ہے بدن پر سلاحِ جنگ
جھک جھک کے چست کرتا ہے کوئی فرس کا تنگ
چلے سے جوڑتا ہے کوئی فاقہ کش خدنگ
بھالا سنبھالتا ہے کوئی جھوم جھوم کے
تنتا ہے کوئی، تیغ کے قبضے کو چوم کے

ملتا ہے ہنس کے ایک جواں، ایک کے گلے
ساری خوشی یہ ہے کہ بس اب خلد میں چلے
چہرے وہ سرخ سرخ، وہ جرأت، وہ ولولے
حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے
مر کر بھی دل میں الفتِ حیدرؑ کی بُو رہے
پانی ہمیں ملے نہ ملے، آبرو رہے

حاضر ہے، ذوالجناح شہنشاہِ بحر و بر
کلغی ہے یا کہ خوشہء پرویں قریبِ سر
خادم چنور لیے ہیں مگس راں اِدھر اُدھر
پیچھے ہیں باد پائے عزیزانِ نام ور
گھوڑے سمندِ سرورِ ذی شاں کے ساتھ ہیں
پریوں کے غول تختِ سلیماں کے ساتھ ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہے یہ پکار
آتے ہیں اب حضور، خبردار! ہوشیار!
خلعت پہن رہے ہیں علم دارِ نام دار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہیں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ، تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

یہ سن کے شاد ہو گئی فوجِ حسینؑ سب
آئے رفیق سب درِ دولت پہ با ادب
بولے حبیب ابنِ مظاہر کہ شکرِ رب
ہاں سرفروشو! جنگ و جدل کا مزہ ہے اب
سر دے کے لے، بہشت کی جس کو تلاش ہو
دیکھیں علم کے سائے میں کس کس کی لاش ہو

کون اور کائنات میں ہے دوسرا جواں
قابل اسی کے دوش مبارک کے ہے نشاں
بازوئے شاہِ دیں، جسدِ مرتضیٰؑ کی جاں
پیروں کا سرپرست، جوانوں کا قدرداں

باتیں پیمبروں کی خدا کے ولی میں ہیں
سب اس میں جمع ہیں صفتیں جو علیؑ میں ہیں

الفت وہی، حیا وہی، مہر و وفا وہی
طاعت وہی، وقار وہی، اتقا وہی
بخشش وہی، کرم وہی، جود و سخا وہی
جرأت وہی، جدال وہی، دبدبا وہی

گیتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے؟
خود تھا علیؑ کا قول کہ عباس شیر ہے

بے مثل سب ہیں قبلہء عالم کے رشتے دار
لیکن خدا نے اس کو دیا ہے عجب وقار
جیسے نبیؐ کی فوج میں تھے شیرِ کردگار
ویسا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جاں نثار

سب فوج سے بڑھا ہوا رتبہ اسی کا ہے
شیرِ خدا کے بعد یہ حصہ اسی کا ہے

باہر تو اشتیاقِ علم میں ہے سب سپاہ
خیمے میں باندھتے ہیں کمر شاہِ دیں پناہ
سب خویش و اقربا ہیں مسلح قریب شاہ
ہیں سامنے علم لیے عباسِ عرش جاہ

رتبے کو اوج، نخل ترقی مراد پر
گویا علیؑ کھڑے ہیں مہیا جہاد پر

شیر خدا کا خودِ مبارک ہے زیبِ سر
کلغی، ہمارے اوجِ سعادت کے جس میں پر
ماتھا ہے یا کہ ابر سے نکلا ہوا قمر
ابرو ہیں ذوالفقارِ یداللہ نام ور
ڈورے جو سرخ سرخ ہیں چشمِ سیاہ میں
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسولؐ
رُخسار تھے کھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول
قد سروِ باغِ حسن، نہ پستی فزوں نہ طول
وہ لب کہ جس سے روح کو ہو تازگی حصول
یہ شور تھا نمک کا جہاں کے رواق میں
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

دیتے تھے تہنیت جو عزیزانِ پُرجگر
عباس مسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر
رخ کی ضیا اِدھر تھی، علم کی ضیا اُدھر
وہ آسماں حشم، تو یہ کیواں جناب ہیں
غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار
منصب مبارک اے شہِ مرداں کے یادگار
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباسِ ذی وقار
مجھ کو سمجھیے عون و محمد کا جاں نثار
ان کی طرف سے مہتمِ بندوبست ہوں
مالک یہ شاہزادے ہیں، میں پیش دست ہوں

فرماتی تھیں یہ دخترِ خاتونِ کائنات
تم دونوں کے بزرگ ہو، یہ کون سی ہے بات
اُس وقت ہے خوشی جو اس آفت سے ہو نجات
سمجھوں کہ بے کسوں کو دوبارہ ملی حیات
گھیرا ہے بے گناہ شہِ مشرقین کو
تم سب شریک ہو کے بچا لو حسین کو

سب خوش تھے خیمۂ شہِ ذی جاہ میں، مگر
چیں بر جبیں تھے زینبِ ناشاد کے پسر
نہ جانبِ علم تھی، نہ ماں کی طرف نظر
آنکھوں میں ڈبڈبائے تھے آنسو، جھکے تھے سر
اس طرح تھا عرق رُخِ پُر آب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

پھر کر اُدھر سے، ماں نے جو بیٹے پہ کی نظر
سمجھیں، علم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
ہٹ کر کیا اشارہ کہ آؤ ذرا اِدھر
آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر
بولیں کہ اب نہ ہوش، نہ مجھ میں حواس تھے
قربان جاؤں کیا ہے جو چہرے اُداس تھے؟

ہتھیار سج چکے ہیں، شہنشاہِ حق شناس
تم نے نہ زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں ہراس
دولھا بن کے جاؤ امامِ اُمم کے پاس
کچھ ملگجے ہیں، آؤ میں کپڑے اُتار دوں
سُرمہ لگا دوں، گیسوئے مشکیں سنوار دوں

شب سے تو صبح تک یہ دُعا تھی ہر ایک پل
تیغوں میں پہلے ہم کو کرے سرخ رُو اجل
اب کیا ہوا، یہ کون سا غصے کا ہے محل؟
آنکھوں میں اشک، رخ پہ عرق، ابروؤں پہ بل
وہ خوش مزاجیاں، نہ وہ باتوں کے طور ہیں
اِس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں

ماں پر یہ آفتیں ہیں، یہ ماموں پہ ظلم و جور
پیارو! ہمارے حال پہ لازم ہے تم کو غور
نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور
اب مشورے ہیں اور، تصور ہیں اور اور
وہ دل نہیں، وہ آنکھ نہیں، وہ نظر نہیں
اوروں کا ذکر کیا، تمھیں میری خبر نہیں

اس کا نہیں خیال کہ کیونکر جیے گی ماں
ہوتا ہے آفتوں میں محبت کا امتحاں
تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جاں!
مجھ سے سوا ہے کون تمہارا مزاج داں
جس پر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
غصے کی آنکھ کا ہے کو پہچانتی ہوں میں

پردہ ہے تو سناؤ الگ چل کے دل کا حال
دونوں نے عرض کی کہ "نہیں، کچھ نہیں ملال"
ہاں ہم کو آج بھول گئے شاہِ خوش خصال
اوروں کی پرورش ہے، ہمارا نہیں خیال
کیا ورثہ دارِ جعفرِ طیار ہم نہ تھے؟
اس عہدۂ جلیل کے حق دار ہم نہ تھے؟

انگشت رکھ کے دانتوں پہ ماں نے کہا کہ "ہا"!
اب اُس کا ذکر کیا ہے، جو ہونا تھا ہو چکا
دیکھو، سنیں نہ زوجۂ عباسِ باوفا
اچھا، یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلے کی جا
غبطہ نہ اُس میں چاہیے جو امرِ خیر ہو
واری، وہ کون غیر ہے، تم کون غیر ہو

اک دوپہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال
تم ہو گے تا بہ عصر، نہ عباسِ خوش خصال
اس دن کی دے گئے ہیں خبر شیر ذوالجلال
مجھ کو نہیں یقیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال
پیدا ہوئی ہوں اشک بہانے کے واسطے
رہ جاؤں گی میں قید میں جانے کے واسطے

لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم
اب کچھ کہو گے منہ سے تو ہو گا مجھے بھی غم
سنتے تھے تم؟ جو کہتے تھے عباسِ ذی حشم؟
دو جا کے اُن کو تہنیتِ عہدۂ علم
صدقے گئی، خلاف ادب کچھ سخن نہ ہو
میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو

کنبے میں ایک نے بھی اگر سن لیا یہ حال
کہتی ہوں صاف میں، مجھے ہو گا بہت ملال
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال
ہم باوفا غلام ہیں، کیا تاب، کیا مجال
دیجے سزا ہمیں، جو بل ابرو پہ پھر پڑیں
کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
دونوں ہو تم سعید و رشید و وفا شعار
دے ایسے لال سب کو زمانے میں کردگار
ذی قدر و ذی شعور و سخن فہم و ذی وقار
لازم خوشی ہے جو جسے عہدہ سپرد ہو
چھوٹوں کے تم بزرگ، بزرگوں کے خُرد ہو

پہنائے پیار سے انھیں پھر فاخرہ لباس
ہتھیار جب لگائے تو روئیں بہ درد و یاس
جب اُن کو لے کے آئیں امامِ اُمم کے پاس
بولے گلے لگا کے انھیں شاہِ حق شناس
دو چاند ہیں یہ خانۂ شیرِ الٰہ میں
زینب انھیں بھی بھیجو گی کیا قتل گاہ میں؟

نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گل بدن
تلوار اگر چلی تو پڑے گا غضب کا رن
فوجوں سے گونجتا ہے یہ سب کربلا کا بن
طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن
لشکر سے تیر کیں مری جانب جو آئیں گے
میں کس طرح جیوں گا جو یہ زخم کھائیں گے

بنتِ علیؑ نے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کر
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر
اک جان ہے بس، اور یہ دو پارۂ جگر
مایہ مرا یہی، یہی دولت، یہی ہے زر
پالا ہو جس نے اس کا نہ کچھ حق ادا کروں؟
اِن کو بچاؤں گر، تو کسے پھر فدا کروں؟

اس کا نہ کیجیے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر
دونوں نے بنت شیر خدا کا پیا ہے شیر
ہمت میں بے عدیل ہیں، جرأت میں بے نظیر
سینہ سپر کریں گے یہ جس دم چلیں گے تیر
تلواریں چمکیں، خون کے دریا چڑھے رہیں
امید ہے کہ سب سے یہ آگے بڑھے رہیں

حضرت کے آگے بات کی ان کو نہیں مجال
مخفی حضور پر ہے ارادوں کا ان کے حال
دادا کا رعب و دبدبہ و شوکت و جلال
تیغ و سپر میں ہے شہِ مرداں کی چال ڈھال
کیجیے نظر سنوں پہ تو بے شک صغیر ہیں
ہمت میں نوجواں ہیں، متانت میں پیر ہیں

روتی تھی میں جو آج کی شب کو بہ دردو یاس
دونوں دلاسا دینے کو آ بیٹھے میرے پاس
رو کر کہا کہ آپ کو اتنا ہے کیوں ہراس
آسان کچھ ہے قتلِ شہنشاہِ حق شناس
بچے ہیں شیر کے جنھیں بچا سمجھتی ہیں
کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں؟

حضرت کے ساتھ فضلِ خدا سے ہیں وہ دلیر
تھرا کے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جن کے شیر
تا کوفہ کیا عجب ہے جو ہوں زخمیوں کے ڈھیر
کر دیں گے رستموں کو زبردستیوں سے زیر
کل شیر سب ہیں اور یہ دشتِ مصاف ہے
سن لیجیے گا آپ کہ میدان صاف ہے

بیکا ہو دشمنوں کا شہِ دیں کے بال گر
پھر کاٹ ڈالیے گا تنوں سے ہمارے سر
حضرت تک آ سکے کوئی کیا تاب، کیا جگر
آنکھیں نکال لیں جو کرے غیظ سے نظر
پوتے شجاع کے ہیں، نواسے دلیر کے
ساعد ہیں یہ علیؑ کے، یہ پنجے ہیں شیر کے

لاکھوں میں دس جواں نہیں اس آن بان کے
حافظ ہیں سب یہ مصحفِ ناطق کی جان کے
حملے کریں گے رن میں جو سینوں کو تان کے
مل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
سو سو کی جان لے کے ہر اک جان کھوئے گا
ہم سب کے بعد ہوگا جو قسمت میں ہوئے گا

خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے
رکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
ہم بھی ہیں بنت فاطمہؑ کی گود کے پلے
مرتے ہیں شوق میں، کہیں تلوار تو چلے
چمکا کے نیمچوں کو جو کھیلیں گے جان پر
لاشے زمیں پہ ہوں گے، لہو آسمان پر

دونوں نے اس طرح بہ فصاحت کیا بیاں
مجھ کو یقینِ فتح ہوا، یا شہِ زماں!
گویا دوبارہ آ گئی میرے بدن میں جاں
خوش ہو کے بولی میں کہ تصدق ہو تم پہ ماں
محسن ہے آج، جو مرے بھائی کی بچ کرے
اس منہ کے میں نثار، خدا اس کو بچ کرے

ہر بار دیکھتی ہوں میں ان کی طرف بہ غور
دو تین دن سے اور ہیں کچھ تیوروں کے طور
کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور
تب چین ہو، مٹے جو یزیدِ لعیں کا دور
سکہ پڑے حسین علیہ السلام کا
خطبہ ہو منبروں پہ شہِ دیں کے نام کا

نو دس برس کے ہیں، ابھی دونوں کے کیا ہیں سن
راتیں یہ غفلتوں کی ہیں اور کھیلنے کے دن
یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب مُسن
لیکن کنیز اُن کی طرف سے ہے مطمئن
گھوڑے اُڑا اُڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے
اتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے

پہروں ہنسیں جو چھوٹے کی باتیں سنیں حضور
کہتا ہے نیچے کو ہلا کر وہ ذی شعور
نامرد ہے جو آج کرے جنگ میں قصور
اُس کو نہ قصرِ خلد ملے اور نہ وصلِ حور
بس چند روز رہ چکے دنیائے زشت میں
کل پہلے داخلہ ہے ہمارا بہشت میں

ہر بار اُلٹ کے کُرتے کی ننھی سی آستیں
کہتا ہے کیا لڑیں گے دلیروں سے اہلِ کیں
ہیں مرتضٰی علیؑ کے پسر شیرِ خشمگیں
جانیں ہزار ہوں تو نثارِ امامِ دیں
کل نیچے ہیں اور عدو کی سپاہ ہے
روتی ہیں والدہ، ہمیں دنیا سیاہ ہے

ہنس ہنس کے مجھ سے کرتے تھے دونوں ابھی بیاں
ہم کو حضور نے نہ دیا فوج کا نشاں
میں نے کہا قوی ہوئے کچھ دستِ ناتواں؟
بولے کہ خیر، آئے تو ہنگامِ امتحاں
اب تو غلام، قبلۂ عالم کے ساتھ ہیں
کوفے کا در ہے اور یہ کمزور ہاتھ ہیں

فرمایا شہ نے ان کی شجاعت میں فرق کیا
ہیں ورثہ دارِ شبّرِ الٰہی یہ باوفا
اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک دل ربا
زینب! تمھارے پاس رہے ایک مہ لقا
تم کس طرح جیو گی جو دونوں سے یاس ہو؟
گھر لٹتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو!

زینب نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آرزو
دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے روبرو
بچ جائے جان آپ کی یا شاہِ نیک خو
میں طالبِ ثواب، یہ خواہانِ آبرو
بہتر ہے دونوں بیٹوں کی گر سوگوار ہوں
میں بھی جنابِ فاطمہؑ کی ورثہ دار ہوں

طفلی سے آج تک نہ ہوئے یہ کبھی جدا
کھیلے تو ایک گھر میں، پلے ہیں تو ایک جا
چرچا ہے سارے کنبے میں دونوں کے پیار کا
بے شک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے
وہ کس طرح جیے گا جدا ہو کے بھائی سے

دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں
روتے ہیں اس طرح کہ مجھے بھی رُلاتے ہیں
دونوں جب ایک جا ہوں تو کھانا یہ کھاتے ہیں
مکتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں
بھائی جو زخمِ نیزہ و شمشیر کھائے گا
انصاف آپ کیجیے یہ مر نہ جائے گا؟

چھوٹا تنک مزاج ہے، یا شاہِ بحر و بر
سن لے، تو جان دے دے گلا اپنا کاٹ کر
نو دس برس جہاں میں ہوئے جس طرح بسر
باہم یونہی جہاں سے کریں آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ میں چھوٹے کا ہاتھ ہو
میں چاہتی ہوں دونوں کا مرنا بھی ساتھ ہو

باپ ان کا آج ہوتا جو اے شاہِ نام دار!
کرتا قدم پہ سر کو تصدق، بہ افتخار
ایک ان کے بدلے آپ کے قدموں پہ ہو نثار
میرے عوض فدا کرے ایک اپنی جانِ زار
ان پر ہمارا حق ہے، تو ہم پر ہے آپ کا
یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باپ کا

کرتے تھے مجھ سے وقتِ سفر رو کے یہ بیاں
محروم اس شرف سے ہوں میں زار و ناتواں
بچوں کا ساتھ اور سفرِ خوف، الاماں
مجبور، دشمنوں میں، چلے ہیں شہِ زماں
وقت آ پڑے تو پاس ہمارا نہ کیجیو
بیٹوں کو تم حسین سے پیارا نہ کیجیو

گردن جھکا کے کہنے لگے شاہِ خاص و عام
تم کو جہاں میں پھر نہ ملیں گے یہ لالہ فام
مُتی ہے نسلِ جعفرِ طیارِ نیک نام
چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام
للہ ان کے باب میں اب کد نہ کیجیے
ہدیہ فقیر کا ہے، اسے رد نہ کیجیے

چپ ہو گئے بہن سے "بہت خوب" کہہ کے شاہ
قاسم نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ دیں پناہ!
بڑھ آئی ہے اُدھر سے بہت شام کی سپاہ
فرمایا آپ نے کہ نگہبان ہے الٰہ
حملوں سے، فوجِ شام کے جی چھوٹ جائیں گے
جب ہم بڑھے تو مورچے سب ٹوٹ جائیں گے

زینب کے نورِ عین بڑھے جب بہ صد حشم
کھولا سروں پہ حضرت عباس نے علم
ماں کا اشارہ تھا کہ زہے شفقت و کرم
ہاتھوں کو جوڑو، جلد جھکو، چوم لو قدم
کچھ حد ہے اس بزرگی و جاہ و جلال کی
دیکھیں نوازشیں شہِ مرداں کے لال کی

لے کر بلائیں بھائی کی، بولی وہ سوگوار
اپنے غلام سمجھو انھیں، تم پہ میں نثار
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گل عذار
ان کی مدد ضرور ہے ہنگامِ کارزار
صدمے سے جان اب نہیں زہراؑ کی جائی میں
دھڑکا یہ ہے کہ دیکھیے کیا ہو لڑائی میں

سیراب اُدھر ہیں سب، انھیں سولہ پہر کی پیاس
کیا ہو جو نہر دیکھ کے ہو جائیں بے حواس
پشتی پہ جب ہو شیر تو بے جا ہے پھر ہراس
رہیو نہ دور اُن سے، اگر ہے بہن کا پاس
بچے کہاں یہ، اور وہ دل فوج شام کا
بھیا! مجھے ہے دھیان بزرگوں کے نام کا

زندوں میں آؤں میں، جو یہ مقتل سے مر کے آئیں
کنبے میں سرخ رو ہوں، اگر خوں میں بھر کے آئیں
اُلٹیں بہادروں کی صفیں، نام کر کے آئیں
خیمے میں آئیں اب تو جہاں سے گزر کے آئیں
بھیا مجھے! قسم ہے جنابِ امیر کی
پانی پیا تو بوند نہ بخشوں گی شیر کی

عباس نے کہا یہ نہ فرمایئے حضور!
ایسے یہ شیر ہیں کہ وغا میں کریں قصور؟
بچے کسی نے دیکھے ہیں اس طرح کے غیور؟
کوفے کو شام پر جو اُلٹ دیں تو کیا ہے دور
بچپن میں کافروں سے خدا کے ولی لڑے
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُحد میں علی لڑے

ہے سب عرب میں، لیثِ بنی غالب اُن کا جد
مثلِ علی وغا میں کریں گے یہ جدو کد
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر بہ شد و مد
غُل ہو گا، گونجتے ہیں ترائی میں دو اسد
یہ پارۂ جگر ہیں، علی سے دلیر کے
سب خصلتیں ہیں شیر کی بچے میں شیر کے

کچھ فکر کی جگہ، نہ تردد کا ہے مقام
سن لیجے گا، آج یہ جیسے کریں گے کام
ان سے کبھی جدا نہیں رہنے کا یہ غلام
میں عبدِ سرفروش ہوں، اے خواہرِ امام
بندوں کا حفظ خالقِ عالم کے ہاتھ ہے
روتی ہیں آپ کیوں، مری جاں ان کے ساتھ ہے

یہ سن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار
دیکھا بڑھے ہیں جانبِ در شاہِ نام دار
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ ذی وقار
زینب! گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار
جو حالِ دل ہے، کہہ نہیں سکتا زباں سے میں
چھٹتی نہیں تم، آج بچھڑتا ہوں ماں سے میں

بھائی بہن کے درد کی باتیں لکھوں اگر
بہہ جائے ہو کے آب، جو پتھر کا ہو جگر
چھاتی سے سر لگائے ہوئے تھی وہ نوحہ گر
رکھے ہوئے تھے دوش پہ منہ شاہِ بحر و بر
غم سے جگر لہو تھا شہِ مشرقین کا
سیدانیوں میں شور تھا "ہے ہے حسین" کا

بنتِ علیؑ کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف
غل تھا، مدد کو آیئے اب، یا شہِ نجف!
لڑیاں تھیں چار ایک سی اشکوں کی دو طرف
شہ کہتے تھے بہن، نہ کرو جان کو تلف
غربت میں اور کوئی نہ یاور نہ عون ہے
تم مر گئیں، تو پھر مرے بچوں کا کون ہے

فرما کے یہ، بڑھا پسرِ ختمِ مُرسلینؑ
مشکل تھا ضبط، غش ہوئی وہ بے کس و حزیں
ماتم کی صف پہ بیبیاں، زینب کو لے گئیں
خیمے سے نکلے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
دامن علم کا کھول کے عباس رُک گئے
صف باندھ کر سلام کو مجرائی جھک گئے

دیکھا جو نورِ چہرۂ سردارِ خاص و عام
پڑھنے لگے درود جوانانِ تشنہ کام
سر کو جھکا جھکا کے جھکے جب پئے سلام
جو سر تھا، سر جھکانے میں وہ پا گئے امام
یعنی غلام منکسر و خاکسار ہیں
اس پائے عرش قدر پہ، یہ سر نثار ہیں

سب فوج کو سلام کا جب دے چکے جواب
پس جانبِ فرس متوجہ ہوئے جناب
روح الامیں نے دی یہ صدا تھام کر رکاب
بسم اللہ اے خدیوِ زماں! مالکِ رقاب
نورِ محمدیؐ رخِ انور کی ضو میں ہے
شوکت تری رکاب میں، نصرت جلو میں ہے

اس شان سے فرس پہ شہِ انس و جن چڑھے
جس طرح نکلے ابر سے خورشید دن چڑھے
بہرِ جہادِ راہِ خدا، مطمئن چڑھے
گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے مُسن چڑھے
سب جاں فشاں سوار تھے راہِ ثواب میں
پیدل مگر تھے ابنِ مظاہر رکاب میں

بڑھتا تھا خون جوشِ شجاعت سے دم بہ دم
گردن میں وہ کجی تھی، نہ مطلق کمر میں خم
ہر نوجواں سے تھا یہ اشارہ، بصد حشم
یعنی جہاں سے جائیں گے سیدھے جناں میں ہم
بر میں زرہ، کمانِ کیانی تھی دوش پر
قبضے پہ ایک ہاتھ تھا، اک زین پوش پر

ابرو جھکے جو پڑتے تھے پلکوں پہ بار بار
رومال پھاڑ کر انھیں باندھا تھا استوار
آنکھوں سے شیرِ نر کی جلالت تھی آشکار
گویا کہ تھی غلاف میں حیدرؑ کی ذوالفقار
جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے
رعشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

اک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے
یا کی دعا حبیب کے حق میں جناب نے
ریشِ سفید رخ پہ سیہ کی خضاب نے
پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے
لبریزِ نور، سینۂ بے کینہ ہو گیا
یوں جھریاں مٹیں کہ تن آئینہ ہو گیا

کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نام دار!
یہ کس لیے پیادہ روی، اے نحیف و زار!
میں بھی اُتر پڑوں گا نہ ہو گے جو تم سوار
کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار
ہر چند پیرِ خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ نظر بروئے تو کردم، جواں شدم

فرمایا تم کو دیتا ہوں اُس سر کی میں قسم
جو بعدِ عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے اب قدم
اچھا، تمھارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم

پہنچیں جناں میں بحرِ مصیبت کو جھیل کے
ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے

وہ لوٹنا بھی خاک کا اب تک ہے یادگار
تم پر بھی گرد تھی، مری زلفوں پہ بھی غبار
اُس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا نبیؐ کا پیار
فرماتے تھے یہ ہے مرے پیارے کا دوست دار

شبیر کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں
لوٹے گا یہ لہو میں یونہیں، جانتا ہوں میں

رو کر کہا حبیب نے، آخر ہوا وہ دَور
اب اُن کا عہد ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جور
یہ وقت اور کچھ ہے، وہ ہنگام تھا کچھ اور
مولا! کبھی رہا نہیں دنیا کا ایک طور

گردش نئی فلک کی، نئے انقلاب ہیں
کوثر ہے جن کا، آج وہ محتاجِ آب ہیں

یہ عرض کر کے روئے حبیبِ وفاشعار
جھک کر کہا یہ پیرِ غلام آپ کے نثار
جب تک سمند پر وہ دلاور ہوا سوار
روکے رہے لگامِ فرس شاہِ نام دار

ہر دوست پر پدر سے زیادہ شفیق تھے
کیا قدرداں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے

بس چھیڑ کر فرس کو امامِ زماں بڑھے
آگے جو تھے رکے ہوئے، وہ سب جواں بڑھے
کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیر ژیاں بڑھے
مشتاقِ تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑھے

یوں طے کیا دلیروں نے اُس راہِ خیر کو
جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن کی سیر کو

بشاش قتل گاہ میں پہنچے جو وہ دلیر
نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثالِ شیر
نعرہ یہ تھا کہ کیجیو ان سرکشوں کو زیر
عرصہ نہ جنگ میں ہو، نہ فتح و ظفر میں دیر

تیغوں سے روم و شام کی بستی اُجاڑ دو
کوفے کے در پہ جا کے نشانوں کو گاڑ دو

حد سے فزوں تھی کثرتِ فوجِ ستم شعار
لکھی ہے راویوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار
پیدل تھے بے حساب، تو تھے لاتعد سوار
فوجوں کا دستِ چپ سے بھی ممکن نہ تھا شمار

پیکِ خیال جا کے بھر آتا تھا راہ سے
پنہاں تھی کربلا کی زمیں سب نگاہ سے

اکنافِ بر و بحر میں لشکر کا تھا مقام
سہل و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام
ناکوں پہ چوکیاں تھیں، جزیروں میں اہتمام
مسدود ہو گئی تھی سبیلِ خط و پیام

آیا کبوتر اُڑ کے جدھر، صید ہو گیا
قاصد جہاں ملا، وہ وہیں قید ہو گیا

ظاہر ہوئی سیاہیٔ لشکر سے دن کو رات
وہ کشمکش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات
دنیا پرست، دشمنِ ساداتِ نیک ذات
مقتل سے کوفے تک تھے فقشون زبوں صفات

دریا کے صرف آب سے لب خشک ہو گئے
جتنے کنویں تھے راہ میں سب خشک ہو گئے

دُنیا میں نیک کم ہیں بہت، اور بد ہزار
لکھا ہے فوج شہ کا کتابوں میں یہ شمار
چالیس کل پیادے تھے، بتیس سب سوار
طفل ان میں تھے کئی سمن اندام و گل عذار

بُوٹا سے قد تھے، ایک بھی ان میں جواں نہ تھا
سبزہ بھی جن کے گورے رخوں پر عیاں نہ تھا

بچوں میں سبز رنگ کوئی تھا، کوئی صبیح
شیریں سخن، لبوں میں نمک، رنگتیں ملیح
چاٹیں لبوں کو، ان کی جو باتیں سنیں فصیح
مُردوں کو دم میں زندہ کریں صورتِ مسیح

جد و پدر کی طرح جری ہیں، دلیر ہیں
بچے ہیں یوں، پہ غیظ جب آئے تو شیر ہیں

وہ نیمچے، ہلال کے دم خم پہ جن کو فوق
جرأت کا جوش، تیغ زنی کا دلوں میں شوق
ہنس ہنس کے زخم کھائیں، زبانوں کو اس کا ذوق
گیسو رخوں پہ، کانوں میں بُندے، گلوں میں طوق

آنکھیں جو نرگسی ہیں، تو رخ بھولے بھالے ہیں
نازوں کے، منتوں کے، مرادوں کے پالے ہیں

ایک ایک خوش بیاں تو ہر اک نکتہ سنج ہے
کچھ پیاس کا نہ غم ہے، نہ فاقوں کا رنج ہے
لشکر ہے وہ کہ حُسن کی دولت کا گنج ہے
چہرہ ہر اک کا ماہِ چہار و دو پنج ہے
انگڑائیاں جو لیتے ہیں سینوں کو تان کے
کہتا ہے حُسن خود کہ نثار ان کی شان کے

کم گو کوئی، متیں کوئی، شیریں سخن کوئی
بچپن میں سرو قد کوئی، رشکِ چمن کوئی
نازک مزاج کوئی، تو گل پیرہن کوئی
تصویرِ جد کوئی، تو شبیہِ حسن کوئی
دولت یہی حسینؑ کے حصے میں آئی تھی
مایہ تھا فاطمہؑ کا، علیؑ کی کمائی تھی

شیرانِ دشت کو جگر ایسے نہیں ملے
غواص کو کبھی گہر ایسے نہیں ملے
حمزہ کو جنگ کے ہنر ایسے نہیں ملے
جعفر نے پائے بال، پر ایسے نہیں ملے
جو تھا نبیؐ کے بعد خدا کے ولی کا تھا
حضرت کو وہ ملا کہ جو حصہ علیؑ کا تھا

پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے گُل عذار
تیغیں چمکتی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار
فرماتے تھے یہ روک کے عباسِ نام دار
شیرو! ابھی نہیں ہے تمھیں حکمِ کارزار
حجت تمام کی نہیں شاہِ غیور نے
سبقت نہ کیجیو، منع کیا ہے حضور نے

عجلت کو جانتے ہیں سبک، جو ہیں بردبار
بے وقت دوڑتے نہیں ذی قدر، ذی وقار
دیکھو تماشا، فوج کی کثرت ہے بے شمار
باجے بجا کے کھولیں گے رایت ستم شعار
جلدی نہ کیجیو، گو کہ لڑائی میں دیر ہو
تم تو خدا کے شیر کے شیروں کے شیر ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ نیک نام
کر دیجیے ہمیں علی اکبر کے پائے نام
بیٹے سے مسکرا کے یہ کہنے لگے امام
عاشق ت تمھارے نام کے ہیں یہ فلک مقام
بیٹا! یہ سن میں چھوٹے ہیں، سب میں بڑے ہو تم
اچھا، صف ان کی باندھ کے آگے کھڑے ہو تم

بچھرے ہوئے ہیں شیر، خبردار، ہوشیار!
کوئی بڑھانے پائے نہ اس صف سے رہوار
عجلت ہر ایک امر میں بچوں کا ہے شعار
بہلا کے روکے رہیو انھیں، تم پہ میں نثار
جان اپنی سب دیے ہیں بزرگوں کے نام پر
گھوڑے اڑا کے جا نہ پڑیں فوجِ شام پر

تسلیم کر کے شہ کو، مرتب جو کی وہ صف
سب جس لڑی میں تھے گہر قلزمِ شرف
فرقت میں جن کی چاک رہا سینۂ صدف
زہراؑ کے رشتہ دار، یداللہ کے خلف
ان سے کے جہان میں عشق دلی نہیں
اب تک وہ آبرو تو کسی کو ملی نہیں

شرمندہ جس سے چاند ہو، چہرے وہ تابناک
دل بلبلوں کے خوں، تو گریباں گلوں کے چاک
خود وادی السلام جو چھانے نجف کی خاک
ایسے کبھی ملیں نہ گہر ہائے صاف و پاک
تسبیح ہاتھ آئی یہ کس نیک نام کو
دُرِ نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو

شیر خدا کے سات جگر بند نام دار
دونوں نواسے حضرت زینب کے گل عذار
پوتے چھیوں وحید زماں، فخرِ روزگار
یکتائے دہر، پانچ بھتیجے فلک وقار
خود جس کی فرع و اصل علیؑ و رسولؐ تھے
یہ سب اسی درخت کی شاخوں کے پھول تھے

یوسف تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار
کیف و کم ثمن ہے کتابوں سے آشکار
یوسف سے کربلا میں تھے اٹھارہ گل عذار
عالم کی جان، فخرِ حسینانِ روزگار
یاں منزلت بھی، قدر بھی، قیمت بھی فوت تھی
زہراؑ کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

تیغ و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب
سرکاؤں چہرۂ علی اکبر سے پھر نقاب
حوروں گلوں کو کاٹ کے تڑپیں، رہے نہ تاب
گر دیکھتیں وہ حسن ملیح، اور وہ شباب
پریاں تو ان کے سائے کا پیچھا نہ چھوڑتیں
دامن کبھی جناب زلیخا نہ چھوڑتیں

لاریب فیہ، حُسن میں یوسف تھے بے مثال
گستاخیاں معاف، ادب کا بھی ہے خیال
مثلِ نبیؐ ملیح تھے، یہ سب نکو خصال
وہ چاشنی سخن کی، وہ شیرینیِ مقال
شور آج تک ہے، خوبیِ یوسف میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حسن کہ جس میں نمک نہیں

ناگہ نشاں بڑھائے اُدھر کی سپاہ نے
کھولا ادھر علم کو علم دار شاہ نے
چوما نشاں کو بڑھ کر ہر اک خیر خواہ نے
"طوبیٰ لکم" کہا شہ عالم پناہ نے
رفعت بڑھی زمینِ سعادت سرشت کی
ٹھنڈی ہوا پھریرے سے آئی بہشت کی

رایت وہ سبز، لشکرِ سادات کا نشاں
دامانِ پاک کشتیِ اُمت کا بادباں
پنجہ مثالِ پنجۂ خورشید زرفشاں
پرچم تھا، بال کھولے تھی یا حورِ جناں
مشک و عبیر و عُود کا بازار سرد تھا
مٹی کا عطر، خاک کی خوشبو سے گرد تھا

نقارۂ وغا پہ لگی چوب ناگہاں
گردونِ دوں سے پار ہوئی طبل کی فغاں
شیپور کے غریو سے ہلتا تھا آسماں
وہ بوق کی مہیب صدا تھی کہ الاماں
نیزوں کو ہر سوار اُدھر تولنے لگا
گونجے ادھر بھی شیر، کہ رن بولنے لگا

شہنا کا شور سن کے لرزتا تھا بند بند
برچھے ہلے رسالوں میں، نیزے ہوئے بلند
صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند
ڈر کر کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند

سن کر دُہل کا شور، کلیجے دہل گئے
صحرا سے دب کے شیرِ نیستاں نکل گئے

پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیر بے شمار
مولا نے غازیوں کو دیا حکمِ کارزار
نکلے وغا کو قبلۂ عالم کے جاں نثار
جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار

ہوں گے، نہ ہیں، نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے
سب جان دے کے حقِ نمک سے ادا ہوئے

حُر و بُریر و وہب و عُمیرِ فلک مقام
وہ مسلم ابنِ عوسجۂ عرش احتشام
سعد و زُہیر قین و حبیب خجستہ کام
وہ شیر جس کا بو عمرِ نہشلی تھا نام

جس غول پر جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
اک ایک مرتے مرتے پروں کو اُلٹ گیا

نکلے وغا کو ایلچیِ شاہ کے پسر
ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غمِ پدر
فوجوں پہ حملہ ور ہوئے جس دم وہ شیر نر
دم میں تنوں سے کٹ کر گرے کوفیوں کے سر

رن پر چڑھے جو سوگ کے کپڑے اُتار کے
مارے گئے وہ شیر، ہزاروں کو مار کے

لاشوں کو قتل گاہ سے لے آئے جب حسینؑ
نکلے پرے سے، حضرتِ زینبؑ کے نُورِ عین
کی عرض یا امامِ زماں شاہِ مشرقین
رانڈوں میں ہے یتیموں کے ماتم کا شور و شین

پھر وقت کون سا ہے جواب ہم فدا نہ ہوں؟
دل تھرتھرا رہے ہیں کہ اماں خفا نہ ہوں

فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں کے پاس
دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب کی یہ التماس
اکبر سے آپ پوچھ لیں، یا شاہِ حق شناس!
فرما چکی ہیں والدۂ آسماں اساس

اب گھر میں آئیو تو وغا کر کے آئیو
سر لے کے ابنِ سعد کا، یا مر کے آئیو

فرمایا، خیر فوج سے جنگ و جدل کرو؟
جو ماں نے کہہ دیا ہے اُسی پر عمل کرو
ہاں خواہشِ وصالِ عروسِ اجل کرو
بچپن میں اس بقا کو فنا سے بدل کرو

راحت نے اس طرف نہ کیا رخ، نہ چین نے
دیکھے نہ ماں نے بیاہ، نہ سہرے حسینؑ نے

تسلیم کر کے گھوڑوں پہ وہ نازنیں چڑھے
غل پڑ گیا، جہاد پہ دو مہ جبیں چڑھے
یوں اشہبوں پہ دلبرِ ضرغامِ دیں چڑھے
نظروں سے سب اتر گئے گھوڑے زمیں چڑھے

پریاں نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں
دو بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

پہنچے جو رن میں برجِ شرف کے وہ آفتاب
نیزے زمیں پہ گاڑ دیے مثلِ بوترابؑ
نعرہ کیا، کہ او پسرِ سعد بے حجاب
ہمراہ لے کے شمر کو آ سامنے شتاب
گو سیکڑوں سوار، ہزاروں پیادے ہیں
تلوار پہلے تجھ سے چلے، یہ ارادے ہیں

ہم نے سنا یہ ہے کہ قریشی نسب ہے تو
نیکوں میں بد ہوئے ہیں، بدوں میں خجستہ خُو
ہم ٹوکتے ہیں، او سگِ ناپاک و کینہ جُو
شیروں سے آ وغا کو، جو ہے پاسِ آبرو
فاقوں میں زور دیکھ، جدال و قتال دیکھ!
دعویٰ ہے کچھ، تو ہاشمیوں کا جلال دیکھ!

ماں بنتِ فاطمہؓ ہیں، بنی فاطمہؓ ہیں ہم
دادا ہیں ابنِ عمِ رسولؐ فلک حشم
ہیں اس طرح نسب میں نبیؐ و علیؑ بہم
دو نام گو ہیں، ایک ہے پر کعبہ و حرم
بھائی جدا ہے، خویش جدا ہے، وصی جدا
ان سے علیؑ جدا، نہ خدا سے نبیؐ جدا

نے فصل ہے وصی نبی، مالکُ الرقاب
ضرغامِ دیں، مدینۂ علمِ نبی کا باب
دریائے فیضِ رحمتِ معبود کا سحاب
نورِ خدا سپہرِ جلالت کا آفتاب
جو ان سے منحرف ہوا، وہ دوزخی ہوا
ایسا کوئی شجاع، نہ ایسا سخی ہوا

کہف الوریٰ، سراجِ ہدیٰ، حُجتِ خدا
جس سے فزوں کسی نے نہ کی طاعتِ خدا
خاکی نہاد و آئینۂ قدرتِ خدا
ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربتِ خدا
حق ساتھ ہے حسینؑ کے، ہم ان کے ساتھ ہیں
پہنچا علیؑ کا زور جنھیں، یہ وہ ہاتھ ہیں

چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑھیے بس اب حضور
مخفی ہوا ہے خیمے میں ڈر کر وہ بے شعور
ہوتا ہے اور دھوپ سے اب پیاس کا وفور
مرنا ہے ہر طرح، یہ تامل ہے کیا ضرور
دو ہاتھ میں بھگا کے سواروں کو گھاٹ کے
خیمہ گرا دیں اس پہ طنابوں کو کاٹ کے

کھینچے یہ کہہ کے تیغے دونوں نے یک بہ یک
پہنچی زمیں سے آئینۂ مہر تک چمک
گاوِ زمیں اِدھر تھی ہراساں، اُدھر سمک
دب کر پروں پہ نادِ علی پڑھتے تھے ملک
غُل تھا چمک دمک وہی سب آشکار ہے
اک جا ہیں دو یہ تیغے، یا ذوالفقار ہے

دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں، فرس بڑھے
جس طرح قافلے سے صدائے جرس بڑھے
اب کون روکے، شیر بڑھے جب، تو بس بڑھے
مقتل میں بیس ہو کے گرے وہ، جو دس بڑھے
بچوں نے زورِ حق کے ولی کا دکھا دیا
سب رنگ ڈھنگ ضربِ علیؑ کا دکھا دیا

وہ اُن کے اشہبوں کی روا رو، اِدھر اُدھر
کاوے میں پس کے مر گئے سو سو اِدھر اُدھر
تابندہ تھے جو آٹھ مہِ نو اِدھر اُدھر
پھیلی ہوئی زمین پہ تھی ضو اِدھر اُدھر
کیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے
پریاں تھیں دو کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے

آئے جدھر، خدا کا غضب آ گیا اُدھر
پلٹے جدھر یہ، رعب علیؑ چھا گیا اُدھر
جھپٹے جدھر، شکست عدو پا گیا اُدھر
ٹھہرے جہاں، کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر
انساں تو کیا ہے شیروں کے زہرے بھی آب ہیں
آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب ہیں

کیا دونوں تازیوں کی سبک تازیاں لکھوں
کیوں کر روا روی میں خوش اندازیاں لکھوں
کس طرح نیمچوں کی سرافرازیاں لکھوں
کیا دونوں شاہزادوں کی جاں بازیاں لکھوں
پوتے ہیں کس جری کے، خلف کس ولی کے ہیں
اعلیٰ یہ مدح ہے کہ نواسے علیؑ کے ہیں

جو شیرِ حق میں تھی وہ شجاعت انہی میں ہے
جعفر کی شان و شوکت و صولت انہی میں ہے
شبّیرؑ سے کریم کی ہمت انہی میں ہے
کونین بخش دیں، یہ سخاوت انہی میں ہے
گو ان کے مدح خوانوں کے لب بے سوال ہیں
منہ بھر دیں موتیوں سے کہ زینبؑ کے لال ہیں

وہ چھوٹے چھوٹے خود، وہ پیشانیوں کی شان
وہ دبدبہ، وہ رعب، وہ عمامیوں کی شان
دیں داریوں کا نور، خداوانیوں کی شان
وہ دونوں نیمچوں کی سرافشانیوں کی شان
پیہم چلے، پہ زور گھٹا پچھ، نہ گس گیا
جب چمکے، مینہ سروں کا سراسر برس گیا

جس صف پہ، دور سے وہ جلالت قریں بڑھے
غل پڑ گیا کہ دل برِ ضرغامِ دیں بڑھے
وہ کیا بڑھے کہ دو اسدِ خشم گیں بڑھے
شیروں کا وہ شکار ہوئے جو لعیں بڑھے
زندے بھی کشتۂ خطر و بیم ہو گئے
دو حصے ہو کے موت میں تقسیم ہو گئے

چلّے سے جس کا تیر ملا تن پہ سر نہ تھا
جز گوشۂ مزار، کسی جا مفر نہ تھا
زندہ جو بھاگنے میں ادھر تھا، ادھر نہ تھا
کشتوں کے پشتے تھے کہ نظر کا گزر نہ تھا
دریا تھا یا سپاہ، صفیں تھیں کہ موجیں تھیں
دو بجلیوں کے بیچ میں اعدا کی فوجیں تھیں

نیزوں میں جس طرف وہ گئے، بے دھڑک گئے
شیروں کی بُو جو آ گئی، گھوڑے بھڑک گئے
زندوں کے خوفِ جاں سے کلیجے دھڑک گئے
زخموں میں کیا مزہ تھا کہ بسمل پھڑک گئے
یکسر قدم سپاہ کے، دریا سے اٹھ گئے
ہونٹوں کو چاٹتے ہوئے دنیا سے اٹھ گئے

وہ گورے گورے ہاتھ، وہ نازک کلائیاں
وہ بازوؤں کا زور، وہ تیغ آزمائیاں
وہ نیمچوں میں سیفِ علیؑ کی صفائیاں
وہ ولولے، وہ پہلے پہل کی لڑائیاں
جس غول پر وہ صاحبِ شمشیر آ پڑے
ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آ پڑے

جس پہلواں پہ عونؑ کی تلوار پڑ گئی
چہرہ تو کیا ہے، زیست کی صورت بگڑ گئی
چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑ گئی
سرتیز اک سناں تھی کہ پتلی میں گڑ گئی
آنکھوں کو روکے صف سے وہ مردک نکل گیا
گویا قفا کو توڑ کے ناوک نکل گیا

اک شور تھا کہ چشم نمائی غضب کی ہے
آفت کا معرکہ ہے، لڑائی غضب کی ہے
یہ گھاٹ قہر کا، یہ ترائی غضب کی ہے
چھوٹے سے نیمچوں کی صفائی غضب کی ہے
دونوں ہیں نورِ عینِ علیؑ سے غیور کے
آنکھیں نکال لیں، کوئی دیکھے تو گھور کے

جس پر اُڑا کے رخش وہ جاں باز آ پڑا
ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز آ پڑا
دو ہو کے تیغ پر وہ فسوں ساز آ پڑا
خود منہ کے بل سمندِ سبک تاز آ پڑا
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لیے
لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کے لیے

اللہ کا غضب اُدھر آیا، جدھر بڑھے
پہنچا سروں پہ تیغ کا سایا، جدھر بڑھے
جلوہ عروسِ فتح نے پایا، جدھر بڑھے
گھونگھٹ سپاہِ شام نے کھایا، جدھر بڑھے
گرتی تھی برق لشکرِ ابنِ زیاد پر
گویا چڑھے تھے دو نئے دولھا جہاد پر

ماتھے وہ، اور وہ پیچ عماموں کے لٹ پٹے
گیسو وہ پشتِ فاطمہؑ کے ہاتھ کے بٹے
وہ ابروؤں کے خم، کہ ہلالِ فلک کٹے
آنکھیں وہ نرگسی کہ نہ جن سے نظر ہٹے
چہرے کسی نے دیکھے ہیں اس آب و تاب کے؟
رخسار، چار پھول کھلے ہیں گلاب کے

وہ برگِ گل سے لب، وہ دہن ان کے تنگ تنگ
وہ بھینی بھینی بُو کسی غنچے میں، نہ وہ رنگ
لعل و گہر ہیں ان لب و دنداں کے آگے دنگ
اک منجمد یہ قطرۂ نیساں ہے اور وہ سنگ
تشبیہ بھی جو ان سے نہ دی، ناامید ہیں
اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

گورے گلے، کہ جن سے نمایاں ہے نورِ حق
سرخی نہیں، یہ مہرِ منور پہ ہے شفق
وہ پنجے، وہ ہاتھ، دلِ کفر جس سے شق
سینے ہیں ایک مصحفِ ناطق کے دو ورق
خالی ہیں گو شکم، پہ یہ جرار سیر ہیں
فاقہ تو ارث ہے کہ یہ شیروں کے شیر ہیں

ان دونوں اشہبوں کی وہ چھلبل، وہ تنگ جائے
جو ان کی چال دیکھنے آئے، وہ دنگ جائے
صورت کا نہ بناؤ، نہ سرعت کا ڈھنگ جائے
اڑتے تھے یوں کہ جیسے ہوا پر خدنگ جائے
پریاں تھیں دو، وہ اسپ سعادت اثر نہ تھے
سب تھی ہُما کی تیز پری، اور پر نہ تھے

اسوار آفتاب، تو گھوڑے بھی ماہ رو
سرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں لہو
جاں دار و خوش رکاب و سعید و نجستہ خُو
صاف آتی تھی پسینے سے جن کے وفا کی بُو
ڈھالا تھا جوڑبند کو سانچے میں نور کے
نازک کلائیاں تھیں کہ پہنچے تھے حور کے

دونوں کنوتیاں ہیں کہ پیکانِ تیر ہیں
چاروں سُم اُن کے غیرتِ بدرِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجیے جو نظر، بے نظیر ہیں
بال ایسی، جس کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں
سرعت میں ان سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

آئے اُدھر سے گر، تو ادھر سے نکل گئے
پہنچے کنارِ بحر، تو بر سے نکل گئے
مانندِ برق لشکرِ شر سے نکل گئے
دو تیر آ کے تیرِ نظر سے نکل گئے
یوں پھر رہے تھے بیچ میں فوجِ غنیم کے
جیسے سحر کو چلتے ہیں جھونکے نسیم کے

غنچے تھے دو ملے ہوئے اک جا کہ اُن کے گوش
برگستواں میں جسم کہ رستم تھا درع پوش
سرعت کو دیکھ لیں تو اُڑیں طائروں کے ہوش
گرتا تھا منہ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش
پریاں اُڑا سکیں نہ روش ان کی چال کی
بالکل مزاج شیر کا، آنکھیں غزال کی

وہ سُم، وہ نعل اور وہ سینے، وہ ترک تاز
بدر و بلال و آئنہ و کبک و شاہ باز
زیور تھا ایک شب کی دلہن کا، کہ ان کے ساز
وہ کلغیاں کہ طرۂ لیلیٰ سے سرفراز
بن کر گہر پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے
ہیکل کی تختیوں کے ستارے چمکتے تھے

گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نہ جاتے تھے تارکاب
پر پٹریاں جمی ہوئی تھیں مثلِ بوتراب
یوں مرکبوں کے باندھے تھے سر، وہ فلک جناب
بے جا قدم رکھیں، یہ سمندوں کو تھی نہ تاب
غل تھا ہٹے رہو کہ مزاج ان کا آگ ہے
ہٹ حیدرؑ سے شہسوار کی، یہ ران باگ ہے

گھوڑوں نے کس پرے میں قیامت بپا نہ کی
فاقہ تھا، پر کمی تگ و دو میں ذرا نہ کی
وہ کون سی گرہ تھی کہ تیغوں نے وا نہ کی
کن سرکشوں کے جسم سے گردن جدا نہ کی
نیزوں کے بند قطع کمانوں کے ساتھ تھے
حلالِ مشکلات کے بچوں کے ہاتھ تھے

پیاسوں کے نیمچے بھی غضب آبدار تھے
سیل فنا تھے، صاعقۂ شعلہ بار تھے
دونوں بہم جو ہو کے اُٹھے، ذوالفقار تھے
سائے کو بھی شریک جو کیجیے تو چار تھے
دو کرتے تھے یہ راکب و مرکب کو، زین کو
دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

قبضے وہ تکیہ گاہِ ظفر جن کا نام ہے
پھل وہ کہ جن کو کھاتے ہی قصہ تمام ہے
پانی وہ جس کو کہیے کہ زہر التیام ہے
کاٹ ایسا سنگِ سخت جہاں موم خام ہے
جوہر وہ، دم نکلتے ہیں جن کی مثال پر
افشاں چنی ہوئی ہے جبینِ ہلال پر

فولاد پوش پھینک کے ہتھیار چھپ گئے
گوشوں میں سر جھکا کے کماں دار چھپ گئے
چار، آٹھ میں جو قتل ہوئے، چار چھپ گئے
زخموں کے گل بہت جو کھلے، خار چھپ گئے
مشکل وہاں تمیز بد و نیک ہو گئی
غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہو گئی

جن کے جمے تھے رنگ، وہ بے رنگ ہو گئے
لڑنے کا حوصلہ نہ رہا، تنگ ہو گئے
چار آئنے جو پہنے تھے، چورنگ ہو گئے
بچوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہو گئے
مہلت نہ سر اٹھانے کی تھی فوج شام کو
دونا بلند کر گئے جعفر کے نام کو

کوفی بچے، نہ رومی و رازی، جدھر گئے
بجھ بجھ گئیں صفیں، وہ نمازی جدھر گئے
غازہ لگایا فتح نے، غازی جدھر گئے
پس پا تھے یکہ تازہ، وہ تازی جدھر گئے

دھوئیں دغا کی قاف سے تا قاف ہو گئیں
اللہ رے مصاف، صفیں صاف ہو گئیں

جا پہنچے تھے خیامِ بنِ سعد کے قریں
کتنی طنابیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبیں
"ہاں ہاں" کا شور کر کے بڑھے سب عدوئے دیں
بھاگا عقب سے چیر کے خیمے کو وہ لعیں

بھاگا اُدھر تو جوش میں وہ اضطراب کے
یہ دونوں بھائی رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

چھوٹے نے عرض کی، یہ سراپا ہیں مکر و کید
دیکھا حضور، چھٹ گیا پنجے میں آ کے صید
چھپنے کی شرم ہے، نہ انھیں بھاگنے کی قید
فرمایا عون نے، یہ ہیں استادِ زرق و شید

بھاگا طناب کٹتے ہی، کیا حیلہ ساز ہے
سچ ہے حرام زادے کی رسّی دراز ہے

بڑھ کر پکارے حضرتِ عباسِ عرش جاہ
کس سمت ابنِ سعد ہے اور شمرِ رُوسیاہ
ذلت اٹھا کے بھاگ گیا افسرِ سپاہ
روکے گئے نہ ایک سے، دو طفل، واہ واہ!

سرسبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتے ہیں
یوں لشکروں سے شیروں کے فرزند لڑتے ہیں

ہاں مرد گر ہے، سامنے بچوں کے آ تو جائے
بھاگے گا پھر تو خیر، کوئی زخم کھا تو جائے
مخفی کدھر ہے، شیروں کو صورت دکھا تو جائے
بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے

بپھرے ہیں شیر، ہاتھ میں تیغ و سپر تو لے
گرتا ہے وہ جھکا ہوا خیمہ، خبر تو لے

بھاگا رئیس خود، یہ خبر چار سُو گئی
عزت سبھوں کی آج گئی، آبرو گئی
آخر شِغال تھا، نہ دبکنے کی خُو گئی
خلعت پہن کے بھی نہ رذالت کی بُو گئی

جب کچھ کڑی پڑی تو جفا جُو نکل گیا
ضیغم جلال میں ہیں کہ آہو نکل گیا

مرتا ہے بے حیا زر و جاگیر و مال پر
اک نیمچے کا وار بھی روکا نہ ڈھال پر
آنکھیں چرائیں، شیر جب آئے جلال پر
سردار ہو کے چھپ گیا، تُف اِس جدال پر

پائے نہ گر شکار تو جانباز کیا کرے
کنجشک جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

باتوں میں اتنا تھم جو گئے وہ فلک پناہ
خیمے کو لے کے، پُشت پہ سب جم گئی سپاہ
دریا کی فوج اُدھر سے ہوئی بڑھ کے سدِّ راہ
چاروں طرف سے گھر گئے زینب کے رشکِ ماہ

پتھر بھی، تیرِ ظلم بھی، نیزے بھی چل گئے
سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

یوں تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر
غصے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر
لشکر کو کر دیا تھا زبردستیوں سے زیر
انبار اِدھر سروں کے، اُدھر زخمیوں کے ڈھیر
دیکھا غضب سے جس کی طرف، زرد ہو گیا
تلوار جس پہ سن سے چلی، سرد ہو گیا

تیغیں قریب سے جو لگاتے تھے اہلِ شر
اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی کی سپر
عباس پھر کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر
کیا لڑ رہے ہیں آپ کی ہمشیر کے پسر
نامی جوان بھاگ گئے شام و روم کے
خیمے پہ جا پڑے پسرِ سعدِ شوم کے

پر اب خدا بچائے کہ فوجیں کثیر ہیں
تیغیں ہیں، برچھیاں ہیں، سنانیں ہیں، تیر ہیں
رو کر امامِ دیں نے کہا اب اخیر ہیں
کب تک لڑیں کہ تشنہ دہن ہیں، صغیر ہیں
نو دس برس میں ماں سے بچھڑنے کے دن نہ تھے
یہ کھیلنے کی فصل تھی، لڑنے کے دن نہ تھے

زینب کھڑی تھیں پردے کے پیچھے جو بے قرار
فضہ خبر یہ دیتی تھی جا جا کے بار بار
کیا لڑ رہے ہیں جعفرؓ و حیدرؓ کے یادگار
حضرت سے مدح کرتے ہیں عباسِ نام دار
جس وقت ذکرِ معرکہ آرائی ہوتے ہیں
رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں

رو کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام
میں اک کنیز ان کی، وہ دونوں پسر غلام
مجھ کو دکھا تو دے کہ کدھر ہیں وہ لالہ فام
اس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوجِ شام
لاکھوں سے معرکہ ہے مگر با حواس ہیں
بی بی، وہ ابنِ سعد کے خیمے کے پاس ہیں

تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ رشکِ ماہ
کثرت ہے اس قدر کہ پہنچتی نہیں نگاہ
وہ بھاگتی ہے اور پلٹتی ہے سب سپاہ
آواز دار و گیر کی گردوں پہ جاتی ہے
دونوں کے نیمچوں کی چمک یاں تک آتی ہے

طبلِ ظفر پہ چوب لگی یک بہ یک اُدھر
ڈیوڑھی سے آئیں خیمے میں زینب جھکائے سر
عباس نے کہا شہِ والا سے دوڑ کر
چلیے حضور، لٹ گیا بنتِ علی کا گھر
گھبرا کے کشمکش میں دم ان کے نکل نہ جائیں
لاکھوں سوار ہیں، کہیں بچے کچل نہ جائیں

تلوار لے کے قاسمِ شیریں سخن بڑھے
عباس کیا بڑھے، شہِ خیبر شکن بڑھے
مانندِ شیر، اکبر گل پیرہن بڑھے
فرزند سے یہ کہہ کے امامِ زمن بڑھے
پردے میں اہلِ بیتِ نبی کے خلل نہ آئے
ڈیوڑھی پہ تم رہو، کہیں زینب نکل نہ آئے

پہنچے یہ تین شیر جو مقتل میں ایک بار
کیا پیدلوں کا ذکر، فراری ہوئے سوار
ریتی پہ شہ کو یوں نظر آئے وہ گل عذار
بند آنکھیں، منہ کھلے ہوئے، ہونٹوں پہ جانِ زار

دنیا سے وقتِ کوچ بھی دونوں کا ساتھ ہے
گردن میں ایک بھائی کے بھائی کا ہاتھ ہے

بچوں کو جاں کنی میں جو پایا حسینؑ نے
بوسے لیے، گلے سے لگایا حسینؑ نے
آنکھوں سے خوں جگر کا بہایا حسینؑ نے
ہاتھوں سے نیچوں کو چھڑایا حسینؑ نے

آغوش میں بڑے کو شہنشاہ لے چلے
چھوٹے کی لاش قاسمِ ذی جاہ لے چلے

پہنچے قریب خیمہ جو شاہِ فلک سریر
تھا غیر حال مر گئے رستے میں وہ صغیر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا با حالتِ تغیر
فضہ پکاری، اے حرمِ شاہِ قلعہ گیر

دوڑو، حسینؑ خیمے میں لاشوں کو لاتے ہیں
دولھا بنے ہوئے مرے شہزادے آتے ہیں

دوڑے اِدھر سے چھاتیوں کو پیٹتے حرم
ڈیوڑھی سے پہلے آیا لچکتا ہوا علم
رایت کے نیچے بچوں کی تھیں میتیں بہم
آ پہنچے لڑکھڑاتے ہوئے سرورِ اُمم

لاشوں کے آگے اکبرِ یوسف جمال تھے
کپڑے ہر اک کے خون سے بچوں کے لال تھے

ماتم کی صف سے اُٹھ گئیں زینب یہ کہہ کے بات
لوگو، کہو یہ کون سے دولہا کی ہے برات
لاشوں کو رکھ کے غش ہوئے سلطان کائنات
دوڑیں لٹا کے بچے کو بانوئے خوش صفات
لڑکے بھی چھاتیوں کو بہم پیٹنے لگے
لاشوں کے گرد آ کے حرم پیٹنے لگے

بیٹھی تھیں ایک گوشے میں زینب جو ننگے سر
واں جا کے بولیں بانوئے ناشاد و نوحہ گر
پُرسے کو لوگ جمع ہیں چلیے ذرا اُدھر
فرمایا، میں نہ جاؤں گی بچوں کی لاش پر
آنچ آ تما کی دل کو جلائے تو کیا کروں
گر فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

بس سن چکی کہ نام کیا، خوب لڑ چکے
لاشوں پہ لاشیں لوٹ چکیں، کھیت پڑ چکے
کنبہ تمام ہو چکا، دو گھر اُجڑ چکے
گودی میں جو پلے تھے، وہ بچے بچھڑ چکے
اب اُن کا غم، نہ فکر مرے گھر کی چاہیے
بی بی! سلامتی علی اکبر کی چاہیے

بھائی کے آگے لاشوں پہ جا کر کروں میں بین؟
بے صبر ہے، یہ دل میں کہیں گے مجھے حسینؑ
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نُورِ عین
کیوں کر چلوں، کھڑے ہیں شہنشاہِ مشرقین
روؤں گی میں تو پھر علی اکبر بھی روئیں گے
صدمہ یہ مجھ کو ہے کہ برادر بھی روئیں گے

بھائی کا حق ادا ہوا، احسانِ کردگار
رونا ہے واں بھی، میں یہیں رولوں گی زار زار
لاشوں کو دیکھ کر مرا دل ہو گا بے قرار
کی عرض، آپ صاحبِ ماتم ہیں، میں نثار
چلیے نہ ضبط کیجیے فریاد و آہ کو
لاشوں پہ بھانجوں کی غش آیا ہے شاہ کو

لاشوں پہ لائیں بیبیاں زینب کو تھام کر
ماتم کی صف پہ گر پڑی وہ سوختہ جگر
بولیں بڑھا کے دستِ مبارک اِدھر اُدھر
بچے کدھر ہیں، مجھ کو کچھ آتا نہیں نظر
کیسی دھڑادھڑی ہے، یہ کیوں بین ہوتے ہیں
لوگو! نہ غل مچاؤ، مرے لال سوتے ہیں

ماں صدقے جائے لو مرے زانو پہ سر رکھو
اس بے کسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو
دیکھو نہ آنچ آئے شہِ خوش خصال پر
فوجوں کی پھر چڑھائی ہے زہراؑ کے لال پر

کیسی یہ نیند آج ہے پیارو، اُٹھو اُٹھو!
ماموں کے ساتھ رن میں سدھارو، اُٹھو اُٹھو!
کپڑے لہو بھرے یہ اُتارو، اُٹھو اُٹھو!
گیسو الجھ گئے ہیں، سنوارو، اُٹھو اُٹھو!
ان پیاری پیاری آنکھوں پہ اماں نثار ہو
انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

سینوں سے تو زمیں پہ رکھو ہاتھ اتار کے
باندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے
اماں نثار گیسوؤں کے تار تار کے
چونکو، اٹھو، کلام کرو ماں سے پیار کے
نخلِ مراد میں نہ ثمر ہے، نہ برگ ہے
اب سمجھی میں، یہ نیند نہیں، خوابِ مرگ ہے

لاکھوں سے معرکے میں وغا کر کے آئے ہو
بچپن کی غفلتیں یہ نہیں، مر کے آئے ہو
دولہا بنے ہو، خون میں سب بھر کے آئے ہو
صدقے گئی، رلانے کو مادر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اسی منزل میں رہ گئے
ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

کیونکر ملے گا ماں کو تمھارا سراغ، ہائے
لوٹا اجل نے حیدر و جعفر کا باغ، ہائے
یوں بجھ گئے ہماری لحد کے چراغ، ہائے
میرا بڑھاپا اور یہ بچوں کے داغ، ہائے
ہے ہے یہ گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
اماں کی قبر بننے نہ پائی کہ مر گئے

کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اٹے ہوئے
الجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے
سینے فگار، چاند سے بازو کٹے ہوئے
ہے ہے، کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوئے
نہ کچھ تزک، نہ غسل شہیدوں کو چاہیے
مرنا یونہی جہاں میں سعیدوں کو چاہیے

تابوت اٹھاتی دھوم سے، مرتے وطن میں گر
ہوتا پدر بھی ساتھ جنازے کے نوحہ گر
قبریں بناتی ماں کی لحد کے اِدھر اُدھر
کیا حشر ہو گا، پہنچے گی یثرب میں جب خبر
اُم البنین پیٹتی روضے پہ جائیں گی
صغرا کے پاس بی بیاں پرسے کو آئیں گی

بچو، تمھیں بتاؤ! میں غربت میں کیا کروں
گھر ہے نہ یہ وطن ہے، مصیبت میں کیا کروں
بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں؟
فاقوں میں، تشنگی میں، صعوبت میں کیا کروں
راحت نہ روح کو، نہ کسی دل کو صبر ہے
پانی نہ غسل کو، نہ کفن ہے، نہ قبر ہے

مجبور تم ہو، ماں بھی ہے ناچار، میں نثار
تنہائی میں خدا ہے مددگار، میں نثار
رستہ بُرا ہے، باندھ لو ہتھیار، میں نثار
چھوٹے مرے پسر سے خبردار، میں نثار
اللہ، اِس سفر کی بلاؤں کو رد کرے
کھٹکا جہاں ہو، بھائی کی بھائی مدد کرے

سنتی ہوں اس سفر میں خطر بے شمار ہیں
جانیں وہی اسے جو میانِ مزار ہیں
پرسش ہے، روک ٹوک ہے، جنگل ہے، خار ہیں
وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گزار ہیں
منزل کا شب کی، ماں کو پتہ دے کے جائیو
قربان جاؤں، ساتھ مجھے لے کے جائیو

دن ڈھل گیا، قریب ہے شام، اے مسافرو!
کس بن میں شب کو ہو گا قیام، اے مسافرو!
کچھ تو کرو زباں سے کلام، اے مسافرو!
بھیجو گے کب پیام و سلام؟ اے مسافرو!
پیٹوں گی جنگلوں میں، جو تم کو نہ پاؤں گی
میں شب کو ڈھونڈتی ہوئی جنگل میں آؤں گی

کہتا تھا باپ، شب کو نہ بچے نکلنے پائیں
بھولے ہیں، راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں
دربار میں بھی ہوں، تو سویرے سے گھر میں آئیں
ہے ہے یہ دشتِ ظلم، جو کرتا ہے سائیں سائیں
پہنچوں گی کس طرح میں جو ڈر ڈر کے روؤ گے
واری، اندھیری رات میں کس طرح سوؤ گے

شب کو خوشامدیں مری کرتے تھے بار بار
تا دودھ ہم کو بخش دے مادر جگر فگار
ان بھولی بھولی باتوں کے ماں ہو گئی نثار
باتیں وہ رات کی مجھے بھولیں گی، نہ وہ پیار
اب واری! سرخ رُو ہوئے تم رب کے سامنے
لو دودھ میں نے بخش دیا سب کے سامنے

یہ بین کر کے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر
غش آیا، سانس الٹ گئی، ٹکڑے ہوا جگر
اک حشر تھا، کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
بانو پکاری، سوئے علم دار دیکھ کر
بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں سے گزر نہ جائے
لاشے اٹھاؤ، شاہ کی ہمشیر مر نہ جائے

بس اے انیس! طول سے بہتر ہے اختصار
ہاں، ختم کر کے مرثیۂ شاہِ نام دار!
خالق سے، ہاتھ اٹھا کے، دعا کر بہ انکسار
قائم رہے جہاں میں یہ شاہِ فلک وقار

ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو
حامی جناب فاطمہ زہراؑ کا ماہ ہو

-☆-
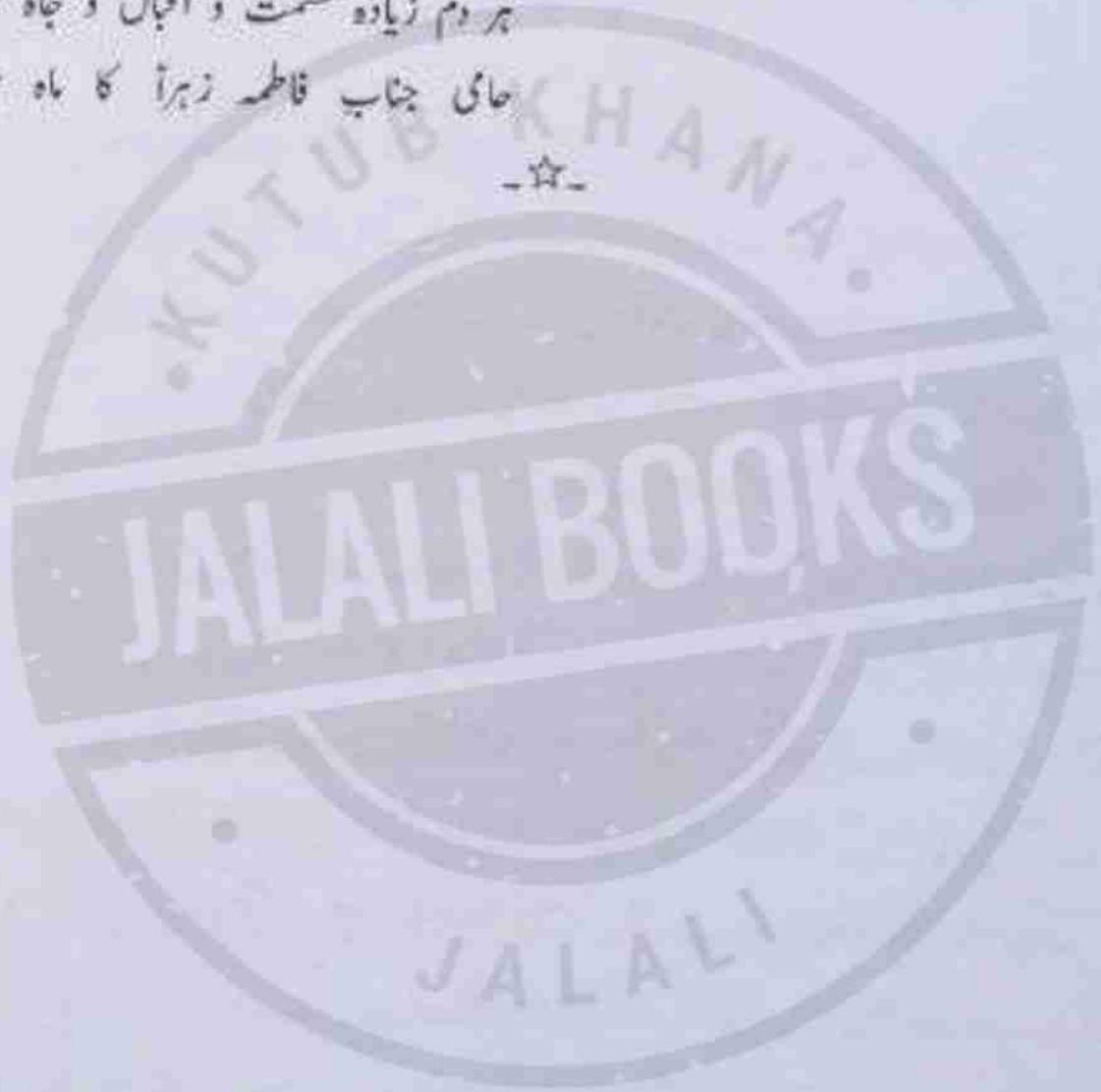
# پُھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی اور سکینہ نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ جدید اردو طبقے میں پرانی شاعری کی جو چیز سب سے زیادہ مقبول ہے وہ انیس کے مرثیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سادگی، اصلیت اور جوش جو حالی کے بقول ایک اچھے شعر کی صفات ہیں، ان کے کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ جوش کا عنصر جتنا انیس کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں ملتا۔

مرثیہ کے متعلق یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ یہ اخلاقی شاعری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کی بدولت ہی مولانا الطاف حسین حالی کے بقول اعلیٰ جذبات انسانی مثلاً دلیری، جرأت، ایثار، محبت، وفاداری، صبر و تحمل، شکر اور برداشت وغیرہ کو شاعری کا موضوع بنایا گیا۔ یہ احسان ادب پر تمام مرثیہ گو شاعروں کا ہے لیکن انیس کی عام شہرت اور اثر ان سب سے بڑھ کر ہے۔

''کلیاتِ انیس'' کا چھٹا مرثیہ انیس کے کلام کی اثر آفرینی اور ہر خاص و عام کو متاثر کرنے کی صلاحیت کا آئینہ دار ہے۔ اس مرثیے کا موضوع جنگِ ارزق اور حضرت قاسم کی شہادت ہے۔ میر انیس کا فن پہلے بند سے آخری بند تک اپنے پورے جوبن پر ہے۔ مطلع ہی اس قدر شگفتہ ہے کہ میر صاحب کے شعور کی تازگی کا پتا دیتا ہے۔ ان کے شعور کا یہ تازہ پن معجزاتی انداز میں صبح کا منظر بن کر کاغذ پر طلوع ہوتا ہے۔ چہرے کے سات بند ہے اور بلاشبہ ہر بند لاجواب ہے۔ اولاً مطلع ملاحظہ ہو:

پُھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح

تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

o——o

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہتا، نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

انیس کے اس مرثیے میں چہرے کے بعد تمہید لکھی ہے۔ ہوتے ہوتے بات دشمن کی تیاری، فوج کی صف بندی اور اہل بیت کے خیموں کے اندرونی حالات و کیفیات تک پہنچی ہے۔ بہن بھائی کی باتیں، باپ بیٹی کا مکالمہ اور آمد لکھی گئی ہے۔ پھر حسینی لشکر کا حال قلمبند ہوا ہے:

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گل عذار
جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
آگے بڑھے علم لیے عباسِ نام دار
پھولا ہوا چمن تھا امام امم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، اس مرثیے کا موضوع حضرت قاسم کی جنگ اور شہادت ہے۔ اوپر جو بند بطور نمونہ درج کیا گیا، اس میں انیس کے صرف چار الفاظ برت کر جناب قاسم کی طرف اشارہ کیا ہے: ''ہاشمی جوانوں کا غنچہ''۔ کیا خوب اشارہ ہے کہ ایک ہستی کو اس طرح جامع الصفات کہا جائے۔ بلا شبہ یہ انیس ہی کا کام ہے۔

حضرت حسینؑ کے بھائی حضرت حسنؑ کے فرزند جناب قاسم بن حسنؑ اپنی والدہ کے واحد

سہارے ہیں۔ ابھی ان کے سہرے کی لڑیاں بھی میلی نہیں ہوئیں اور بقول انیس تو رات کو ان کی شادی ہوئی ہے اور صبح کو میدان جنگ میں شہادت پانے کے لیے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف جناب زینب اپنے بچوں کو امام عالی مقام حضرت حسینؓ پر نثار کر چکی ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے ریاض الرسولؐ کے پھول اہل شہر کے ہاتھوں پامال ہوئے جاتے ہیں۔ بہت سے انصار و عزیز شہادت پا چکے ہیں۔ اس مرحلے پر انتہائی مہارت، چابکدستی، فنی خوبی اور کمال حسنِ بیان سے گریز کی راہ نکال کر انیس جناب زینب کے کم سن فرزندوں کی شہادت اور لاشوں کو خیمے سے باہر لے جانے کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اسی مرحلے پر قاسم بن حسنؑ کی والدہ آپ کو شہادت پانے کے لیے میدان میں جانے کی اجازت دینے کے حوالے سے ایک خود کلامی کرتی ہیں۔ انیس کا کمالِ فن ملاحظہ ہو:

باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب
غیرت کا جوش آ گیا قاسم کی ماں کو تب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

ایک مرحلے پر جناب قاسم بن حسنؑ کا جذبۂ شہادت بیان کیا ہے اور انیس نے ان چار مصرعوں میں جو زور پیدا کیا ہے، وہ صرف انھی سے مخصوص ہے۔ ان جیسا، باکمال فنکار اور بلند پایہ تخلیق کار ہی ایسے مصرعے کہہ سکتا ہے، قاسم کہتے ہیں:

رَن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے، کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم
اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ امم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم

اس کے بعد جناب قاسم اپنی نئی نویلی دلھن سے رخصت ہونے آتے ہیں۔ اس موقع کی بات چیت نظم کرتے ہوئے انیس نے کیا غضب کا شعر کہا ہے، بلاشبہ یہ ایک شعر اوروں کے

پورے پورے مرثیوں سے زیادہ نازک خیالی اور حسن بیان لیے ہوئے ہے:

آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے وفور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملتا ہے کیا ضرور

یہ بجا ہے کہ ارزق کی لڑائی بھی غضب کی تھی اور کم سن لڑکوں نے جس شجاعت، بہادری، جنگی جذبے اور دلاوری کا مظاہرہ کیا، وہ بھی قیامت سے کم نہ تھا جو دشمنوں پر ٹوٹی پڑتی تھی لیکن اس کے باوجود انیس نے اس مرثیے میں کوٹ کوٹ کر تیور، آہنگ، رزم کی شان وشوکت اور سپاہیانہ فن کاری بھر دی ہے۔ یہ مرثیہ یقیناً رزمیہ شاعری کا ناقابل فراموش شہ پارہ ہے۔ چند مقامات ملاحظہ ہوں:

لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

o——o

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

o——o

گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اس کے سپر سے ڈھال

o——o

اوجھڑ لگی کہ ہوش اڑے خودپسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

حضرت قاسم بن حسنؑ دشمنوں سے برسرِ پیکار ہیں، ان کا جوش وخروش اور ولولہ کسی پرشور پہاڑی چشمے کی طرح دشمن کی صفوں کی طرف پھوٹ بہا ہے، جذبۂ شہادت کی سرشاری میں وہ بے خود ہوئے جاتے ہیں، ایسے میں حضرت عباس فرماتے ہیں اور انیس رقم کرتے ہیں:

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
بیٹا! سپر تو ہاتھ میں لے لو، چچا نثار

صدقے ترے حواس کے، اے میرے شہسوار
ہاں دونوں پاؤں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو، تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بدمزاج ہو، پٹری جمی رہے

مجموعی تاثر کے اعتبار سے یہ شاہکار مرثیہ میر انیس کی رزم نگاری میں شاعرانہ نازک خیالیوں کے ایسے رنگ دکھاتا ہے جو ان سے پہلے یا بعد میں کبھی نہیں دیکھے گئے۔ قارئین! آیئے، یہ عظیم رزمیہ پڑھیں اور خود کو انیس کے ساتھ میدانِ کربلا میں لے چلیں، جہاں حق و باطل کے معرکے کا ایسا باب رقم ہونے جا رہا ہے جس کا ہر لفظ منظر اور ہر مصرعہ تصویر ہے۔ اور اس سے پہلے یہ بھی دیکھ لیں کہ مشرق کے اس عظیم مرثیہ گو نے اپنا یہ شاہکار کیسے تخلیق کیا اور اس کے بقول سخن کے پیاسوں کے لیے یہ کیا حیثیت رکھتا ہے:

لکھے انیس میں نے بہ سرعت یہ چند بند
لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند
اُس کے کرم سے ہو گا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو! پیو، سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پُھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت، نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نُورِ صبح، اور وہ صحرا، وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کُوکُو وہ قمریوں کی، وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی، وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
کوسوں تھا سبزہ زار میں صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو اُمت رسولؐ کی
سبزہ ہرا تھا، خشک تھی کھیتی بتولؑ کی

وہ پھولنا شفق کا، وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ، وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
ہر سُو جما رہا تھا صفیں شمر رُو سیاہ
گیتی کو تہلکہ تھا، یہ تھی کثرتِ سپاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گزرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفانِ آب تیغ اٹھا تھا فرات پر

اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
لچکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گزر
انیاں وہ، توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لیے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیر کے لیے

ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے
چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دوعالم کی جان کے
دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہراؑ کے لال کا

جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
حلقے میں اہلِ بیت کے روتے تھے یاں امام
لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہ کے ہاتھ تھے

زینب بلک رہی تھی، پریشاں تھے سر کے بال
نعلین کا نہ ہوش، نہ چادر کا تھا خیال
سینہ کبود، چاک گریباں، شکستہ حال
کہتی تھی، مجھ پر رحم کرا اے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون، ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نے ماں کا آسرا ہے مجھے اب، نہ باپ کا

زینب کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار
فرمایا: اے بہن! تری الفت کے میں نثار
یاد آ گیا حسینؑ کو اُس وقت ماں کا پیار
لیکن میں کیا کروں، نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ، اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بھینا! حسینؑ مخبرِ صادقؐ کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے، کریں گے ہم
کھائیں گے تیرِ ظلم، لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
اُمت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اُٹھاؤ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
ہو گی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

یہ سُن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
لپٹا لیا گلے سے بہن کو بہ چشمِ تر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
زینب! خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصانِ حق کا خَلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو، کہ صبر خدا کو پسند ہے

فرما کے یہ سکینہ کے منہ پر نگاہ کی
گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رُخسار شاہ کی
سمجھی میں، آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

معلوم ہو گیا، نہ اب آیئے گا آپ
چھاتی پہ سونے والی کو ترپایئے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پایئے گا آپ
میں اپنی جان دوں گی اگر جایئے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے

منہ چوم کے یہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
صدقے عقیق لب پہ ترے فاطمہؑ کا لال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمھارا حال
کیونکر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
ان برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سولہ پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

تدبیر اک نکالی ہے، آنسو نہ اب بہاؤ
ہم پانی لینے جاتے ہیں، تم ماں کے پاس جاؤ
سُوکھی زباں دکھا کے نہ شبیر کو رلاؤ
بی بی! دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اُٹھاؤ
حق سے کہو بتولؑ کے جانی پہ رحم کر!
یارب! ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر!

ناچار شہ کی گودی سے اُتری وہ رشکِ حور
روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور
پڑھنے لگی درود رفیقانِ ذی شعور
چُوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی، مصاحبِ سردارِ انس و جن
کوئی جواں، کوئی متوسط، کوئی مُسن
فاقوں میں باحواس، لڑائی میں مطمئن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسینؑ پہ رن میں تو عید ہو

وہ گورے گورے جسم، قبائیں وہ تنگ تنگ
جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئنہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار
تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
جاں باز، سرفروش، بہادر، وفا شعار
ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

خُلق و مروتِ حسنی اُن پہ ختم تھی
حسن اُن پہ ختم، گل بدنی اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم، تیغ زنی اُن پہ ختم تھی
ہر معرکے میں صف شکنی اُن پہ ختم تھی
غازی تھے، صف شکن تھے، جری تھے، دلیر تھے
جس میں علیؑ رہے اُسی بیشے کے شیر تھے

اُن سب گلوں میں اک علی اکبر سا گل بدن
تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوئے پُر شکن
حیراں تھے سب کہ مل گئے کیونکر حلب ختن
سرخی تھی لب پہ، گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بہ دم
عرصہ ہے کیا، سوار ہوں اب قبلۂ اُمم؟
آمادۂ دغا ہے اُدھر لشکرِ ستم
دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں، تو سہی
دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں، تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب!
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب
جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شیروں کے داغ کی
پیارے! میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربانِ احتشامِ علم دارِ حق پژوہ
لرزاں تھا جس جری کے تہور سے دشت و کوہ
سردار صفدروں کا، دلیروں کا سرگروہ
حمزہ کا دبدبہ، اسداللہ کی شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے

اک سُو چراغِ محفلِ شبر تھا جلوہ گر
روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شملہ پُھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

تھے پہلوے حسینؑ میں زینب کے دونوں لال
گویا قرینِ بدر تھے دو نجمِ بے مثال
کاندھوں پہ نیچے نظر آتے تھے دو ہلال
ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
نو دس کا سن تھا ان کا مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے

دونوں یتیم حضرتِ مسلم تھے کیا عقیل
حاضر تھے باادب عقبِ سرورِ جلیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل
ہم کوفیوں کو ماریں گے، عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

مہماں سے یہ سلوک! مسافر سے یہ دغا!
یہ ظلم اک غریب پہ، بے کس پہ یہ جفا!
لے جا کے بام پر سرِ انور کیا جدا
خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا!
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں

اس فوج میں یقیں ہے کہ ہووے وہ رُوسیاہ
مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
منت پہ اُن غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ
سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگدل نے، آہ!
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغ دو دم کریں
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گل عذار
جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
آگے بڑھے علم لیے عباسِ نام دار
پُھولا ہوا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

اللہ رے فیضِ جلوۂ ابنِ شہِ نجف
رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی بجائے صف
بس یک بیک بجا دہلِ جنگ اُس طرف

گیتی لرز گئی، دلِ اوتاد ہل گئے
تیرِ ستم کمانوں کے چلّوں سے چل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام
چلّے میں رکھ کے تیر، یہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام

ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسینؑ کا

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر
لاشوں پہ اُن کے روئے امامِ فلک سریر

افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر
تھے پھر تو سب عزیز، نہ تھا اُن میں کوئی غیر
کرتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر
کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر

ماتم ہوا حرم میں امامِ [illegible] کے
خوں سے رنگ [illegible] ہیں کے

راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر
نکلے وغا کو زینب ذی جاہ کے پسر
مانندِ شیرِ حق کیے حملے ادھر اُدھر
کٹ کٹ کے تیغوں سے گرے سرکشوں کے سر
اُلٹی صفیں، جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

ناگاہ گھر میں آن کے فضہ نے دی خبر
لو کام آئے زینب ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباسِ نام ور
روتے ہیں بھانجوں کے لیے شاہِ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیرؑ لائیں گے
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے پہ آئیں گے

دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل بہ اشک و آہ
آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
مُردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ
سر پیٹے اہلِ بیتِ رسولؐ فلک پناہ
زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب
غیرت کا جوش آ گیا قاسم کی ماں کو تب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال
قاسم کو اپنے پاس بلایا بہ صد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبیٰ کے لال
کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال؟
جاری ہیں اشکِ خوں مری چشمِ پُر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہراؑ کا ہائے ہائے
دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے
کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ دیکھنے کو کیا تمھیں پالا تھا شاہ نے؟

سب مر چکے امامِ دو عالم کے اقربا
باقی ہے کون اکبر و عباس کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
سر اُن کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسن بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد؟
جلدی دُلہن سے مل کے سدھارو پئے جہاد
قربان ہو چچا پہ، یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمھیں، بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گل عذار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقتِ کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے، کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں! مزارِ کشتۂ ستم کی ہمیں قسم
زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباس ہوں کہ اکبرِ عالی وقار ہوں

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دُلھن کے پاس
آنکھوں میں اشک، درد کلیجے میں، دل اداس
فرمایا، ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیزِ شہنشاہِ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی، ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا

کس سے کہیں جو حالِ دلِ دردناک ہے
تلوار چل رہی ہے، جگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے، دُنیا پہ خاک ہے
اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
آئی تباہی آلِ نبیؐ کے جہاز پر
نرغا ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
آفت میں آج ہے پسرِ ضیغمِ صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا اُن کی ہووے رد

راضی رضائے حق پہ بہ صد آرزو رہو
حیدرؑ سے ہم، بتولؑ سے تم سرخ رو رہو

واللہ قتل ہوں گے جو عباسِ نامور
صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیر کی کمر
اکبر خدانخواستہ مارے گئے اگر
مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر

وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا پلے ہیں لاش اُٹھانے کے واسطے؟

سوچو تمھیں، گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
فریادِ فاطمہؑ کی صدائیں سنا کریں؟
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
کھولو جو لعلِ لب تو گہر ہم فدا کریں

صاحب! ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو، مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رُخ کا نور
پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتیلیاں، رقت کا ہے وفور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور

جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب! بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حباب
ایسی روا روی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پُر خطر، کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے یہ، جلدی روانہ ہو

اک دم کی بھی ہمیں تو جدائی ہے تم سے شاق
کیا کیجیے، نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یوں ہی رہو گی تنِ پاش پاش پر؟
کیا بین بھی کرو گی نہ دولھا کی لاش پر؟

جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا
دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
منہ پر دلہن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا
جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولھا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم
پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسن سے تم
سوؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دلہن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیے
اے شمعِ بزمِ مہر و وفا! یوں ہی چاہیے

فرماؤ کیا کریں جو نہ روئیں بہ درد و یاس
نے باپ کی، نہ بھائیوں کی، نے چچا کی آس
مہماں ہیں کوئی دم کے جہاں میں وہ حق شناس
سونپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو، نصیب ہمارے اُلٹ گئے

میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
راضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا، جنگل کو اب بساؤ
نبھ جائے گا، ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تنِ پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسم بہ حالِ زار
"ھل من مبارز" کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گل عذار!
موقع نہیں ہے دیر کا، اٹھو، یہ ماں نثار
کیا جانے ہو گا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع، اُٹھا دلبرِ حسن
برہم ہوئی وہ بزم، وہ صحبت، وہ انجمن
غل ہو گیا کہ لٹتی ہے اک رات کی دلہن
اُس وقت سب سے دولہا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بی بیو! زنِ بیوہ کے لال کی

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ
لو میں نے دودھ بخش دیا، سب رہیں گواہ
دُنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
دو رانڈیں ایک جا ہوں، یہ تھی مرضی الٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دلہن کی عزیز ہوں
کل تک تھی ساس، آج سے اس کی کنیز ہوں

o—o



## مطلع دوم

جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بہ صد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کر وہ خوش خصال
دیجے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبرؐ! نہ روکیو
شبّر نے دی صدا کہ برادر! نہ روکیو

لپٹا کے اُس کو چھاتی سے بولے شہِ اُمم
پیارے! تمھارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار
تسلیم کر کے قاسمِ گل رُو ہوا سوار
دولھا کے نورِ رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا اِدھر اُدھر
بولے عدو، یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر؟
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ رے چمک رخِ پُر آب و تاب کی
سہرا بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

کیوں وصفِ لعلِ لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے مدح خواں کو قندِ مکرر ثنائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لبِ شیریں فدائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چبائے لب
ترکِ ادب ہے اُس کی ثنا اس طریق سے
دُھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق سے

دنداں محیطِ نور کے ہیں گوہرِ خوش آب
براق اِس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
ان سے مقابلے کی نہیں اختروں کو تاب
بتیس موتیوں کی یہ سمرن ہے انتخاب
حیراں ہے چشمِ حور ظہور اُن کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور اُن کا دیکھ کو

ناگہ رجز یہ پڑھنے لگے قاسمِ جری
عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں، ہم میں ہے زورِ غضنفری
ہم سے ہے اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضرب شہِ خاص و عام کا
سکہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

جد ہے مرا امیرِ عرب، شحنۂ نجف
ضرغامِ دیں، معینِ رسولانِ ماسلف
دادی جنابِ فاطمہ زہراؑ سی ذی شرف
عمو حسینؑ، صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنِؑ خوش خصال ہوں
ہیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں اے شہِ مصر و روم و شام
گلزارِ فاطمہؑ کا ہے جو سروِ سبز فام
واللہ اُس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام
تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جاں اُس کی ہوں میں جس کو نہ جا گیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفیٰؐ کے نہ جس کو لحد ملی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
تیر و سناں و نیزہ و خنجر بہم چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دودم چلے
اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم ملے
پیدل تو اُس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اُٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی، نور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا
چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُتر گئے

تھا ابنِ سعدِ شُوم کو اُس دم بہت ہراس
غرقِ سلاحِ ارزقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس
تُو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رکتا ہے برچھیوں سے، نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ اس کو اُٹھا لے سمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ با صد غرور و لاف
تُو آپ بے حواس ہے، تقصیر ہو معاف
یہ امر، اے امیر، شجاعت کے ہے خلاف
ہاں تب لڑوں، علیؑ اگر آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں؟

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے
رستم کا زور آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے
ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خرد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں، سُور ہیں، صفدر ہیں، شیر ہیں

لکھا ہے چار تھے پسر ارزقِ پلید
دشمن تو آلِ پاک کے، شیطان کے مرید
بولا یہ اُن کو دیکھ کے وہ پیرو یزید
ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
رُلواؤ قبر میں حسنؑ دل ملول کو
بیوہ بنا دو دخترِ سبطِ رسولؐ کو

یہ چاند مجتبیٰ کا ہے، خوں میں اسے ڈباؤ
تلواریں مارو، ذبح کرو، برچھیاں لگاؤ
انعام دوں، یہ جنگ اگر فتح کر کے آؤ
سہرے سمیت کاٹ کے دولہا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے، جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجو تمھیں میرِ شام کو

نکلا یہ بات سنتے ہی اُن میں سے ایک یل
پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل
ہاں اے حسنؑ کے لال! خبردار ہو، سنبھل!
کام آئے کچھ تو نام شہِ ذوالفقار لے
پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار
امداد وقتِ جنگ ہے شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں سپرِ حفظِ کردگار
او خیرہ سر! اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب، طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے

یہ سنتے ہی کماں کو اُٹھا کر بڑھا شریر
چلے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دست حسن کا مہِ منیر
بجلی سی آئی کوند کے شمشیرِ بے نظیر
یوں قطع اُنگلیاں ہوئیں اُس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دستِ نابکار
بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیرِ آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ او خطا شعار
ٹکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
چلہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی روح چھپ گئی تودے میں خاک کے

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر بے اماں
قربان تیرے ہاتھ کے، چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں
نکلا وہ تیر توڑ کے سینے کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا کو صواب نے
غل تھا، قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں
نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
نیزے کو تولتا ہوا معزور و خشم گیں
ابرو پہ بل، نگاہ میں قہر و جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اِس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
بجلی سا کوندنے لگا دولہا کا بھی سمند
نیزہ اڑا کے نیزے سے، کی یہ صدا بلند
کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند؟

یہ سن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ گو لیا
پتلی کو بے حیا کی سناں میں پرو لیا

بے کار ہو کے کور ہوا جب وہ خیرہ سر
پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے کہ "فی النار والسقر"
جا تُو بھی، ہے برادرِ عینی ترا جدھر

جز موت کچھ شقی کو نہ اس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

چھوٹا برادرِ سوم اس کا بہ کر و فر
تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر، کہ الحذر
یاں بہرِ حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
تیغِ دو دم کو شیر نے تولا بچا کے سر

یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغِ تیز اُڑا دے خیار کو

مرتے ہی اس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا
قاسم پکارے، او یلِ خود سر! کدھر بڑھا؟
سنتے ہی یہ، وہ تیغِ دودم کھینچ کر بڑھا
جھنجلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا

لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا، نہ بازو، نہ شانہ تھا

بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اُس کے چار
ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغ دار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار
مثلِ تنور منہ سے نکلنے لگا بخار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ناتک کی کماں
ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
چار آئنہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں
دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال میں
جکڑا ہے پیلِ مست کو لوہے کے جال میں

آمد شقی کو دیکھ کے گھبرا گئے امام
عباسِ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی جنگ ہو چکی، قصہ ہوا تمام
آیا سوئے یتیمِ حسنؑ موت کا پیام
ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دُعا سروں سے عمامے اُتار کے

یہ کہہ کے قبلہ رُو ہوئے سلطانِ کائنات
درگاہِ کبریا میں دُعا کی اُٹھا کے ہات
اے خالقِ زمیں و زماں، ربِ پاک ذات!
ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظ جہاں ہے، کریم و رحیم ہے
یا رب! بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

فضّہ پکاری خیمے میں آ کر بہ چشمِ تر
لوگو! تمھیں یتیمِ حسنؑ کی بھی ہے خبر؟
آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعونِ خیرہ سر
کھولو سروں کو اے حرمِ شاہِ بحر و بر!
عباس روتے ہیں، علی اکبر اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبیؐ بے حواس ہیں

نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہے ہے حسن کے لال
زینب نے اُٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
سینے میں ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
چلائی ماں، گزر گیا کیا میرا نونہال؟
عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

چلائی رو کے زوجۂ عباسِ نوجواں
یا رب! ہے تُو یتیمِ حسنؑ کا نگاہباں
سُن کر یہ غُل دُلہن کے بھی آنسو ہوئے رواں
لے کر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم، نہ آہ و بُکا کرو
دولہا پہ آ بنی ہے، میں صدقے دُعا کرو

اِس اضطراب میں جو سنا ساس کا سخن
زانو سے سر اُٹھا کے ہوئی قبلہ رُو دولہن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِ ذوالمنن
دشمن پہ فتح یاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

یارب! دُلہن بنے مجھے گزری ہے ایک شب
دولہا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب
پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح پر تعب
شبر کے آفتاب کا وقت غروب ہے
دولہا سے پہلے مجھ کو اٹھا لے تو خوب ہے

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں، آہ!
جو آ گیا پیام رنڈاپے کا یا الہٰ!
یہ عقد تھا کہ موت تھی، ماتم تھا یہ کہ بیاہ
بعد اُن کے ہو گا خلق میں کیونکر مرا نباہ
اٹھوں جہاں سے دلبر شبر کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

فوجیں ادھر دُعا کی چلیں سوئے آسماں
بل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں
جوشن کو توڑتا ہے مرا تیر بے اماں
ہے اُس کی فتح، ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سُرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربلند
نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیرا اور تیری ضرب، او ذلیل!
تعریف اپنی خود، یہ سفاہت کی ہے دلیل
جوہر خود اُس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبرئیل

جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گُرز میلِ راہِ سفر ہے ترے لیے
دستِ اجل ترا یہ تبر ہے ترے لیے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لیے
کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لیے

ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی یہ تیغِ دو دم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقتِ دار و گیر
دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں اور شریر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر
دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر

او تیرہ رُو، بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آ ہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

گو اسلحہ ہے زیورِ مردانِ سر گزار
سب حربے چل سکیں گے بھلا وقتِ گیر و دار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچی تیغ آبدار
لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار

چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تُو نہیں ہے، کلب ہے برقع میں شیر کے

بیٹوں کے غم نے کر دیے مختل ترے حواس
گھبرا نہ، بھیجتے ہیں تجھے بھی اُنھی کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
آنکھیں ملا کے دیکھ، بھلا ہے کہیں ہراس؟
گم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا جھلم سے کہ منہ کو چھپائے ہے

آگے ہمارے دعویٰ جرأت، خدا کی شاں!
گدی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں تُو جواں
لے میاں سے کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں
ہیں شیر شیرخوار جناب امیر کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہِ ذوالفقار
مرحب سے پہلواں نہ بچا وقتِ کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش اور زبوں شعار!
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغ آبدار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

قائل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے
تر کر دیا اسے عرقِ انفعال نے
برچھا اُٹھایا ہاتھ میں اُس بدخصال نے
چھیڑا فرس کو قاسمِ یوسف جمال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عباسِ نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور
رہیے چچا کے پاس، یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا، صدقے میں تری ہمت کے اے غیور
دشمن کو پاس آنے نہ دو، ہم کھڑے ہیں دور
ہشیار جانِ عم! کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں، یہ تمھارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
بیٹا! سپر تو ہاتھ میں لے لو، چچا نثار
صدقے ترے حواس کے، اے میرے شہسوار!
ہاں دونوں پاؤں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو، تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بدمزاج ہو، پٹری جمع رہے

فارس ہے تم سا کون، تہِ چرخِ چنبری
دکھلا رہے ہو صاحبِ دُلدل کی بھگدری
صدقے میں اے نہنگِ محیطِ دلاوری
دکھلا دے ضربِ تیغِ جہانگیرِ حیدری
ابرو پہ بل ہو، آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہے، چوٹیں کڑی رہیں

بیٹا! تمھیں خدا نے دیا ہے علیؑ کا زور
گو پیل ہے، یہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میانِ گور
دیکھو گے، دیکھنے کا فقط ہے یہ زور و شور
چِلّے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت، وہ برستے نہیں کبھی

سن کر صدائے شیر پکارا وہ بد ذات
کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں، عازمِ وغا؟
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباس نے کہا
بس ہے تجھے یہ طفل، مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں، یہ ہمارا چلن نہیں

نیزہ ہلا کے جانبِ قاسم بڑھا وہ یل
دولہا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل!
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بل
تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
کیجو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکاں
چمکی انی تو تیغ پکاری کہ "الاماں"
اک بند باندھ کے جو فرس سے کہا کہ ہاں
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

قاسم نے زور سے جو انی پر رکھی انی
بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کی آ بنی
تھی اک سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اس تکان سے
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

جھنجلا کے چوبِ نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو اُنگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب
قبضے میں لی کمانِ کیانی بہ صد غضب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلہ اُتر گیا

بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسنؑ
رخ پھیریو نہ او ستم ایجاد و پیل تن
چلائیے بڑھ کے حضرتِ عباسِ صف شکن
کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو

کند و گداز تیرِ نظر پر بھی کی نظر
ظالم عقابِ تیر کے بھی اُڑ گئے ہیں پر
شیروں نے کاٹ ڈالے ہیں روئیں تنوں کے سر
ہاں اب بتا صواب کدھر ہے، خطا کدھر؟
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو
چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر
چلایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
ہاں اے حسن کے لعل بدخشاں! بدہ، بگیر
نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغِ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیر جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے

مانندِ شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
آنکھیں اُبل پڑیں صفت آہوئے ختن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
چلائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن!
میخیں زمیں کی اُس کی تگاپو سے مل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

فرفر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا
کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف یہ بادپا
دشمن کو گھورتا ہے، دہانا چبا چبا
غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لوٹے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

چھل بل دکھائی فوج کو، دوڑا، تھما، اُڑا
صورت بنائی جست کی، سمٹا، جما، اُڑا
دیکھی زمیں کبھی، کبھی سوئے سما اُڑا
مثلِ سمند بادشہِ اِنما اُڑا
جن تھا، پری تھا، سحر تھا، آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بہ یک
دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک
اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد
کہتا تھا بازوئے شہِ دیں "یا علی مدد"!
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جھول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زباں پر وہ بدخصال
جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسن کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بہ صد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اُس کی سپر سے ڈھال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

عباسِ نام دار نے پہلو سے دی صدا
ہاں اب نہ جانے دیجیو "احسنت، مرحبا"!
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سنتے ہی یہ، فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اس طرف کو اُدھر ہو کے بھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو
لو کوفیو! گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے، یہ کیا ہوا

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر
تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ راس جو استاد پاس ہو

فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد
ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر، خانۂ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر "و ان یکاد"
چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا، صدقے حسینؑ پر
اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر

عباسِ نام دار تو ہنستے چلے اُدھر
یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر
یاں اُس بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہو گئے
حربے ہزارہا جو چلے، چور ہو گئے

کیوں کر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے
اک اک لڑا نہ آہ، بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثلِ امیرِ عرب لڑے
جاں بازیاں ستم کی دکھائیں، غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑ کے زورِ جوانی دکھا دیا

للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے
صف کو بچھا کے آئے پرے کو اُلٹ کے آئے
منہ سرخ تھا، کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا
دستِ یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
تیورائے، سنبھلے، منہ سے لہو ڈالا، دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا پسرِ سعد رُو سیاہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو! بجھا دو حسنؑ کے چراغ کو

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
پڑتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر
بلّہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤ سر
برچھی لگی جو سینے پہ، ٹکڑے ہوا جگر
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ! بچاؤ غلام کو

سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا
دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل برہنہ پا
گھبرا کے بولے حضرتِ عباسِ باوفا
تلوار کس پہ چل گئی، ہے ہے یہ کیا ہوا
چلائی ماں ارے مری بستی اُجڑ گئی
اے بھائی دوڑو، بن کے لڑائی بگڑ گئی

جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
اُس غیظ میں یمیں سے جو آئے سوئے یسار
بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دولہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں
سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بہ صد فغاں
بے جاں ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اُٹھائی شہ نے تو چُورا ستخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے

ڈیوڑھی پہ لاش لائے جو سلطانِ بحر و بر
پردہ اُٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
لاشے کے پاؤں تھامے تھا کوئی تو کوئی سر
چادر کمر کی تھامے تھے عباسِ نام ور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئی
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئی

لاشہ اِدھر سے لے کے چلے شاہِ کربلا
دوڑے اُدھر سے پیٹتے ناموسِ مصطفےٰؐ
فضہ تھی آگے آگے کھلے سر، برہنہ پا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو!
دولہا دُلہن کے لینے کو آتا ہے صاحبو!

بہنیں کدھر ہیں، ڈالنے آنچل بنے پہ آئیں
اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دلہن کو لائیں
رخصت ہوں جلد تا کہ براتی بھی چین پائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
دل پر ہے فراق کی شمشیرِ تیز کو
ماں سے کہو دلہن کے نکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
پیٹے جو سب، عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر

دولہا کی لاش آتی ہے سہرے کو توڑ دو
مسند اُلٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو، میں نثار

وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی! نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر
حجرے سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
آ کر قریب صحن پکاری بہ چشم تر
اے بی بیو! کسی کو دلہن کی بھی ہے خبر؟

کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پھپھی، جہان سے گبرا گزر گئیں

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
اُس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی یوں، ہمیں اس کی نہ تھی خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لو دولہا کو اک نظر

زخمی بھی ہے، شہید بھی ہے، بے پدر بھی ہے
دولہا بھی نام کو ہے، چچا کا پسر بھی ہے

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے باچشمِ اشک بار
پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
چادر سپید اڑھا کے دلہن کو بحالِ زار
گودی میں لائی زینب غمگین و سوگوار

چلائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر
قاسم بنے اُٹھو دلہن آئی ہے لاش پر

صدقے گئی، چچی کو نہ ہووے کہیں ملال
رکھو دلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسنؑ کے لال
واری، بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال
کیسا یہ خواب ہے کہ دلہن کا نہیں خیال

کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

جس دم دُلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ
میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ!

بولی نہ تھی حجاب سے تقصیروار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں

اے پارۂ دلِ حسنؑ، اے فدیۂ حسینؑ
کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہہ کے روؤں اٹھ گیا اب تو جہاں سے چین
بیوہ کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین

چھوڑا دلہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دولہا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے؟

صاحب! بتا تو دو تمھیں رونے میں کیا کہوں
بے کس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں، شہید کہوں یا بنا کہوں
دولہا کہوں کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں

ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولہا کو کیا کہہ کے روتی ہے

کیوں رونے والو! سنتے ہو آوازِ شور و شین
اس بزمِ پاک میں ہیں یہاں نوحہ گر حسینؑ
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کر کے بین
ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین

شبر کو بھی قلق ہے، شہِ بے وطن کو بھی
پرسا امام کو بھی دو تم اور حسنؑ کو بھی

لکھے انیس میں نے بہ سرعت یہ چند بند
لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند
اُس کے کرم سے ہو گا یہ دریا کبھی نہ بند

نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو! پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

-☆-

ساتواں مرثیہ

# جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا

قارئین! آپ نے اس عظیم وضخیم کتاب "کلیاتِ انیس" کے پہلے مرثیے میں خصوصاً ولادت امام حسینؑ کا واقعہ پڑھا، دوسرے مرثیے میں امام عالی مقامؑ کے ساتھ ان کے عزیز و اقارب، خواتین، بچوں، جوانوں اور ساتھیوں کی مدینہ سے رخصتی اور مکہ پہنچ کر کربلا کی طرف کرنے کا حال مطالعہ کیا۔ اسی طرح مرثیہ بہ مرثیہ، واقعہ بہ واقعہ کربلا کا عظیم سانحہ ایک بڑے واقع کی صورت میں ڈھل رہا ہے۔ مسلم بن عقیل اور ان کے بیٹوں کی شہادت کا ھمناذ کرآیا، حر کے امام حسینؑ کے ساتھ آملنے اور شہادت پانے پر پورا مرثیہ ہمیں پڑھنے کو ملا، پھر عون و محمد کی شہادت ہوئی اور قاسم بن حسنؑ کے بعد اس مرثیے میں حضرت عباس کی شہادت کا بیان ہے۔

محققین کے مطابق میر انیس نے یہ مرثیہ اپنی آخری عمر میں لکھا ہے۔ فنی کمال پہلے سے آخری بند تک نمایاں ہے، شاعرانہ چابکدستی ہر بند میں بھری ہوئی ہے، استادانہ مہارت ہر مصرعے سے عیاں ہے، اوصاف نگاری کا کمال جابجا دکھائی دیتا ہے، جذبات نویسی کا فن اس مرثیے پر شروع ہو کر اس پر ختم ہوتا نظر آتا ہے، دردانگیزی کا جو وصف انیس کی اس نظم میں اپنے کمال کو پہنچ رہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی، فطرت کی عکاسی یوں کی گئی ہے کہ ہر منظر صفحہ پر لکھے لفظوں میں ڈھل گیا ہے، لطافتِ بیان کی اسقدر مثالیں انیس کے صرف اک ایک مرثیے سے تلاش کی جاسکتی ہے کہ دیگر شعرا کے دیوانوں میں بھی اتنی شاید نہ ملیں، قدرتِ اظہار کا مظاہرہ جو انیس نے اپنی اس شاہکار نظم میں کیا ہے ہر حوالے سے ناقابلِ تقلید مگر قابلِ تحسین ہے، زبان کی سلاست، فصاحت، بلاغت اور روانی پڑھنے والے کو اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے اور اس مرثیے کے 170 بند پڑھتے ہوئے قاری ہر انسانی جذبے کو اس کے تمام تر نشیب و فراز سمیت بسر کرتا ہے، کبھی آنکھ نم ہوتی ہے، کبھی آہیں نکلتی ہیں، کبھی واہ واہ پکارنے کو جی چاہتا ہے اور کبھی

بے اختیار ہونٹوں سے آہ آہ کی صدائیں بلند ہو اُٹھتی ہیں۔ اس مرثیے کے بنیادی اجزا اگر شمار کریں تو حسب ذیل ہیں:

1۔ آمد، جسے انیس کے انتہائی باوقار انداز میں منظوم کیا۔

2۔ علم، جس کے حوالے سے لکھا ہر بند بے مثال ہے۔

3۔ سراپا، جسے رقم کرتے ہوئے شاعر اپنے فن کی بلندیوں پر نظر آتا ہے۔

4۔ تلوار، جس کی تعریف میں نزاکتِ بیان کا عروج دکھائی دیتا ہے۔

5۔ گھوڑا، جس کے اوصاف میں شاعرانہ نازک خیالی کی آخری بلندی ملتی ہے۔

6۔ رخصت، جس کا بیان آنکھیں نم کر دیتا ہے۔

7۔ رجز، جن کا ہر بند دل میں جوش و ولولے کا طوفان اٹھاتا ہے۔

8۔ جنگ، جو انیس کی رزمیہ شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔

9۔ بھگدڑ، جس سے متعلقہ ہر بند ہزار بار سراہے جانے کے قابل ہے۔

10۔ شہادت، جس کا ہر بند انیس نے رو کر لکھا اور رلانے کے لیے لکھا ہے۔

11۔ بین، جو پڑھنے والوں کے دلوں کو چھید دیتے ہیں۔

اس مرثیے کی فضا سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے آٹھ محرم کی کسی مجلس میں پڑھنے کے لیے لکھا گیا تھا کیونکہ اس میں باغ و بہار، تشبیب، تغزل اور قدرتی مناظر کی تصویر کشی کے بجائے ایک دوسرا ہی رنگ ہے۔ اس کے باوجود سے ایک خشک المیہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کرداروں کی اوصاف نگاری کا رنگ ایسا رنگ ہے جو کسی قدر طربیہ پہلو لیے ہوئے ہے۔

اس مرثیہ کے بنیادی کرداروں میں امام حسینؑ اور حضرت عباس علم دار شامل ہیں جبکہ ذیلی کرداروں میں علی اکبر، عون و محمد، قاسم، جناب زینب اور زوجہ حضرت عباس شامل ہیں۔

انیس نے اس نظم میں جن انسانی جذبات کو نظم کا جامہ پہنایا ہے، ان میں سے اہم ہیں: استقبال، منصب کا حصول، بہادری و جاں فروشی، فراق، راضی برضا رہنا، فتح، وفا، خوشی، غم، رقت اور بین وغیرہ۔

کہتے ہیں اعلیٰ درجے کا شاعر وہ ہے جو پاکیزہ اخلاق، اونچے خیالات اور لطیف جذبات سے وابستہ رہتے ہوئے اچھے سے اچھا شعر، اعلیٰ سے اعلیٰ استعارہ اور خوب سے خوب تر کی

تلاش میں کامیاب ہو سکے۔ انیس ہمارے خطے کے ایسے ہی شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں یہ رعنائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ مرثیہ انیس کے مرثیوں کی چھوٹی سے چھوٹی فہرست میں بھی ہمیشہ شامل رہے گا، کیونکہ اس میں انیس کے فن کا کمال پوری طرح محفوظ ہے۔ انیس کی فنی مہارت، قدرت کلام، زبان و بیان پر عبور، روانی، سلاست، صفائی، پاکیزگی اور تاثیر اس عظیم نظم کے ہر مصرعے میں اپنے ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ یہ کہنا بجا ہے کہ یہ مرثیہ عالمی ادب کی مؤثر ترین نظموں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔
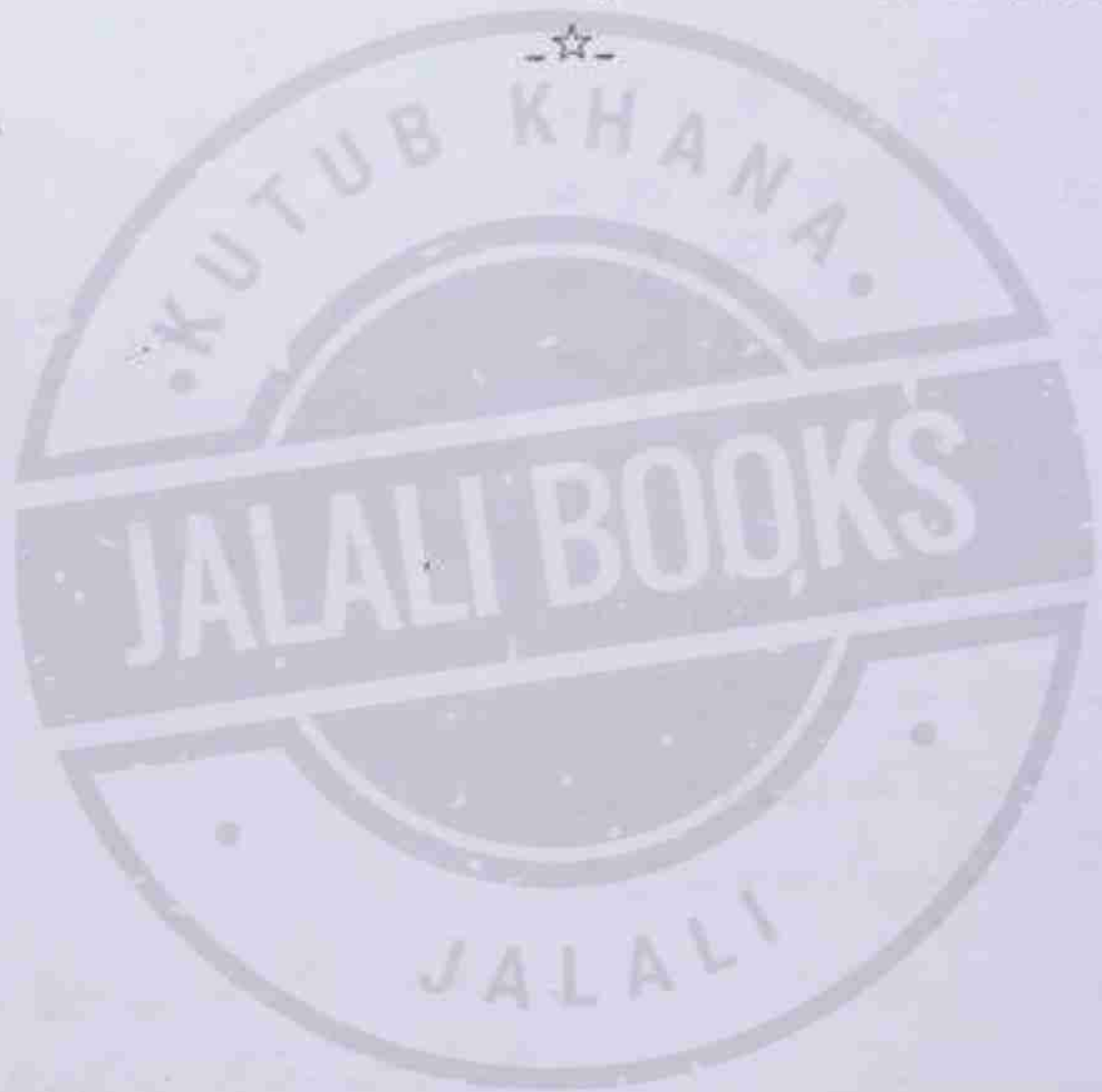
-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا
فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا کبھی جو علم اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

وہ شان اُس علم کی، وہ عباسؑ کا جلال
نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال
پرچم پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے

تھا پنجتن کا نور جو پنجے میں جلوہ گر
اعمٰی کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
ذرے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر
تکتے تھے فوق سے تو ملک، تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بُوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

قربانِ احتشامِ علم دار نام ور
رخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سربسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر کی نظر
قبضے میں تیغ، بر میں زرہ، دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکرِ ابنِ زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

وہ اوج، وہ جلال، وہ اقبال، وہ حشم
وہ نور، وہ شکوہ، وہ توقیر، وہ کرم
پنجے کی وہ چمک، وہ سرافرازیِ علم
گرتی تھی برق فوجِ مخالف پہ دم بہ دم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

پنجہ اٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
یہ شش جہت انھی کے قدم سے ہے برقرار
کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو اے قوم نابکار!
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولیٰ کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور
صلِ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
یا رب! رہے نگاہ بد اس کی ضیا سے دور
پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اِس جواں کے، نثار اِس نشان کے

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اِس حسن کی سپاہ
دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ!
دیکھیں کسے کسے کہ ہے اِک ایک رشکِ ماہ
جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھی دموں سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسین لائے ہیں کس کس حسین کو

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کو عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

ہم شکلِ مصطفیٰؐ کا ہے کیا حسن، کیا جمال
صبح جبیں بھی اور شب گیسو بھی بے مثال
یہ لب، یہ خط، یہ چشم، یہ ابرو، یہ رخ، یہ خال
یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہیے، قدرتِ پروردگار ہے

لختِ دلِ حسن بھی ہے کس مرتبہ حسین!
جس کے چراغِ حسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلفِ مشک بیز، یہ آئینۂ جبیں
سرمایۂ خطا و ختن، کائنات چیں
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

نامِ خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل
اک مہرِ بے نظیر ہے، اک بدرِ بے عدیل
افروختہ ہیں رخ، یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہے، گویا کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثلِ علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

عباسِ نام ور بھی عجب سج کا ہے جواں
نازاں ہے جس کے دوشِ منور پہ خود نشاں
حمزہ کا رعب، صولتِ جعفر، علیؑ کی شاں
ہاشم کا دل، حسینؑ کا بازو، حسنؑ کی جاں
کیونکر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سینکڑوں شرف اس آفتاب کو

اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب
سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
ابرِ کرم، خدیوِ عجم، خسروِ عرب
عالی ہمم، امامِ اُمم، شاہِ تشنہ لب
جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ الٰہ میں
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسل رزم گاہ میں

کیا فوج تھی حسینؑ کی اُس فوج کے نثار
ایک ایک آبروئے عرب، فخرِ روزگار
جرار و دیں پناہ و نمودار و نام دار
لڑکوں میں سبز رنگ کوئی، کوئی گل عذار
فوجیں کوئی ساتی تھیں ان کی نگاہ میں؟
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں

اک ایک ملکِ جرأت و ہمت کا بادشاہ
کیواں خدم، سپہر حشم، عرش بارگاہ
آنکھیں غزال رشک، مگر شیر کی نگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو ہل گئے، تلوار چل گئی

وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں کے ولولے
بے تاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے، وہ چاند سے گلے
سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسولؐ حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
یہ نیمچے نہ لیویں گے دم، بے لہو پیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے
صدقے ہوں اس قدم پہ، یہ سر ہیں اسی لیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھیے گا تماشا لڑائی کا

بچپن پہ خادمانِ اولوالعزم کے نہ جائیں
جب چاہیں معرکے ہیں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں، ہنس ہنس کے زخم کھائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
ہر وقت چاہیے مددِ شیرِ ذوالجلال
نعرہ ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اتری ہے تیغ جن کے لیے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چہچے جو کرتے تھے باہم وہ گل عذار
شبیرؑ دیکھتے تھے انکھیوں سے بار بار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباسِ نام دار
سنتے ہیں آپ، کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار؟
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ نیچے رکیں گے بھلا فوج شام سے؟

یہ سن، یہ زور شور، یہ عمریں، یہ آن بان
یہ بھولے بھولے منہ، یہ جواں مردیاں، یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں، اللہ رے خوش بیان
چلتی ہے ذوالفقار علی کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

زینب کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور!
مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رُخ پر جلالِ شیرِ خدا کا ہے سب ظہور
پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
دونوں میں صاف حیدر و جعفر کے طور ہیں
اللہ کی پناہ، یہ تیور ہی اور ہیں

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابنِ شہِ نجف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف

تھا بس کہ شوقِ جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوئے مہ وشوں کے رنگ
فوجوں پہ جا پڑیں، یہ دلوں کو ہوئی امنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
بے چین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ

پاسِ ادب سے شاہ کے، صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
ٹکڑے اڑائیں گے عمر و شمر شوم کے

نامرد ہیں جو آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسی کی شورِ دُہل سے بگڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا، شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو رانوں میں داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہُوا آسمان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نام ور
لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے نیچے لیے دہُ غیرتِ قمر
یارب شکست کوفیوں کو دے، ہمیں ظفر
سرکے نہ پھر جو بڑھ کے وغا میں قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
تیر اُس طرف سے آچکے اب کس لیے ہے دیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
مولا! غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

کس کو ہٹائیے، کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر وفا شعار
ہو مصلحت تو دیجیے اب اذنِ کارزار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں، نہ غلام کی

جب روکتا ہوں میں انھیں اے آسماں سریر!
کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر
ہنگامِ جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر؟
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے
عالم ہے بے خودی کا پہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں "یا علیؑ ولی" کا خروش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بارِ دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر
بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر
اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نام ور
یہ راہِ حق ہے، جو قدم آگے بڑھائے گا
دربارِ مصطفےٰؐ میں وہی، پہلے جائے گا

مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں
اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشم گیں
تھرائے آسماں کے طبق، ہل گئی زمیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا، جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

اللہ رے جہادِ حبیب و زُہیر قین
گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین
مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسین
یوں جا کے روئے ان کے تنِ پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا
کانپا سپہرِ شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا
گہ روئے آپ، ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بہ یک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسن کی طرح کلیجے کے ہو گئے

تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار
شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
عزت عرب کی رکھ گئے جعفر کی یادگار
تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر تھی مثلِ علیؑ اختیار میں
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

نکلے برادرانِ علم دارِ صف شکن
دکھلا دیے علیؑ کی لڑائی کے سب چلن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن
لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضطرب جو دل
گہ شہ کے پاس تھے، کبھی لشکر کے متصل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمھیں بحل
شیرو رُکے نہ ہاتھ، بدن گو ہے مضمحل

یہ وقتِ آبرو ہے بڑی جدوکد کرو
ہاں بھائیو! امام کی اپنے مدد کرو

الٹو پروں کو، بڑھ کے صفوں کو بچھا کے آؤ
ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
جب باگ اٹھاؤ، فوج کے اُس پار جا کے آؤ
یا مر کے آؤ یا اُنھیں رن سے بھگا کے آؤ

ہاں صفدرو! نشاں نہ رہے فوجِ شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دم بہ دم
دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
جینے نہ دے گا آہ! ہمیں بھائیوں کا غم
عباس عرض کرتے تھے اے قبلۂ اُمم!

اب باپ کی جگہ شہِ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

بے جاں ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیرِ نر
حضرت ضعیف ہو گئے، خم ہو گئی کمر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر
اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر

سب چل بسے، نبیؐ و علیؑ پاس رہ گئے
ستر دو تن میں اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے

آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خُو
اکبر کی چشمِ تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ کی نظر طرف لشکرِ عدو
پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوشِ بُکا میں زُبان سے
قاسم کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
سوئے تو ایک فرش پہ، کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا، وا مصیبتا!
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا لطف کیا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابنِ عم کے ہماری بھی لاش ہو

شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم
خالق جہاں میں بھائی کو بھائی کا دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم
مر مر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا، خوشی دل سے فوت تھی
عباسِ نام دار نہ ہوتے تو موت تھی

بھائی کے بعد اُن سے ملی لذتِ حیات
بیکس کے غمگسار تھے یہ، یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات
سویا جو میں تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

تھا ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزہ
بیٹے کا لطف، بھائی کا حظ، باپ کا مزہ
ملتا ہے بات بات میں ہر دم نیا مزہ
اوجھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزہ
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے، یہی تن کی جان ہیں

قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
بچھڑا جو دو میں ایک تو ہم ہیں کنارِ گور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور
جب پتلیاں جدا ہوں تو چشمِ بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں
اٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں
گزرے بہارِ عمر کے دن، آ گئی خزاں
پھولو پھلو، جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل، کچھ ایسے سن نہیں
دونوں کا ہے شباب، یہ مرنے کے دن نہیں

اُن سے نشان علیؑ کا ہے، تم سے ہمارا نام
گھر مٹ گیا نبیؐ کا جو دونوں ہوئے تمام
میت کے دفن کا بھی مقدم ہے اہتمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبرِ پدر بے چراغ ہو

کچھ نہ ذکرِ بحر، یہ صدمہ ہے دل خراش
بہر پدر کرو کفن و گور کی تلاش
ہو گا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
دو شخص چاہیے کہ اٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
فرزند پاٹکتی ہو، برادر سرہانے ہو

اکبر نے سن کے باپ سے یہ اشکِ خوں بہائے
عباس بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے
دستِ قوی ہیں نیزہ و صمصام کے لیے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لیے

بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفیٰؐ
باتیں تو ان سے تھیں، تمھیں کیوں غیظ آ گیا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اچھا! ہماری لاش کو اکبر اٹھائیں گے

اٹھیے قدم سے، آپ کی الفت کے میں نثار
غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نام دار
بے اذنِ جنگ سر نہ اٹھائے گا خاکسار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآبؐ سے
[illegible] گا اکبرِ عالی جناب سے

صدقہ علی کی روح کا اکبر کو روکیے
دے کر قسم، شبیہِ پیمبر کو روکیے
نورِ نگاہ بانوئے بے پر کو روکیے
اے آفتابِ دیں! مہِ انور کو روکیے

پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
آقا! یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے
لیجے رضائے جنگ، نہ آنسو بہائیے
فرقت میں ہم مریں کہ جئیں خیر جائیے
اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے

زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

عباس شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار
بھائی کو گھر میں لے کے چلے شاہِ ذی وقار
بولا یہ پیک شاطرِ فوجِ ستم شعار
لو اذنِ جنگ پا چکے عباسِ نام دار

خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
نعرہ یہ دم بہ دم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
تیغوں سے گھاٹ روک لو، آیا وہ نیک نام
اب معرکہ ہے قہر کا، اے ساکنانِ شام

دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
کانپے مثالِ بید جوانانِ پُر جگر
ہل چل میں اس طرف کے پرے ہو گئے اُدھر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں، یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا، وہ الٹا رواں ہوا

ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال
برچھی گری زمیں پہ کسی کی، کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال
کانپی زمیں، کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
منہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے روزِ انقلاب
اُلٹے گا اس زمیں کا ورق ابنِ بُوتراب
اس شیر پر نہ ہو گی کوئی فوج فتح یاب
بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف، گرد اک طرف
بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف
تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

تھی ابتری سپاہِ ضلالت شعار میں
اِس صف میں تھی وہ صف، یہ قطار اُس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
وہ جائے امن ڈھونڈتے تھے کارزار میں

چہرے تھے زرد خوف سے حیدرؑ کے لال کے
نامرد منہ چھپائے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

سر کو دہائے فوجِ مخالف تھے بے حواس
کچھ شمر کے قریب گئے، کچھ عمر کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
ضربِ علیؑ ہے، ضربِ علم دارِ حق شناس

طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

اُس فوج میں تو ہے یہ تزلزل، یہ انتشار
ہتھیار اِدھر لگاتے ہیں عباسِ نام دار
مضطر ہیں بیبیاں، شہِ والا ہیں بے قرار
بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں زار زار

بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کیے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لیے ہوئے

منہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بہ چشمِ تر
کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
لٹتا ہے باپ، تم کو سکینہ نہیں خبر
جانے نہ دو چچا کو، ہمیں چاہتی ہو گر

آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

بھائی کے اضطراب سے زینب کا ہے یہ حال
ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
عباس سے یہ کہتی ہے رو کر بہ صد ملال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے
بھیا! کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

دیکھو تو حالِ سبطِ رسولؐ فلک اساس
بیٹے کا غم، بھتیجے کا ماتم، ہجومِ یاس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
قربان جاؤں، تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہراؑ کے لال کے

عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
کیونکر نہ حق امامِ زماں کا ادا کروں
اُلٹوں صفیں، ہزاروں سے تنہا وغا کروں
یہ سر ہے اِس لیے کہ قدم پر فدا کروں
پہنچا ہے فیض سیدِ خوش خو کے ہاتھ سے
دُنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام
شہزادہ مرنے جائے، سلامت رہے غلام؟
للہ روکیے نہ اب اے خواہرِ امام!
وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں، ساتھ ماں نہیں، سر پر پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں، گو پسر نہیں

باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکائے سر
تھرا رہی ہے زوجۂ عباسِ نام ور
چہرہ تو فق ہے، گود میں ہے چاند سا پسر
مانع ہے شرم، روتی ہے منہ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے، نہ بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہیں عباسِ نام دار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اِس وقت میں نثار
کہیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

اکبر کا واسطہ، کوئی تدبیر کیجیے
امداد بہرِ حضرتِ شبیر کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار، وہ تدبیر کیجیے
پٹکا وہ باندھتے ہیں، نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی! میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

عباس دیکھتے ہیں جب زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیرِ غم جگرِ ناتواں کے پار
روتے ہیں خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم میں، یوں کوئی ہوتا ہے بے قرار!
آؤ ادب سے دلبرِ زہراؑ کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے؟

کھولا ہے گوندھے بالوں کو، صاحب یہ کیا کیا؟
پیٹو نہ سر کو، روتا ہے فرزندِ مہ لقا
خیرالنسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا!
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے، تمھارا بھی نام ہے

لو پوچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرِ ذوالجلال
دیکھو، زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کچھ کبھی خیال
قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
غم چاہیے نہ آہ و بُکا چاہیے تمھیں
شہ کی سلامتی کی دُعا چاہیے تمھیں

صدقے ہیں ابنِ فاطمہؑ پر مجھ سے سو غلام
دیکھو، نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشکِ خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام؟
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں، یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب! یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
آدابِ شہ سے چپ ہیں، نہیں کوئی بے قرار
رہ جائے بات، کرتے ہیں وہ امر ہوشیار
دنیا ہے بے ثبات، زمانہ ہے بے مدار
کیا کیے نہ تفرقے ہوئے ایک ایک آن میں
صاحب! سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں؟

قاسم کو دیکھو، جانبِ کبریٰ کرو نگاہ
گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
کیا صابرہ ہے دخترِ شبیر، واہ واہ!

سہتے ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی؟

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں
اُف کیجیو نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں

چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علیؑ کا بڑا نام کر گئی

شوہر نے یہ کلام کیے جب بہ چشمِ تر
چپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمت جھکا کے سر
ہتھیار سج کے حضرتِ عباسِ نام ور
آئے قریب لختِ دلِ سید البشر

صدمے سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

جوں جوں قریب آتے تھے عباسِ نام ور
بیتاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر اِدھر اُدھر
جینے نہ دے گا آہ! ہمیں صدمۂ کمر

ہے زیست تلخ، فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زینب! کہاں ہو، آ کے سنبھالو حسینؑ کو

سب گھر کی بیبیوں سے کہو میرے پاس آئیں
بانو کہاں ہیں؟ زوجۂ عباس کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آ کے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا گھر، جب مروں گا میں
عباس سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

یہ سن کے، ساری بیبیاں آئیں بحالِ زار
بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسِ نام دار
اے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
"ھل مِن مبارز" کا اُدھر غل ہے بار بار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا! یہ دیر کس لیے خادم کے باب میں!

لوگوں نے معرکے میں کیے اپنے اپنے نام
کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہِ انام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام؟
کس کام کا جو آج نہ کام آئے یہ غلام
مشکل ہے ایسے وقت میں رکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی سے شیر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادمِ جناب
خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابُوتراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
زہرآ سے بھی حجاب ہے، شبر سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا! بتایئے کسے پھر منہ دکھاؤں گا؟

ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا
مجھ سے رسولِ پاکؑ خوشی ہوں گے یا خفا؟
بیزار کیا نہ ہو گا دلِ شاہِ لافتا؟
پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا؟

مرنے کا حظ، نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا؟

پالا ہے مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے
کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے
بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے

وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیے
بندہ سمجھ کے، اب مجھے آزاد کیجیے

گردن ہلا کے شہ نے کہا، آہ کیا کروں
مشکل ہے سخت، اے مرے اللہ! کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جاں کاہ، کیا کروں
چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ، کیا کروں

دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے، موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
اے تن کی جان! اے سببِ قوتِ جگر!
یوں ہے خوشی تو خیر، جہاں سے کرو سفر

بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب ہے

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری
سب روئے، مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری
اک آہِ سرد زوجۂ عباس نے بھری
صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری

سر سے ردا بھی دوش تلک آکے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
مجرے کو آئی فتح، سپاہ حشم لیے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغِ دو دم لیے
نصرت نے چومے ہاتھ، ظفر نے قدم لیے

خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

آیا سجا ہوا وہ سمندِ براق سیر
تھا جو فلک پہ اڑنے کو تیار مثلِ طیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
رن میں سپاہِ شر اُسے روکے تو یہ بخیر

صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈیں بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

وہ زیب و زین زین کی، وہ ساز کی پھبن
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن

جادو تھا، معجزہ تھا، پری تھا، طلسم تھا
پاکھر نہ تھی، زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

رکھا قدم رکاب میں حیدرؑ کے لال نے
نعلینِ پا کو فخر سے چوما ہلال نے
بخشی جو صدرِ زیں کو ضیا خوش جمال نے
دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے

کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی
گرد اُڑ کے غازۂ رخِ لیلیٰ و شاں بنی
جلوے سے راہِ دشت، بلا کہکشاں بنی
ذرے بنے نجوم، زمیں آسماں بنی

سم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقشِ سُمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دبدبہ، وہ سطوتِ شاہانہ، وہ شباب
تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
صولت میں فرد دفترِ جرأت میں انتخاب

تیور میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں

پہنچے جو دشتِ کیں میں اڑاتے ہوئے فرس
گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راس و پیش و پس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس

روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

بولے یہ بڑھ کے فوج مخالف سے پہلواں
دیکھا نہیں کبھی کہ ہے لشکرِ گراں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں
ہاں، آیئے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں

بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا شیر
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے؟ کیا مجال!
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال
اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہوں گے پائمال

بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو

دو ہاتھ میں علیؑ کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا، ہم ذوالفقار ہیں

تم کیا، پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں
شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک کو دم جنگ و جدال دیں
پانی تو کیا ہے، آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں

منہ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
دادا شجاع، باب اُولوالعزم، ہم دلیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر

عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیرالعلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
لیتے ہیں گھاٹ پیر کے تیغوں کے آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں

ناصر ہیں بادشاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں جاں بلب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ، ہے غضب!

لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوالِ آب
سقا بنے ہیں، دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب

شہ سے نشانِ فوجِ پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
نیزے اُٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثل شہِ قلعہ گیر آئے
گیتی ہلی، غضب میں جنابِ امیر آئے
گھوڑا اُڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
یہ صف اخیر تھی، وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا
ششدر تھی موت، چار طرف قتلِ عام تھا
اِس غول پر کبھی تھی، کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

وہ تیغ کی چمک، وہ تڑپ راہوار کی
رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہِ دُلدل سوار کی
حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی
چتون وہی، غضب وہی، بیباکیاں وہی
پھرتی وہی، جھپٹ وہی، چالاکیاں وہی

توڑا یہ مورچہ، وہ صف اُلٹی، اُدھر پھرے
تلوار خوں میں، آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر، پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیرِ نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ، غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں، چہرہ بھی لال تھا

منہ پھر گیا سپاہ کا رخ جس طرف کیا
یاں آئے، واں گئے، اُسے مارا، اسے لیا
باقی رہے ہزار میں دس، سو میں اِک جیا
اللہ رے دم، لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

بے شک تھا اُن کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ
پہنچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل، اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
شیرِ خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دم دم شانہ کاٹ کے
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

چلتا تھا مثلِ برق یمین و یسار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
ان کی نہ ایک ضرب، نہ اُن کے ہزار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغِ دو دستی کے چار ہاتھ
آوازِ شش جہت میں ''تکبیر و بزن'' کی تھی
اللہ کا کرم تھا، مدد پنجتن کی تھی

نعرہ جدا صدائے تکبیر و بدہ جدا
گوشے کماں سے دور تو گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جدا
نیزوں کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری
کچھ ہٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری
تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری

ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں
چمکی، گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں

روحیں پکاریں، تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل، اب اُٹھ کے تو پنجوں کے بل چلو

نیزے اُدھر قلم تو اِدھر برچھیاں قلم
ترکش دو نیم، ٹکڑے کمانیں، نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
منہ تیغ کا خراب، سناں کی زباں قلم

جب سن سے آئی سر پہ کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی، وہیں فتنہ فرو ہوا
ظالم ہزار میں تھا جو یکتا، وہ دور ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ میں سرگرم جو ہوا

تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار
تھا اس کے ہاتھ سے دلِ چار آئنہ فگار
آرہی تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار
خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجا چھنا ہوا

جاتی تھی ہر پرے کی طرف سن سے بار بار
چڑھ کر سوار گرتے تھے توسن سے بار بار
اٹھتی تھی الاماں کی صدا رن سے بار بار
ہر سر کا بار اُترتا تھا گردن سے بار بار
غارت ہوئے، تباہ ہوئے، بے تزک ہوئے
ضربِ گراں جو اٹھ نہ سکی، کیا سبک ہوئے

ثابت رہی نہ ڈھال، نہ مغفر، نہ سر بچا
سینے میں دل کو کاٹ گئی، گر جگر بچا
دو ٹکڑے ہو گیا وہ اُدھر جو اِدھر بچا
بے زخم کھائے ایک نہ بیداد گر بچا
تلوار سے کوئی، کوئی ڈر سے ہلاک تھا
سالم تھا جس کا جسم، جگر اس کا چاک تھا

سر سے کمر میں تھی تو کمر سے تہِ فرس
آفت کا منہ تھا، قہر کا دم خم، ستم کا کس
کشتے تڑپ رہے تھے چپ و راس و پیش و پس
دو تھے اگر تو چار ہوئے، پانچ تھے تو دس
غل تھا، وہی لڑے جسے سر تن پہ بار ہو
آفت بپا ہے، کون اجل سے دوچار ہو

غل تھا شرارتوں سے اس آتش زبان کی
پریاں پکارتی تھیں کہ ہو خیر جان کی
دنیا میں شعلہ بار ہے آگ اس جہان کی
بدلی ہوئی ہے آج ہوا آسمان کی
بجلی خجل ہے، ناز یہ اُس شعلہ خُو کے ہیں
بوچھار ہے سروں کی، وڑیڑے لہو کے ہیں

جب بڑھ کے سن سے صورتِ تیغِ علی چلی
ثابت ہوا کہ ضربتِ دستِ ولی چلی
دل پر خفی چلی تو گلوں پر جلی چلی
تن سے نکل کے روح پکاری "چلی چلی"
دی تیغ نے صدا کہ ارادہ کدھر کا ہے؟
چلائی موت، چل یہی رستہ سقر کا ہے

خشکی میں تھی جو آب تو آتش تری میں تھی
ہم نامِ ذوالفقار علی صفدری میں تھی
تلوار تھی کہ برق لباسِ پری میں تھی
بے باک اس لیے تھی کہ دستِ جری میں تھی
خوں بھی اسے حلال، دیت بھی معاف تھی
کاٹا تھا سو گلوں کو مگر پاک صاف تھی

سارے رسالہ دار تباہی میں پڑ گئے
اب منہ کے دکھائیں کہ چہرے بگڑ گئے
نامی جو تھے جواں، قدم اُن کے اکھڑ گئے
بھاگے جو سب، نشاں بھی خجالت سے گڑ گئے
علموں کے پاس ڈھیر پھریروں کے رن میں تھے
ریتی پہ بیرقیں تھیں کہ مُردے کفن میں تھے

پہنے ہوئے تھے جسم میں زرہیں جو چست چست
چوٹیں کڑی پڑیں تو ہوئے وہ بھی سخت سخت
خوفِ اجل سے بھول گئے وعدۂ نخست
ٹوٹی صفوں میں ہوش کسی کے نہ تھے درست
اک شور تھا کہ جان گئی اس لڑائی میں
گھوڑے بھگاؤ، آگ لگی ہے ترائی میں

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس، نہ دامن سپر کے پاس
بوڑی سنان پر تھی، نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھا، نہ چلہ کمان پر

نہ وہ علم سیاہ، نہ وہ روسیاہ تھے
تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی، بے پناہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
سب چھاؤنی اُجاڑ، محلے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ عادل کے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے
اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا پہ برقِ شعلہ فشاں سدِ راہ ہے
اس معرکے میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں، جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی
یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سر کے جبال، نہر کہیں سے کہیں ہٹی
دہشت سے آسماں ہوا اونچا، زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پر چڑھ گیا

اللہ ری جنگِ شیرِ نیستانِ کربلا
چیونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی، آدمی تو کیا
پہنچے جو گھاٹ پر تو یہ اعدا کو دی صدا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا؟
اک آن میں شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو! اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کدھر ہے وہ بندوبست؟!
کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست؟
کیا ہو گئے ترائی سے، وہ سب ہوا پرست
کیوں؟ سربلند کون ہے اب اور کون پست؟
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں؟
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑتے آئے ہیں

دُنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
کس دبدبے سے جوہرِ تیغِ علی دکھائے
اب کچھ الم نہیں، اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا، مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھا لیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہِ آسماں اساس
مرتے ہیں آبرو پہ غلامانِ حق شناس

آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے ان کے آبِ خضر بھی گر ہو تو خاک ہے

فرما کے یہ، سمند کو ڈالا فرات میں
گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں

سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

گرمی میں تشنگی سے کلیجہ تھا آب آب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آ جاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب

عباس! آبرو میں تری فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام
اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام

موجیں تھیں رودِ نیل کی، فوجوں کا دل نہ تھا
پر واہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم
کاندھے پہ مشکِ آب تھی، پنجے میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ الجھتا تھا دم بدم
کرتا تھا جابجا تگ و دو اسپ خوش قدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں دھنس جاتے تھے ریت میں

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی، گاہ یا قدیر
چلا رہا تھا شمرِ جفا پیشہ و شریر
جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ قلعہ گیر
رخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

سن کر زباں درازیِ شمرِ ستم شعار
عباس مثلِ شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سینکڑوں تھیں، ہزاروں تھے نیزہ دار
توڑی یہ صف اگر تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
درپے تھے اک جواں کے لیے لاکھ اہلِ شر
کھائے اِدھر سے زخم جو کی اُس طرف نظر
کس کس کا وار رد کریں، دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینے پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ، روکے ہوئے تھے ڈھال
لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال
فرزند کو سنبھالیے یا شیرِ ذوالجلال
جا پہنچوں مشک لے کے جو تھوڑی سی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر
بس چور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
آ کر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر
تیورا گیا علیؑ دلی کا مہِ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشکِ سکینہ پہ جھک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے، سنو اُس طرف کا حال
ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولؐ خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی، رخ زرد، جی نڈھال
یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
گر گر اٹھے، تڑپ کے اِدھر سے اُدھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

فریاد کر کے دل کبھی تھاما، جگر کبھی
پکڑی طنابِ خیمہ کبھی، اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہراؑ کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے بیٹے سے بار بار
شانے دباؤ اے علی اکبرؑ، پدر نثار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار
بازو کا زور لے گئے عباسِ نام دار
وا حسرتا! کہ بے کس و بے یار ہو گئے
سر پیٹیں کس سے، ہاتھ تو بیکار ہو گئے

چلاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
پہنچا ہے دم لبوں پہ، ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
بھیا! خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
عباس! ہم اخیر ہیں، تشریف جلد لاؤ
پیاری تمھاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہے

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
خیمے میں غش ہے زوجۂ عباسِ خوش خصال
ڈیوڑھی پہ اہلِ بیت ہیں سب کھولے سر کے بال
پردے سے منہ نکالے ہیں اطفالِ خورد سال
لب اُنکے اودے اودے ہیں، منہ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک، ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر
اب پانی لے کے آتے ہیں عباس نام ور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بہ چشمِ تر
میرے چچا کب آئیں گے یا شاہِ بحر و بر؟
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے؟
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی! اب آئیں گے

گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستم گار، ہائے ہائے
مانگو دُعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے میں پانی سے گزری، نہ مشک آئے
ہے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی، آگ لگے ایسے پانی کو

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
چلائے بڑھ کے فوج سے دوچار اہلِ شر
حضرت کہاں ہیں، مر گئے عباسِ نام ور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

افشاں ہے سر کے خون کے چھینٹوں سے سب نشان
عباس کانپ جاتے تھے، جھکتا تھا جب نشان
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشان
کیوں اے حسینؑ، کون اٹھائے گا اب نشان؟
لاش ان کی پائمال ہوئی، زخم پھٹ گئے
جن میں علیؑ کا زور تھا، وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
آقا! تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جانِ زار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان!
گھر لٹ گیا ہے، خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان!
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان!
اِک اِک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان!
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیا! ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

دیکھا جو در سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال
ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم، کھولے سر کے بال
چلائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال؟
مڑ کر کہا حسینؑ نے، عباسِ خوش خصال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
زینب! اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

خورشید مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا
سید کا نورِ عین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشق حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا
زینب! ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

اکبر کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غم گسار
ماتم جوان بھائی کا ہے، تم پہ میں نثار
اکبر! خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا! پدر کے ہاتھ کو مضبوط تھام لو

اکبر پدر کو تھامے ہوئے نہر پر جو لائے
غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
چلائے شاہ: لاش کدھر ہے؟ کوئی بتائے
فرق آ گیا ہماری بصارت میں، ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبر! تمھیں دکھا دو برادر کی لاش کو

اکبر نے شہ کے ہاتھ پکڑ کے بصد بکا
رکھے چچا کے سینے پہ اور روکے یہ کہا
لیجے یہی ہے لاشِ علم دارِ باوفا
چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے، سنبھالو حسین کو
بھیا! ذرا گلے سے لگا لو حسین کو

عباس! ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب
ریتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسولؐ کی امت نے بے سبب
بھیا! ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے، جلا دو ہمیں منہ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے، دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ، جسم سے رخصت ہے جان کی

غش میں سنی جو گریۂ شبیر کی صدا
چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسِ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفیٰؐ
اس پیار کے نثار، اس الطاف کے فدا

زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسولؐ آئے ہیں مشکل کشائی کو

یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بہ غور
جھک کر پکارے شاہ کو بھیا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
لیں ہچکیاں، بگڑنے لگے تیوروں کے طور

پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہو گئی
تھرائے دونوں ہونٹ، زباں بند ہو گئی

اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کدھر گئے
منہ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے
وا حسرتا! حسینؑ کو بے آس کر گئے

اب کون دے گا دکھ میں نبیؐ کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

ہاں روؤ مومنو! یہ بکا کا مقام ہے
تم میں شریک روحِ رسولؐ انام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے
تاریخ آٹھویں ہے، محرم تمام ہے

موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا، وہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمھارے مرتے جو عباسِ باوفا
پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خداؐ کو کیا؟
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
زہراؑ بھی ننگے سر ہیں، قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسینؑ کو

پیٹو سروں کو، ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے "یا امام"
رخصت طلب ہے باپ سے اکبر سا لالہ فام
خاموش ہیں حسینؑ، نہیں کرتے کچھ کلام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب جانِ فاطمہؑ
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

بس اے انیس! روک لے اب خامے کی عناں
یہ غم ہے جاں گزا، نہ کبھی ہوئے گا بیاں
آنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں رواں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتولؑ کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسولؐ کو

-☆-

# جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

جس طرح فلک پر ایک ہی آفتاب ہے، اگر چہ ماہتاب اور بے شمار روشن ستارے بھی ہیں، اسی طرح مرثیے کے آسمان کا واحد آفتاب میر ببر علی انیس ہیں اور ان کو حاصل اس عظمت و شہرت کا مطلب دیگر عظیم شعرا کی فنی و شعری خدمات سے انحراف ہرگز نہیں۔ بلکہ اس تحسین کا مفہوم یہ ہے کہ انیس کا اسلوب سب سے جدا ہے، ان کا رنگ الگ ہے، ان کی فنی شان و شوکت نرالی ہے کیونکہ میر انیس وہ عظیم سخن ور ہیں جو:

وہ رستہ بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہوتا ہے

انھوں نے فن کی دنیا میں اپنی الگ راہ نکالی، تقلید نہیں کی، اگر کیا تو استفادہ کیا اور یوں کیا کہ بعد میں آنے والے ہر مرثیہ گو سخن فہم کے لیے سرچشمۂ فیض بن گئے۔

بالائی سطور کی سچائی کا ثبوت ''کلیاتِ انیس'' کا یہ آٹھواں مرثیہ ہے جو موضوع کے لحاظ سے حضرت علی اکبر کی جنگ اور شہادت کے واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس مرثیے کے 173 بند ہیں اور مولانا شبلی نعمانی کے بقول یہ میر انیس کے بہترین مرثیوں میں ہمیشہ سرفہرست رہے گا۔

اس مرثیے میں:

1- آمد بیان ہوئی ہے۔

2- سواری کا بیان ہے۔

3- گھوڑے کی توصیف ہے۔

4- تلوار کے جوہر بیان ہوئے ہیں۔

5- سراپا لکھا گیا ہے۔

6- رجز قلمبند ہوئے ہیں۔

7- رخصت کا منظر رقم ہوا ہے۔

8- جنگ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

9- شہادت کا واقعہ منظوم ہوا ہے۔

میر انیس کی المیہ نگاری کا سب سے بڑا شاہکار تلاش کرنا ہو تو ان کے کلام کا یہی مرثیہ بار بار سامنے آتا ہے۔ یہ شاہکار اول سے آخر تک ان کے کمال فن، حسن شاعری، لطافتِ بیان اور زبان کی خوبیوں کا خزانہ ہے۔ ناقدین اسے میر انیس کا نمائندہ مرثیہ قرار دیتے ہیں۔ اردو شاعری کی پوری تاریخ میں انیس کے علاوہ اس قسم کے اشعار کا کوئی دوسرا نمونہ موجود نہیں ہے۔ اس مرثیے کا اسلوب، زبان، انداز، تاثیر اور مقام غرضیکہ ہر پہلو انیس کو ان کی تمام شعری اور تخلیقی صفات سمیت سامنے لاتا ہے۔ حضرت علی اکبر کے میدان میں جانے سے پہلے حضرت عباس کی شہادت کے بعد کا منظر ملاحظہ ہو:

ماتم اِدھر تھا، جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

o——o

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آیئے
حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھایئے
زخم سنان و خنجر و شمشیر کھایئے

گرمی بڑی ہے آج، لہو میں نہائیے
آمادہ ہم تو دیر سے ہیں، بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اُپی ہوئی، خنجر بھی تیز ہیں

بطورِ نمونہء کلام یہاں پیش کیے گئے ان دونوں بندوں میں سے پہلے بند کا چوتھا مصرعہ تو جیسے کلیجا نکال کر باہر پھینک دیتا ہے: ''روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر''۔ کیا خوبی ہے، کیا فصاحت و بلاغت ہے۔ ایک طرف جشن اور ایک طرف ماتم کا ماحول قلمبند ہوا ہے۔ اس فضا میں ''دیکھ دیکھ'' تکرارِ لفظی کی مثال ہے اور اتنی برمحل ہے کہ کسی اور کے کلام میں شاید ہی ہو۔ پھر ''اِدھر اُدھر'' کا بھی جواب نہیں۔ اس سے دونوں منظر بھی مراد ہیں اور بالکل آس پاس کی ویرانی بھی جس میں امام عالی مقام حضرت حسینؓ کی نظریں کسی اگلے مجاہد کی متلاشی ہیں اور ساتھ ہی جذبات کا وفور فرات سے بھی زیادہ روانی کے ساتھ قابلِ مشاہدہ ہے۔ انیس کے کلام کے ان مقام پر اس کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے کہ آفریں، آفریں، صد آفریں۔

اس منظر کے بعد اگلے منظر کی طرف انیس یوں بڑھتے ہیں کہ علی اکبر کو آبدیدہ امام عالی مقام حضرت حسینؓ سے گفتگو کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ علی اکبر شامیوں کو دیکھ کر جناب حسینؓ سے درخواست کرتے ہیں:

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام
کانپے یہ غیض سے کہ اگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلہء انام
سنتے ہیں آپ، لشکرِ اعدا کے یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے، ہنگامِ جنگ ہے
مولا! بس اب تو حوصلہء صبر تنگ ہے

اس پورے مرثیے میں زبان کی سلاست اور سادگی بے مثال ہے۔ بیان کی ہمواری قابلِ دید ہے۔ جذبات و احساسات کی ترجمانی بے مثال ہے۔ خاص طور پر حضرت زینب اور

علی اکبر کی گفتگو کے تناظر میں اظہارِ محبت کے نفسیاتی پہلو کا بیان انتہائی دلکش اور رُلا دینے والا ہے۔ مختصر یہ کہ امام عالی مقام حضرت حسینؓ کی حالت اور حضرت زینب کے بین انیس نے علی اکبر کی شہادت سے پہلے اور بعد میں جس انداز سے کاغذ پر اتارے ہیں، اس کی مثالیں خود انیس کے ہاں بھی کم ہیں۔ یہ بے مثال مرثیہ انیس کی فنی وفکری عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔
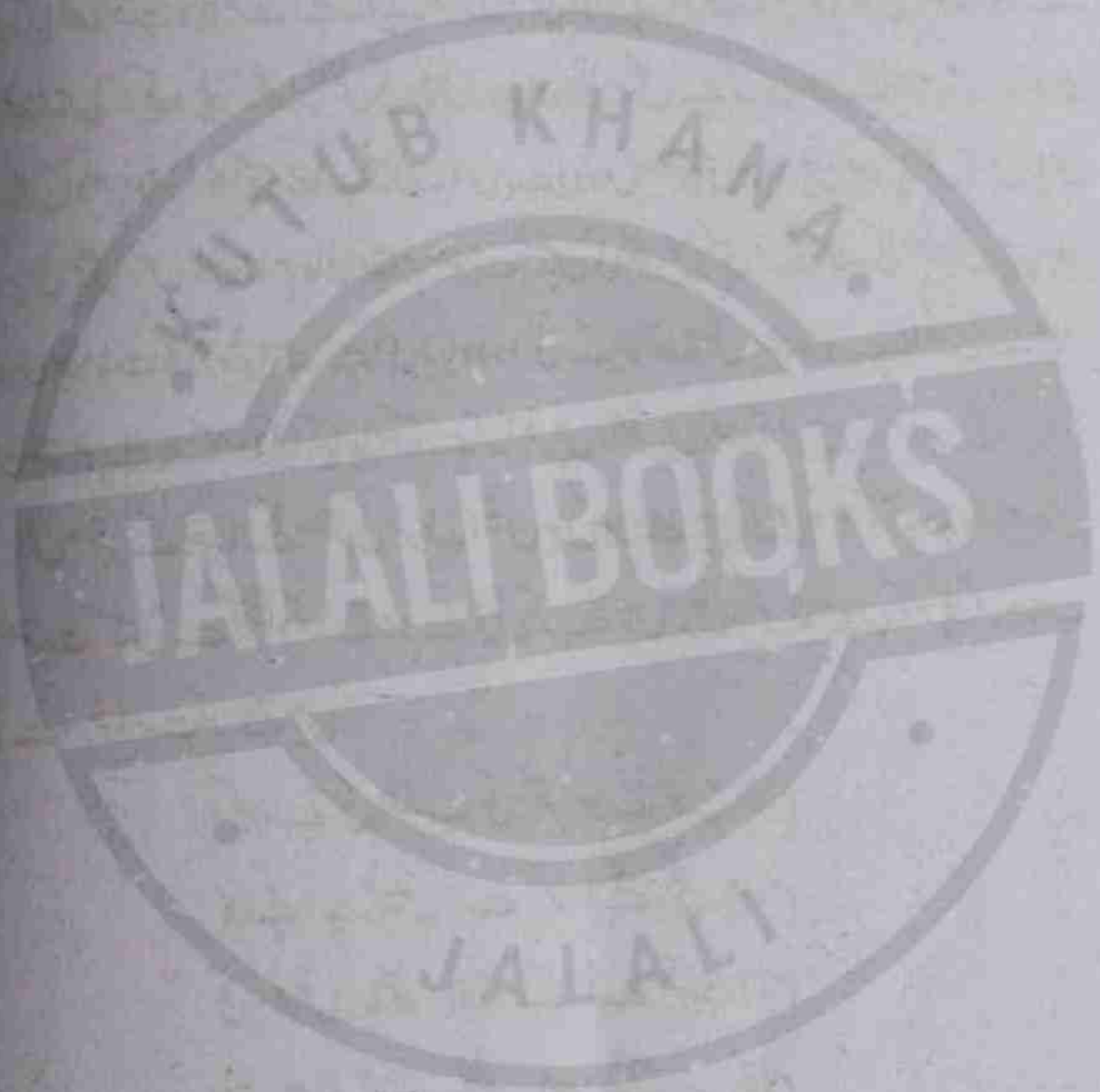
-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے، کام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے

پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر اُن کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیں دار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد
مردانگی یہ پیاس میں، فاقوں میں یہ جہاد

تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ میں گر آسمان پیر
لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر
گورے نہ ان کے پاؤں نہ روئے مہِ منیر
خورشید جن کے سامنے اک ذرۂ حقیر

پُرخوں قبائیں جسم میں، پینے تنے ہوئے
پہنچے ریاضِ خلد میں دولہا بنے ہوئے

رستم اٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنی قمر اُن کے سامنے
اڑتا تھا رنگِ روئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن، جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود
دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رخ سے عیاں جلال و جواں مردی و نمود
شیدائے آل، شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہ دین کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئنے کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی انہیں صحبتِ امام
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدرؓ سے دل کے جام
ذی قدر و ذی شعور و دلاور خجستہ کام
لشکر جو ان پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں سینوں پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب، ہزاروں میں لاجواب
تھا خشک و تر پہ جن کا کام صورتِ سحاب
وہ نور، وہ جلال، وہ رونق، وہ آب و تاب
زہراؑ کے گھر کے چاند، زمانے کے آفتاب
بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ
جعفر کے لاڈلوں نے دیے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ
پامال ہو گیا حسنِ مجتبیٰ کا باغ

لاشے اٹھائے، جنگ کرے، یا بکا کرے
جس پر گریں یہ کوہ مصیبت، وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر
نکلے نبرد کو اسداللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ نر
رخصت ہوئے حسینؑ سے عباس نام ور

دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

پیری میں قہر ہے خبرِ مرگ نوجواں
ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں
تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم، کہ الاماں

یوں گھر الٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلِ بیت
دنیا سے کوچ کر گیا، سقائے اہلِ بیت
ہم لٹ گئے، گزر گیا سقائے اہلِ بیت
فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلِ بیت

ہے ہے! کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائیں گے

جلتا تھا خیمہ، روتے تھے یوں اہلِ بیتِ شاہ
صدمے سے حالِ زوجۂ عباس تھا تباہ
چلاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ
لوٹی گئی ہیں دشتِ پُر آفت میں آہ آہ!

خم تھے، گرا تھا کوہ مصیبت حسینؑ پر
ماتم تھا بیبیوں میں سکینہ کے بین پر

ماتم اِدھر تھا، جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آیئے
حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھایئے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھایئے
گرمی بڑی ہے آج، لہو میں نہایئے

آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اُپی ہوئی، خنجر بھی تیز ہیں

کاٹے ہیں جس نے بازوئے لختِ دلِ امیر
ہے خوب آب دار وہ شمشیرِ بے نظیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو، موجود ہے وہ تیر
یہ گرز وہ ہے، ضرب سے جس کی ہوئے اخیر

تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
برچھی وہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہ انس و جاں
اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
رونے سے جی اُٹھیں گے نہ عباسِ نوجواں
حضرت پکارتے ہیں کسے؟ بھائی اب کہاں؟
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گزر گیا
اب فکر اپنی کیجیے، وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام
کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے، اے قبلۂ امام!
سنتے ہیں آپ، لشکرِ اعدا کے یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے، ہنگامِ جنگ ہے
مولا! بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

اُن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب
خادم زبانِ تیغ سے دے گا اُنھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب
نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
آدابِ شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

جوہر دکھائیں ہم کو، بہادر جو ہیں بڑے
تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
کیا لطف ہے جو ایک پہ سو مل کے گر پڑے
چاہیں جو ہم تو نہر کو لے لیں کھڑے کھڑے
دبتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر، شیر ہیں

عمو کو قتل کر کے بہت ہو گئے ہیں شیر
ان ظالموں کے زعم میں اب ہم نہیں دلیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب رن میں ہوں گے ڈھیر
دیکھیں تو کون اب ہے زبردست، کون زیر
مجمع ہے اُس طرف، ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یونہی سہی، ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند
کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائیں گے پھر سمند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جان دردمند
کاٹیں تبر سے، تیغ سے، خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغِ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ
فرمایا خیر، کہہ لیں جو کہتے ہیں رُو سیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے، اے میرے رشکِ ماہ!
لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو

برہم نہ ہو، تمھیں سرِ شبیر کی قسم
لو گھر میں جاؤ، خیر، سمجھ لیں گے ان سے ہم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم
تلوار دل پہ چل گئی، مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بددعا کروں
پر امتِ نبیؐ ہے، بجز صبر کیا کروں

یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفیٰؐ
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا!
وہ وقت، وہ گھڑی، نہ دکھائے ہمیں خدا
بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا

آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملے اگر تو موت ہے

کیا پہلے سر کٹایئے گا یا شہِ زماں؟
کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ "ہاں"
آگے جو کچھ رضائے خدا، اے پدر کی جاں!
جیتے ہیں پیر، سامنے مرتے ہیں نوجواں

دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے، وہ دریا پہ سوتے ہیں

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر
پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بہ چشمِ تر
کی عرض رحم کیجیے، مر جائے گا پسر

آگے مرے جو ہو گی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام
یا شاہ! کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام؟
عمو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام
ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام!

عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رن میں کام آئے باپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب
بیٹا تو گھر میں بیٹھے، لڑے باپ تشنہ لب!
مارا گیا نہ آج، تو کل یہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہے دنیا کا، ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا
بیٹا جوان، باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسولؐ رن کی رضا دیجیے مجھے
صدقہ علیؑ کا اذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام، جلا دیجیے مجھے
یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبرؑ! نثار ہو

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر
پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کا عصائے ضعیفی جواں پسر
جب تم نہ ہو گے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے بنے نہ تھے کہ ہمیں تم رلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

راتیں یہ عیش کی ہیں، مرادوں کے ہیں یہ دن
پورے جواں نہیں، ابھی کیا ہے تمھارا سن
اکبر تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن
کیونکر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بن
کیسی ہوا چلی چمنِ روزگار میں
سید کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال
ہوتی پدر کی قدر، سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یونہی کرتا وہ جب سوال
تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصتِ جدال
کیا جانے وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو، تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کر کے بولے علی اکبرِ غیور
لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور!
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور
برچھی لگا کے دل پہ خوشامد یہ کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو رضامند کیجیے

ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار
تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار
ہاں، ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل ہلے گا بدن تھرتھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اُس کو آئے گا

سب جانتے ہیں جو ہے پھپھی کو تمھاری چاہ
معلوم ہو گا، جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
بانہیں گلے میں ڈالے گی زینب بہ اشک و آہ
قدموں پہ گر کے آپ کے ماں ہو گی سدِ راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

حسرت یہ ایک کو ہے کہ دولہا بنے پسر
آئے دلہن جو چاند سی، آباد ہو یہ گھر
پوتے کی آرزو میں ہے اک سوختہ جگر
نخلِ مراد کا بھی دنیا میں ہے ثمر

ہر دم یہی ہے ذکر، جو فضلِ الٰہ ہو
اُنیسویں برس علی اکبر کا بیاہ ہو

ماں کہتی تھی بناؤں گی دولہا اسی برس
مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا، نہ اُن کا بس
ہم بھی مریں گے، خیر، نہیں اتنا پیش و پس

شکوہ ہے چرخ کا، نہ شکایت ہے آپ کی
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام
کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام
دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام

دامن سے آ کے، بالی سکینہ چمٹ گئی
زینب بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گل عذار
تم صبح سے گئے تھے اب آئے؟ یہ ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار
کھولو بس اب کمر کہ مرا دل ہے بے قرار

گرمی یہ، اور قحط کئی دن سے آب کا
رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

تر ہے قبا پسینے میں، پنکھا کوئی ہلاؤ
سنولا گئے ہو دھوپ میں، واری! ہوا میں آؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی، بیٹھ جاؤ
گھٹ جائے گا لہو مرا، آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہو اُسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر؟
جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے، مگر
لٹتا ہے کوئی آن میں خیرالنسا کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں، آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اس وقت کس سے دردِ دل اپنا کہوں میں، آہ!
تم بھی ہو سدِ راہ، پھپھی بھی ہیں سدِ راہ
چھائی ہے اِن گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
اماں، مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ، بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

دیتے نہیں رضا جو امامِ فلک اساس
خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھپھی کا پاس
اب غیرِ یاس کوئی نہیں اُن کے آس پاس
ناطاقتی ہے، ضعف ہے، فاقہ ہے اور پیاس
کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری میں دل ضعیف ہے، اعضا ضعیف ہیں

عباس جب سے مر گئے، روتے ہیں دم بدم
رخ زرد ہے، کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
چلوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیِ ستم
قرباں ہوں کس طرح پسرِ فاطمہؑ پہ ہم
سب روکتے ہیں، اُن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو، پھپھی کو، بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ
راضی پھپھی ہوں جب، تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ
یا فاطمہ! تمھیں علی اکبر کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیر، شہِ مشرقین پر
نرغہ ہے ظالموں کا تمھارے حسینؑ پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابیِ پسر
وارث کی بے کسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
دولت پہ فاطمہؑ کی تصدق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا، نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے تمھیں کب روکتی ہوں میں

زہراؑ کے لال پر مرے مادر پدر نثار
عابد نثار، اصغرِ تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا، لاکھ سر نثار
قربان گھر، کنیز تصدق، پسر نثار
کسرائی گو کہ ہوں، پہ بہو میں علیؑ کی ہوں
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں

مجھ پر حوالے کرتے ہیں گر شاہِ خوش خصال
رخصت نہ تم کو دوں، یہ بھلا! ہے مری مجال؟
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال
رخصت کا صدقے جاؤں، پھپھی سے کرو سوال

ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم، وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمھارے سب
لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو انھوں نے دن کبھی جانا، نہ شب کو شب
لیجے انھی سے، آپ کو جس شے کی ہے طلب

مجھ سے نہ کچھ، نہ سیدِ عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر، پھپھی کے پاس
دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
زانو پہ سر لیے ہوئے کبریٰ ہے بے حواس
اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلامِ یاس

اب تاب و طاقتِ جسد و روح و دل گئی
کیوں صاحبو! رضا علی اکبر کو مل گئی؟

اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب
اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
اُس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب
نامِ خدا جواں ہوئے، کیا ہم سے کام اب

ہیں محوِ رن کے شوق میں، رخصت کے دھیان میں
سچ ہے، کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم
مالک اب اور ہو گئے، کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم
ہے ہے وہ میرا درد و مصیبت، وہ رنج و غم
جاگی ہوں میں، جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں
پوچھو تو، کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں؟

کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی
بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
بے اُن کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی
روئیں پسر، پہ اُن کے رلاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی، ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خرد سال
پر ان کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال
میں کہتی تھی ہٹو، علی اکبر ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا
پر عون کیا عقیل تھا، بخشے اُسے خدا
دن رات تھی خوشامد ہم شکلِ مصطفیؐ
سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کیا
آقا کے نورِ عین ہیں، عالی مقام ہیں
اماں! یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر
اُلفت میں ان کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر
صورت پہ تھی انہی کی تلاوت میں بھی نظر

غافل نہ ان کے پیار سے میں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پر تھا، حمائل میں جان تھی

میں نے انھی پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال
تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
مانگے تو آ کے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال
نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال

کیا خوب جیتے جی مرے جائیں گے مرنے کو؟
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو؟

بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار
اب کیا غرض، گزر گئی وہ فصل، وہ بہار
بھیگیں مسیں، نمود ہوا سبزۂ عذار
مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار

ثابت ہوا اُدھر سے اُدھر مرنے جائیں گے
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئیں گے

باہر سدھارے یا ابھی ماں سے ہیں ہم کلام؟
بھابھی نے کیوں لیا تھا ابھی رو کے میرا نام؟
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام
آنکھیں تو آپ کھولیے، حاضر ہے یہ غلام؟

خادم جدا نہ تھا شہ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے، یہ عتاب
کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضی جناب؟
روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب
شکوہ یہ خاکسار کا اے بنتِ بُوتراب
ہر دکھ میں، ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجھ کو، مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی
کرتی ہے روح شکر، وہ راحت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی
رکھا عزیز آپ نے، عزت مجھے ملی
صدقہ ہے اس قدم کا جو سر تا فلک گیا
کی مہر آفتاب نے، ذرہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام
بندے ہیں ہم، اطاعتِ مالک سے ہم کو کام
تکرار کی مجال، نہ اصرار کا مقام
مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لیے، اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے، منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار
بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اُٹھیں بحالِ زار
شکوے کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نثار
اُڑا جو دل تو چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو، آنسو ٹپک پڑے

لے کر بلائیں بولی کہ واری خفا نہ ہو
صدقے ہے تم پہ جان ہماری، خفا نہ ہو
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری، خفا نہ ہو
روتے ہو کیوں، منگاؤ سواری، خفا نہ ہو
آئے بلا حسینؑ پہ جو، اُس کو رد کرو
اچھا سدھارو، دکھ میں پدر کی مدد کرو

الفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
بانو کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر
کیا ماجرا ہوا، مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وار ان کا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجا نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نونہال؟
ہے ہے مری کمائی پہ آ جائے گا زوال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال
بے ہوش ہوں، حواس میں ہے میرے اختلال
ایسا ہے ضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ میں نہ ہو سخن اُس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی، یہ قدم پہ گرے تھے جب
میں بھی کہوں، یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب!
لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب
اکبر کو میں نے ہاتھ میں کھویا تھا، ہے غضب
اصلاً خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا، اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا مرنے کو جائے یہ گل بدن؟
راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن؟
بے خود ہوں جب سے رن میں سدھارے شہِ زمن
کہتی ہوں کچھ زباں سے، نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبر کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل، نہ زباں اختیار میں

زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں؟
اس پیاس میں شہید ہوں فاقوں میں زخم کھائیں؟
اٹھارہواں برس ہے، دلہن تو مجھے دکھائیں
پالا ہے منتوں سے مرادیں مری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں، سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر
ایسا نہ ہو کہ بانوئے بیکس کو ہو خبر
گر سن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر
پیارا ہوا نہ بنتِ علی کو مرا پسر
سمجھی تھیں کیا جو دی اسے رخصت جدال کی
زینب نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

سچ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں
ہوں لاکھ اُن کی چاہنے والی، وہ پھر ہے ماں
آنکھوں کا نور، قلب کی طاقت، بدن کی جاں
آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں
کیا سوچتے ہو صاحبو، کچھ تم کو خبر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں، پھر غیر غیر ہے

ماں کی نہ کم توجہی اور یہ کسی کا پیار
غصہ ہو یا کہ سخت کہے، دل میں ہے نثار
بلبل فدا ہے گل پہ، شکایت کرے ہزار
دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
دیں ماں کا ساتھ، نامِ خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال، پھر اُس کی تو جان ہیں

جس دم سنے یہ دور سے بانو نے سب کلام
آئی قریب حضرتِ زینب وہ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہرِ امام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت، بجا کیا

لونڈی ہے فاطمہؑ کی کنیزوں میں باوفا
ہو قطع وہ زباں، جو کرے آپ کا گلا
حضرت کو اُن کے سر پہ سلامت رکھے خدا
مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا
کچھ جائے گفتگو ہے، نہ ماں کو نہ باپ کو
ہے دخل اذن دینے کا دینے کا آپ کو

غم کھایئے، نہ خونِ جگر آپ پیجیے
عابد کو بھیج دیجیے، اصغر کو لیجیے
ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجیے
قربان جاؤں، جو ہو مناسب وہ کیجیے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریک ثواب ہوں
میں ہر طرح سے تابعِ حکمِ جناب ہوں

گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں
شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطاں کی جائی ہوں
لونڈی ہوں آپ کی علی اکبر کی دائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں
بھاوج نہ جانیے مجھے، ادنیٰ کنیز ہوں

آپ اس کی ماں ہیں، آپ کا فرزند ہے یہ لال
دخل اس معاملے میں کوئی دے، یہ کیا مجال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال؟
قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
آپ اس کو چاہتی ہیں، یہ صدقے ہے آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قسمت بری ہے، اس میں کسی کا قصور کیا
اچھا، رہیں کہ جائیں، ہمارا بھی ہے خدا
پروا ہماری ہے، نہ خیال ان کو آپ کا
تابع ہم آپ کے بھی ہیں، ان پر بھی ہیں فدا
عابد ہوں یا کہ یہ، بھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں، نہ ہمارے ہیں

یہ سن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار
آئی صدائے فاطمہؑ، بیٹی! یہ ماں نثار
اللہ یہ محبتِ فرزند، اور یہ پیار!
تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گل عذار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نورِ عین کو
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسین کو!

آواز سن کے کانپ گئی بنتِ مرتضیٰ
بانو کے منہ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
واری سدھارو! خیر جو کچھ مرضیِ خدا
ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا

یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنتِ نبی تمھاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کر کے خیمے سے وہ سیم بر چلا
پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا
چلاتی تھی پھپھی مرا لختِ جگر چلا

لٹتے ہیں اہل بیت، دُہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیرالانامؐ کی

بھائی کے غم سے عابد بے کس تھے بے قرار
اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا ترے نثار
سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بحالِ زار

اک حشر تھا، جدا علی اکبر جو ہوتے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے

ہلتا تھا خیمہ، رانڈوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی
آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی ادھر کو غش تھی، کوئی تھی اُدھر پڑی
آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی

ماتم تھا یہ حسینؑ کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور
خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکمِ شہِ نام دار ہو
رو کر کہا حسینؑ نے اچھا سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار
گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیِ براق، فلک سیر راہوار
صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تھام کر جگر
جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوانِ حسیں، غیرتِ قمر
چہرے پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب، بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

ہے دھوم ذرے ذرے میں اس آفتاب کی
خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک و گلاب کی
سر تا قدم ہے شانِ رسالت مآبؐ کی
تصویر ہے رسولِ خداؐ کے شباب کی
گھوڑے کے گرد جن و ملک کا ہجوم ہے
'صلو علی النبیؐ' کی بیاباں میں دھوم ہے

روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو
رخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو
آغوش میں لیے ہے شب قدر ماہ کو
چہرے کے نور سے شب مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
گویا رسولِ پاک کا رن میں گزر ہوا
چلائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا
ہنگامِ ظہر تھا پہ گمانِ سحر ہوا
جلوہ دکھایا برقِ تجلی طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

غش ہو گیا کوئی، کوئی گر کر سنبھل گیا
صلِ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا
چمکا جو نور، دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
دریائے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا
سب پست تھے، زمیں کے ستارے کا اوج تھا

صحرا کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا
جو مردہ دل تھے، دم میں انھیں زندہ کر دیا
ذروں کو آفتابِ درخشندہ کر دیا
گردوں کو اُس زمین نے شرمندہ کر دیا
پایہ زمیں کا عرش کے ہم دست ہو گیا
جادے سے اوج کاہکشاں پست ہو گیا

اللہ رے نبیرۂ مشکل کشا کی شان
تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان
حمزہؓ کا رعب، زورِ علیؑ، مصطفیٰؐ کی شان
پاکیزگی نسب میں، بزرگی صفات میں
شیرینیِ کلامِ حسنؑ بات بات میں

کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب
وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
اپنی جگہ پہ خال کے نقطے ہیں انتخاب
پتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب
گردن کی ضو میں طورِ تجلیِ طور کے
سب عضوِ تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

دل پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک
طینت میں آبِ خلد تھا اور کربلا کی خاک
غرفوں سے جس کے حسن کی حوروں کو جھانک تاک
یوسف جو دیکھ لیں تو کہیں 'روحنا فداک'
نام اُس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
سو بار پڑھ کے سورۂ نور اُس پہ دم کیا

کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ
رکھتی تھی رعب یہ، نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف پہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ
غصہ ستم کا، قہر کی چتون، غضب کی آنکھ
پانی تھا خوفِ جاں سے جگر ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

غل تھا رسولِؐ پاک کے ثانی کو دیکھنا
حسنِ بہار باغِ جوانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا
یہ سب تو ہے، پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا
نازک لب اس صفت کے، دہن اس طریق کا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال
یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
قامت ہے یہ کہ سروِ گلستانِ اعتدال
ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوئے گی
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئے گی؟

زخمی جو ہو گی تیر سے یہ چاند سی جبیں
پٹکے گی سر کو خاک پہ بانوئے دل حزیں
تیغوںؑ سے جب کٹیں گے یہ رخسارِ نازنیں
پیٹیں گے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہِ دیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایوبؑ بھی جو ہوں تو کلیجا نکل پڑے

ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام
یہ وقتِ کارزار ہے اے ساکنانِ شام!
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام
مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام
لوٹو! جنابِ فاطمہ زہراؑ کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسینؑ کے گھر کے چراغ کو

تصویرِ مصطفیؐ کی مٹائے گا آج جو
کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہو گا وہ
محبوبِ کبریاؐ کے مشابہ ہے گر تو ہو
اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے نہ دو

ہے اس سے کیا مراد حسینؑ ہے کہ نیک ہے
دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور، وہ ایک ہے

دنیا نہ جائے، دین کا گر ہو تو ہو ضرر
ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
تم آب دیدہ ہو لبِ خشک اُس کے دیکھ کر
قطرہ نہ دوں میں، گھٹنیوں اصغرؑ بھی آئے گر

غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو
اولادِ مرتضیٰؑ میں کسی کا نشاں نہ ہو

ہاں غازیو! نہ اس کی جوانی کا غم کرو!
نیزے پہ نیزے مارو، ستم پر ستم کرو!
برچھے اٹھاؤ ہاتھوں میں، تیغیں علم کرو
نخلِ مرادِ سبطِ نبیؐ کو قلم کرو!

بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائیں گے حسینؑ
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائیں گے حسینؑ

چھد جائے گا سناں سے جو اس شیر کا جگر
تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرا پسر
نکلے گی خیمہ گاہ سے زینبؑ برہنہ سر

حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

یہ گل عذار دخترِ حیدر کی جان ہے
بہنوں کی زندگی ہے، برادر کی جان ہے
بابا کی روح ہے، تنِ مادر کی جان ہے
بے جاں کرو اسے کہ یہ سب گھر کی جان ہے
جوشن یہی ہے بازوئے برنا و پیر کا
بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

یہ سن کے فوج کیں ہوئی آمادۂ نبرد
دردِ دلِ حسینؑ کا تھا ایک کو نہ درد
غل سن کے ہو گیا شہِ والا کا رنگ زرد
کانپے جو پاؤں، بیٹھ گئے بھر کے آہِ سرد
ماں گر پڑی زمیں پہ پھپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھا گئی

قرنا پھنکی سپاہ میں طبلِ وغا بجا
باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جابجا
پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا
چلائے اہلِ بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
رانڈو دعا کرو! علی اکبر اکیلے ہیں

لڑنے کو اُس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے
تنہا ادھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
چومے قدم نہیب نے جھک کر یہ جب بڑھے
گویا پئے جہاد امیرِ عرب بڑھے
دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی، دن جو بڑھا رات گھٹ گئی

ڈھالوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود
گو تھے کئی ہزار پہ کیا اُن کی ہست و بود
تھرا گیا تمام جنودِ سقر ورود
نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود
عبرت سپاہِ شام پہ وہ چند ہو گئی
باجوں کی فوج کیں کے صدا بند ہو گئی

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ
صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغ شعلہ رنگ
چمکا اک آئنہ کہ ہوئی فوج شام دنگ
دکھلائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آ گئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر
جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر
کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں، سروں کے ڈھیر
اک سیل زور و شور سے آئی گزر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اوّل کدھر گئی

جب یہ بڑھے لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا
باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا
بس دفعتاً سپاہ کا دفتر اُلٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہو گئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی
جو صف بھری ہوئی تھی، وہ خالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغِ ہلالی نظر پڑی
سوئے جنوب فوج شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں، موت آتی ہے
کیونکر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے ادھر اُدھر
چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے ادھر اُدھر
پیشِ نظر تھے خون کے تھالے ادھر اُدھر
ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے اِدھر اُدھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا، نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی
چار آئنہ کٹا، زرہِ خیرہ سر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی
سینہ کٹا، جگر ہوا زخمی، کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اس کی چمک دمک
کانپی کبھی زمیں، کبھی تھرا گئے فلک
شعلے میں یہ لپک تھی، نہ بجلی میں یہ چمک
ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاو زمیں سمٹتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

سیدھی چلی وہ جب صف دشمن الٹ گئی
باقی تھی جتنی عمر، تہِ تیغ کٹ گئی
آ کر زمیں پہ جب سوئے گردوں پلٹ گئی
بجلی سے رعد، رعد سے بجلی لپٹ گئی

گرتے تھے جن زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
بھنتے تھے جبرئیلِ امیں کانپ کانپ کے

ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں
چلّے کہیں تھے، شست کہیں اور کماں کہیں
نیزے کہیں تھے، ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں
جمدھر کہیں، کمند کہیں، برچھیاں کہیں

اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

چمکی، گری، اٹھی، ادھر آئی، ادھر گئی
خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم، کبھی بالائے سر گئی
ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی

اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سر خود سروں کے چنبرِ گردن سے اڑ گئے
ہاتھ آستیں سے اڑ گئے، سر تن سے اڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اڑ گئے
پائی جو راہ، طائرِ جاں تن سے اڑ گئے

تھے قتلِ عام پر علی اکبر تنے ہوئے
رستے تھے بند، زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

اللہ رے دوآبہ تیغ دو دم کا کاٹ
آفت تھی جس کی باڑھ، قیامت تھا جس کا گھاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ
ہر دم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغز قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی
تن سے اُڑا دیا وہیں سر، جس کو پا گئی
ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی
فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئینے کا کاٹ اسی پر حوالہ تھا
ذکر اس کا کیا ہے، خود تو منہ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا، نہ صورت فرار کی
پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
روئیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی
ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچا تھا دیو کا

اُتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی
دم بھر میں آبِ تیغ کی ندی غضب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اُتری یہ کب چڑھی
سب کو بخارِ تیغ سے لرزے کی تب چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی
پیاس یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی
بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی

خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

قعرِ سقر میں کشتۂ ضربِ نخست تھے
بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
قبضے میں تھا نہ زور، نہ بازو درست تھے
کھنچیں کسے، کمانوں کے بازو بھی سست تھے

ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم، یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جُو پھینکنے لگے
مغفر سروں سے مثلِ سبو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لبِ جُو پھینکنے لگے
تنکا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے

ترکش بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتحِ جنگ کو جو ایک آن میں
رعشہ تھا ان کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
اُلجھاتے تھے کمند، کمینے کمان میں
ترکش میں تیغیں رکھتے تھے نیزوں کو میان میں

تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول، بول کے
پہلے اُنھی کو مار لیا رول رول کے
حملے کیے جو تیغ دو دم تول تول کے
ہتھیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
اس شان سے کبھی نہ عجم، نہ عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے
اس گھاٹ پر جو آئے، سر اُن کے اُتر گئے
رستہ تھا ایک، ادھر وہ گئے یا اُدھر گئے
ہر پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
نارِ اُن کے اشتیاق میں، آب ان کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے آب میں، پانی نے آگ میں

وہ حرب، وہ شکوہ، وہ شانِ پیمبری
نعرے وہ زور و شور کے، وہ ضربِ حیدری
وہ تیغ خونچکاں، وہ جلالِ غضنفری
راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری
چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہُما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں
گنڈے کو دیکھ کر مہِ نو ہوئے سرنگوں
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں
غنچے بھی کچھ بڑے ہیں، کنوتی کو کیا کہوں
قربان ہزار جاں، فرسِ بے نظیر[1] پر
سوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کوتاہ و گرد و صاف، کنوتی کمر، کفل
کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہیں آرام، ایک پل
پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی، اس کے لیے تازیانہ تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند
سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
سم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ، اُڑ گیا
پُتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال
کبکِ دری خجل، دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
اک دو قدم میں بھول گئے جو کڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبدِ دوار بن گیا
نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کی گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اس جری نے قتل کیے پانچ سو جواں
ہر صف سے، ہر پرے سے اُٹھا شورِ الاماں
چلّایا ابنِ سعدِ سیہ قلب و سخت جاں
نکلیں، وہ دس ہزار کماں دار ہیں کہاں!

برچھی کا اب ہے کام، نہ تلوار چاہیے
اس نوجواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

فاقہ ہے تین روز کا، سولہ پہر کی پیاس
دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس؟
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس
برساؤ تیر دور سے، جاؤ نہ اس کے پاس

بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اُٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

یہ سن کے تشنہ لب پہ چلے چار سُو سے تیر
پھر عقب سے پڑنے لگے، روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر
سب سرخ تھے شبیہِ نبی کے لہو سے تیر

مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راہوار
بجلی چمک کے ہوگئی گویا فلک کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغ آب دار
تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار

حملہ کیا تھا جن پہ رُخ ان کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آ گیا سنانوں میں وہ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیرِ آب
طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب
آمد ہوئی جو غش کی سرِ پاک جھک گیا
واحسرتا! کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھراتے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزۂ تکاں کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
قربانِ جرأتِ پسرِ شاہِ نام دار
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغِ آب دار
پہنچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گُرز، ہے ستم
یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
رکھ دی گلے پہ شیث نے شمشیرِ تیز دم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کرو نہ رحم تن پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبرِ مہ رُو کی لاش پر

حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب
سن کر یہ غل، رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب
ناگاہ آئی رن سے صدا اے فلک جناب!
بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آیئے شتاب!
لاشے پہ ظلم و جور بدافعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہلِ کیں ہمیں پامال کرتے ہیں

سن کر یہ استغاثۂ فرزندِ خوش خصال
سید نے آہ کی کہ ہلا عرشِ ذوالجلال
کھولے جنابِ فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال
بانو پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال؟
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب! بتاؤ، کیا مری بستی اُجڑ گئی؟

نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر "پدر پدر"
اب گھر سے میں نکلتی ہوں، ہے ہے مرا پسر!
پردہ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اُسی کی ہے، پہچانتی ہوں میں

بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہِ نام دار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا اُلٹ پلٹ تو کلیجا تھا بے قرار
اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے، شبیہ پیمبر! ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر! ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے
اے نورِ عین! جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے
زخمی ہے قلب، روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجا نکال کے

آؤں کدھر کو، اے علی اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر، جواب دو
اکبر! برائے خالقِ اکبر جواب دو
بیٹا! جواب دو، مرے دلبر، جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا! ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہیں، میں کدھر جاؤں، کیا کروں!
اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں، کیا کروں!
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤں، کیا کروں!
کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے میں لاؤں، کیا کروں!
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جسمِ زار، زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں تنِ مجروح سے نکل
ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اس کا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبر کے پاس ہو

جنگل سے بے حواس پھرے، نہر پر گئے
واں بھی جو وہ گہر نہ ملا، سوئے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے

ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسرِ ماہ رُو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے بہ اشک و آہ
ہے کس طرف، مرے علی اکبر کی قتل گاہ؟
اے ظالمو! یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ؟
کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ

بتلاؤ! جان ہے کہ نہیں جسمِ زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں؟

لاشِ پسر کو ڈھونڈتے تھے شاہِ بحر و بر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شر
کہتا تھا شمر، اے پسرِ سیدالبشر!
کس کو حضور ڈھونڈتے ہیں، مر گیا پسر

خود ڈھونڈ لیجیے جسدِ پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سن کے کھینچ لی شہِ والا نے ذوالفقار
چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار
چلائے اے عقاب! کدھر ہے ترا سوار؟

دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نورِ عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسین کی

ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشمِ نم
ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں، میں اسیرِ غم
اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم!

ہے ہے، وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے، صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر
یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے اُدھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بہ چشمِ تر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ بحر و بر

جنگل میں لاشۂ پسرِ نوجواں ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں
پیکاں گلے میں، ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سناں
گردن تھی کج، پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں

ٹاپوں سے مرکبوں کی جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید، خاک میں گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں وا کر کے چشمِ تر
اے جان جسمِ زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے!
زندہ رہے یہ پیر، جواں یوں جہاں سے جائے
اے لال، تین روز کے فاقے میں زخم کھائے

شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گل عذار
کیوں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے پٹکتے ہو بار بار؟
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بے قرار
بیٹا! تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار

بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبر! تمھاری ماں نہ جیے گی فراق میں

غش میں سنا جونہی علی اکبر نے ماں کا نام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ! کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں
پانی نہیں ہے مجھ کو میسر، میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستم گر، میں کیا کروں
کچھ بس نہیں مرا مرے دل بر، میں کیا کروں

اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا! تمھاری ساقیِ کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زباں ہلی کہ "خدا حافظ، اے پدر"
ہچکی جو آئی، تھام لیا ہاتھ سے جگر
انگڑائی لے کے، رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر

آباد گھر لٹا شہِ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راویِ غمگین و پُر ملال
یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زنِ فاطمہ جمال
گویا جنابِ سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال

تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلائی تھی ارے میرا پیارا ہے کس طرف؟
اے آسماں! وہ عرش کا تارا ہے کس طرف؟
اے ابرِ شام، چاند ہمارا ہے کس طرف؟
اے ارضِ کربلا! وہ سدھارا ہے کس طرف؟

ہے ہے، سناں سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی؟

اے میرے لمبے گیسوؤں والے، کدھر ہے تُو؟
ہے ہے مرے غریبی کے پالے، کدھر ہے تُو؟
واری! کہاں لگے تجھے بھالے، کدھر ہے تُو؟
کیونکر پھپھی جگر کو سنبھالے، کدھر ہے تُو؟

اٹھارہواں برس تھا کہ موت آ گئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں
خوش رُو جواں، غریب جواں، مہ جبیں جواں
صفدر جواں، شکیل جواں، نازنیں جواں
کس نے تجھے مروڑ لیا، اے حسیں جواں
آغاز تھیں مسیں، ابھی ایسے مُسن نہ تھے
بچے مرے، ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
سیدانیوں کا غول تھا، پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس اِدھر سے وہ نوحہ گر
آئے اُدھر سے لاش لیے شاہِ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبر کی لاش سے

ہاں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو! بُکا کرو
ہاں، اے خدا کے دوست کے پیارو! بُکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے پہ مارو، بُکا کرو
اکبر جہاں سے اُٹھ گئے یارو! بُکا کرو
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بیٹے کا پُرسا حسین کو

اولاد والو! درد کرو شہ کے دل کا یاد
نہ آج کی خبر ہے، نہ ہے کل کا اعتماد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیرِ خوش نہاد
بیٹا جہاں سے اُٹھ گیا ناشاد و نامراد
خوش رُو تھے، خوش مزاج تھے، شیریں بیان تھے
پیٹو جوانو! اکبرِ مہ رو جوان تھے

ہے ہے حسینؑ! آپ کا دل بر بچھڑ گیا
فریاد ہے، شبیہ پیمبر بچھڑ گیا
وا حیف! وا دریغ! دلاور بچھڑ گیا
دردا! و حسرتا! علی اکبر بچھڑ گیا

مظلومیت پہ، تشنہ دہانی پہ روئیں گے
جب تک جئیں گے اُس کی جوانی پہ روئیں گے

آقا! انیس ہند میں کب تک پھرے تباہ
گھٹتی ہے عمر، بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
ضعف اس برس بہت ہے، اجل آ نہ جائے، آہ!
بلوایئے غلام کو اے میرے بادشاہ

قربِ مزارِ شاہِ دو عالم نصیب ہو
بس کربلا میں اب کی محرم نصیب ہو

☆

# نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری

عموماً سبھی جانتے ہیں کہ مرثیہ گوئی میں بکثرت ایسی روایات کو منظوم کیا گیا جن کی تاریخی اصلیت کچھ نہیں ہے۔ انیس کے ہم عصر مرثیہ نگاروں کے ہاں یہ رجحان بہت زیادہ ہے لیکن انیس کے کلام میں ایسی روایات بہت کم نظم ہوئی ہیں۔ اس کے برعکس دبیر کا کلام ایسی روایات سے بھرا ہوا ہے اور اس بات کو سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ بعد کے دور کے مرثیہ گو شعرا نے اس بات کا خصوصاً خیال رکھا کہ کوئی بے اصل روایت جہاں تک ممکن ہو منظوم نہ کی جائے لیکن اس اہم تبدیلی کی ابتدا بلاشبہ انیس نے کی۔ یہ اہتمام کہ صرف اصل روایات ہی نظم ہوں، انیس نے سب سے پہلے کیا اور پھر آئندہ مرثیہ گوئی میں دیکھنے میں آیا۔ اس سے اس فن کو اور زیادہ وقار اور اعتبار ملا جو ایک حوالے سے انیس ہی کی بدولت تھا۔ کیونکہ زبان زدِ عام حکایات، روایات کو نظر انداز کرنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن انیس نے اس معاملے میں بھی پہل کی اور مرثیہ گوئی کی تشکیل و تکمیل میں وہ کردار ادا کیا جو ہمیشہ لائقِ تحسین رہے گا۔

''کلیاتِ انیس'' کا یہ نوواں مرثیہ ''نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری'' کو ان کے بیٹے میر عسکری رئیس سے بھی منسوب کیا جاتا ہے لیکن تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ عظیم اور لافانی شاہکار بھی انیس ہی کا ہے۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ اسے انھوں نے کہیں رئیس سے بھی پڑھوایا ہو۔ اس عظیم شعری تخلیق کا ایک ایک مصرعہ اپنے خالق کی فنی و فکری ریاضت اور عظمت کا گواہ ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انیس اس مرثیے میں نسبتاً زیادہ قوت اور انا کے قوی تر احساس کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ وہ اپنی کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان سے اپنے اشعار کو آبدار اور عقیدے اور عقیدت سے تاباں جذبے سے انھیں تابدار بناتے ہیں۔ وہ اپنی ذات اور صفات پر نازاں ہیں اور اپنی فنی عظمت کو سمجھتے ہیں۔ مرثیے کا آغاز ہی

فخریہ اشعار سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں، وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے، وہ دریا ہے طبیعت میری
دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

o——o

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں
بحرِ مواجِ فصاحت میں تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں، ذروں کو انجم کر دوں
گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلم کر دوں
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

انیس کو معلوم ہے کہ انھیں اظہار و ابلاغ اور زبان و بیان پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ مرثیے کے اوصاف، نظم کی خصوصیات اور ہیئت کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر اور مواد کے متعلق رائے قلمبند کر کے انھوں نے مطالعہ وتنقید کے کئی روشن پہلوعیاں کر دیے ہیں۔ انیس سے پہلے اور بعد میں کسی بھی طویل نظم لکھنے والے نے اس نوعیت کے خیالات وافکار اس لہجے میں کم ہی لکھے ہیں۔ ایک مثال دیکھیے:

صورت سرو، ازل سے ہے سراپا موزوں
طبع ہر ایک کی موزوں، قدِ زیبا موزوں
نثر بے سجع نہیں نظم معلا موزوں
کہیں "سکتہ" نہیں آ سکتا، کجا نا موزوں

تول لے عقل کی میزاں میں جو فہمیدہ ہے
بات منہ سے جو نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

اپنی شاعری کے عوامل اور اصولوں پر انیس کے کم و بیش چودہ بند لکھے ہیں اور جو کہا ہے سچ کہا ہے۔ انیس کے لیے یہ خراجِ تحسین انتہائی موزوں ہے کہ ان کا فن مصوری کا فن ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

قلمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

اس مرثیے کے تمام 103 بند مرصع ہیں، ہر بند میر صاحب کی فنی کوہ قامتی کا اظہار اپنے ہر لفظ سے کرتا ہے۔ انیس کا کمال دیکھنا ہو تو اس مرحلے کے ان مقامات کو دیکھنا چاہیے جہاں انھوں نے حضرت عباس، حضرت علی اکبر، حضرت قاسم، حضرت عون و محمد اور فرس امام کی مدح کی ہے، سراپا بیان کیا ہے اور صفات گنوائی ہیں۔

اس مرثیہ کے ساتھ ہی واقعۂ کربلا کا دلدوز ترین پہلو یعنی شہادتِ امام حسینؑ کا مرحلہ گزرتا ہے۔ اس موقع پر انیس کا قلم بھی مجاہدِ اعظم کی تلوار کی پیروی میں چلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ہر لفظ سسکی، ہر زیر، زبر اور پیش ''آہ'' اور ہر مصرعہ نالہ و فغاں محسوس ہوتا ہے۔ آیئے! مرثیہ پڑھیں اور ہر بند پر انیس جیسے نابغۂ روزگار کو ان کے فنی کمال کی داد دیں۔

-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں، وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے، وہ دریا ہے طبیعت میری

دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں
بحرِ مواجِ فصاحت میں تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں، ذروں کو انجم کر دوں
گنگ کو ملبرِ اندازِ تکلم کر دوں

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

صورت سرو، ازل سے ہے سراپا موزوں
طبع ہر ایک کی موزوں، قدِ زیبا موزوں
نثر بے سجع نہیں نظم معلا موزوں
کہیں ''سکتہ'' نہیں آ سکتا، کجا ناموزوں

تول لے عقل کی میزاں میں جو فہمیدہ ہے
بات منہ سے جو نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

اس ثناخواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مداح
جدِ اعلیٰ سے نہ ہو گا کوئی اعلیٰ مداح
باپ مداح کا مداح ہے، دادا مداح
عمِ ذی قدر ثناخوانوں میں یکتا مداح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا، نیک ہوا
نام بڑھتا گیا، جب ایک کے بعد ایک ہوا

خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب؟
نام لے، دھولے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہراؑ و علیؑ، عاشقِ رب
تتبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سب
ہو اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے، وہ بیرونی ہے

بھائی وہ، مونسِ خوش لہجہ و پاکیزہ خصال
جن کا سینہ گہرِ علم سے ہے مالا مال
یہ فصاحت، یہ بلاغت، یہ سلاست یہ کمال
معجزہ، گر نہ اسے کہیے، تو ہے سحرِ حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھیے لاثانی ہے
لطف حضرت کا ہے یہ، رحمتِ یزدانی ہے

کیوں نہ ہو، بندۂ موروثی مولا ہوں میں
قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرا ہوں میں
جس میں لاکھوں دُر و مرجاں ہیں وہ دریا ہوں میں
مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہراؑ ہوں میں
وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں
اپنے رتبے پہ نہ کیوں فخر و مباہات کروں

مبتدی ہوں، مجھے توقیر عطا کر یارب!
شوقِ مداحیِ شبیر عطا کر یا رب!
سنگ ہو موم، وہ تقریر عطا کر یارب!
نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب!
جد و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہوں، گنجلک نہ ہو، تعقید نہ ہو

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں جو اسے اہلِ شعور
ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے، کہیں نور
غل ہو، یہ ہے کششِ موقلمِ طرۂ حور
صاف ہر رنگ سے ہو قدرتِ صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقش ارژنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

قلمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ
خوں برستا نظر آئے جو دکھا دوں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرہ شرفا کا ہو، سلاست ہو وہی
لب و لہجہ وہی سارا ہو، متانت ہو وہی
سمعیں جلد سمجھ لیں جسے، صنعت ہو وہی
یعنی موقع ہو جہاں جس کا، عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہوں، مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ، درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

ہے کجی عیب، مگر حسن ہے ابرو کے لیے
سرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لیے
تیرگی بد ہے، مگر نیک ہے گیسو کے لیے
زیب ہے خالِ سیہ، چہرۂ گل رُو کے لیے
داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا، رزم کا میداں ہے جدا
یہ چمن اور ہے، زخموں کا گلستاں ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامے کا عنواں ہے جدا
مختصر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو، مصائب بھی ہوں، توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں، رقت بھی ہو، تعریف بھی ہو

ماجرا صبحِ شہادت کا بیاں کرتا ہوں
رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں
جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں، اک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے، نہ صاحب ایسا

صبحِ صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور
زمزمے کرنے لگے یادِ الٰہی میں طیور
مثلِ خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور
یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رخِ مولیٰ سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا، چاند کا چہرا فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں، وہ بیاباں، وہ سحر
دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر
لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں، وہ گلوں کی خوشبو
دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پُرخم گیسو
فاختہ کہتی تھی شمشاد پہ ''یاہو، یاہو''
سرو سے آتی تھی قمری کی صدا ''کو کو کو''
وقت تسبیح کا تھا، عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں
اُس طرف طبل بجا، یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں
وہ نمازیں کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے تلواروں میں

عرشِ اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں ان کی
وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں اُن کی
وہ عمامے، وہ قبائیں، وہ عبائیں اُن کی
حوریں لیتی تھیں بہ صد شوق بلائیں اُن کی
ذکرِ خالق میں لب اُن کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے، سبحان اللہ!
کیا رفیقانِ وفادار تھے، سبحان اللہ!
صفدر و غازی و جرار تھے، سبحان اللہ!
زاہد و عابد و ابرار تھے، سبحان اللہ!
زن و فرزند سے فرقت ہوئی، مسکن چھوڑا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

اللہ اللہ! عجب فوج، عجب غازی تھے
عجب اسوار تھے بے مثل، عجب تازی تھے
لائق مدح و سزاوار سرافرازی تھے
گو بہت کم تھے، پہ آمادۂ جاں بازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

زہد میں حضرتِ سلمانؓ کے برابر تھا کوئی
دولتِ فقر و قناعت میں ابوذرؓ تھا کوئی
صدقِ گفتار میں عمارؓ کا ہم سر تھا کوئی
حمزۂ عصر کوئی، مالکِ اشترؓ تھا کوئی
ہوں گے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہو گا، نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں، تلاطم میں، تباہی میں رہے
سر کٹے، پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے
جس طرح تیغِ دو دم دست سپاہی میں رہے
اُس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی اُن کو
آبرو، ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو

وہ تخشع، وہ تضرع، وہ رکوع اور وہ سجود
وہ تذلل، وہ دعائیں، وہ قیام اور وہ قعود
یادِ حق قلب میں، سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود
یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِ ودود!
یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
گھر احمدؐ کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہو، آوازوں میں وہ سوز و گداز
اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو سجادوں پہ تھے، عرشِ معلی پہ نماز
شیر دل، منتخب دہر، وحید • ممتاز
چاند شرمندہ ہو، چہرے متجلی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر، نہ مصلی ایسے

جب فریضے کو ادا کر چکے وہ خوش کردار
کس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہِ عرش وقار
علمِ فوج کو عباس نے کھولا اک بار
دشت میں نکہتِ فردوسِ بریں آنے لگی
عرش تک اس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

لہر وہ سبز پھریرے کی، وہ پنجے کی چمک
شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشیدِ فلک
کہتے تھے ''صلِ علیٰ'' عرش پہ اٹھ اٹھ کے ملک
دنگ تھے سب، وہ سما سے تھا سماں تا بہ فلک
کہیے پستی اُسے جو اوج ہُما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

اس طرح جب علمِ دلبرِ زہراؑ جائے
کس سے پھر معرکۂ رزم میں ٹھہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے
لہر میں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے

رفعِ شر کو علمِ خیرِ بشرؐ آیا تھا
سورۂ نصر، پئے فتح و ظفر آیا تھا

وہ علم دار کہ جو شیرِ الٰہی کا خلف
گوہرِ بحرِ وفا، نیرِ دیں، دُرِ نجف
فخرِ حمزہ سے نمودار کا، جعفر کا شرف
کس طرح چاند کہوں، چاند میں ہے عیب کلف

کس نے پایا تھا جو تھا جاہ و حشم ان کے لیے
یہ علم کے لیے تھے اور علم اُن کے لیے

سرو شرمائے، قد اِس طرح کا، قامت ایسی
اسداللہ کی تصویر تھے، صورت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے، صولت ایسی
جا کے پانی نہ پیا نہر پہ، ہمت ایسی

جان جب تک تھی، اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علم دار، مگر پیاسوں کی سقائی کی

وہ بہشتی نے کیا، جس کو ''وفا'' کہتے ہیں
سب انھیں ''عاشقِ شاہِ شہدا'' کہتے ہیں
جو بہادر ہیں وہ ''شمشیرِ خدا'' کہتے ہیں
اُن کو قبلہ، تو انھیں قبلہ نما کہتے ہیں

عشقِ سردار و علم دار کا افسانہ ہے
وہ چراغِ رہِ دیں ہے، تو یہ پروانہ ہے

اک طرف اکبرِ مہ رُو سا جوانِ نایاب
کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب
آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب

جس نے اُن گیسوؤں میں رخ کی ضیا کو دیکھا
شب معراج میں محبوبِ خداؐ کو دیکھا

اے خوشا حسنِ رخ یوسفِ کنعانِ حسنؑ
راحتِ روحِ حسینؑ ابنِ علیؑ جانِ حسنؑ
جسم میں زورِ علیؑ، طبع میں احسانِ حسنؑ
ہمہ تن خلقِ حسنؑ، حُسنِ حُسینؑ، شانِ حسنؑ

تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھیں بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ! اسد اللہ کے نواسوں کا جلال
چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
نیمچے کاندھے پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال
گرچہ بچپن تھا، پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال

صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستیوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ
وہی سارا اسداللہ کا نقشہ، وہی ڈھنگ
سرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ
ولولہ صف کے الٹنے کا، لڑائی کی امنگ

جسم پر تیر چلیں، نیزۂ خونخوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بیک طبل بجا فوج میں، گرجے بادل
کوہ تھرائے، زمیں ہل گئی، گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے، تلواروں کے پھل
مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوجِ اسلام میں نعرہ ہوا "یا حیدرؑ!" کا

شور میدانیوں میں تھا کہ دلیرو، نکلو!
نیزہ بازی کرو، رہواروں کو پھیرو، نکلو!
نہر قابو میں ہے، اب پیاسوں کو گھیرو، نکلو!
غازیو! صف سے بڑھو، غول سے شیرو، نکلو!
رستمو! دادِ وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرِ کرارؑ کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا، یہ شہِ مرداں مددے!
کعبۂ دیں مددے! قبلۂ ایماں مددے!
قوتِ بازوئے پیغمبرِ ذی شاں مددے!
دمِ تائید ہے، اے فخرِ سلیماں مددے!
تیسرا فاقہ ہے، طاقت میں کمی ہے مولا!
طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے مولا!

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں
سینۂ صاف پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں
دل نہ تڑپے جو دمِ نزع نہ پانی پائیں
تیرے فرزند کی تائید کریں، مر جائیں
لاشیں مقتل میں ہوں لاشِ شہِ دلگیر کے ساتھ
سر ہوں نیزوں پہ مگر حضرتِ شبیر کے ساتھ

سامنے بڑھ کے یکایک صفِ کفار آئی
جھوم کر تیرہ گھٹا، تاروں پہ اک بار آئی
روزِ روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی
تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی

ہنس کے منہ بھائی کا شاہِ شہدا نے دیکھا
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

عرض عباس نے کی جوش ہے جراروں کو
تیر سب کھاتے ہیں تولے ہوئے تلواروں کو
مہمانوں کا نہیں پاس ستم گاروں کو
مصلحت ہو تو رضا دیجیے غم خواروں کو

روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں وہ منہ پہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور
نہ لڑائی کی ہوس ہے، نہ شجاعت کا غرور
کبھی منظور نہ تھی جنگ، پہ اب ہوں مجبور
خیر، لڑ لو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور

ذبح کرنے کے لیے لشکرِ ناری آئے
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اڑائے تازی
مثلِ شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
واہ ری حرب، خوشا ضرب، زہے جاں بازی
اُڑ گئے ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی

لوٹتے رن میں سر و جسم نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اُٹھ جاتے تھے

جس پہ غصے میں گئے، صید پہ شہباز گرا
یہ کماں کٹ کے گری، وہ قدر انداز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے، تو ممتاز گرا
نہ اٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرداز گرا

ہاتھ منہ کٹ گئے، سر اڑ گئے، جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال، پرے ٹوٹ گئے

بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزمِ نبرد
سہر کو نہوڑا کے بھرا سبطِ نبیؐ نے دمِ سرد
ہوک اٹھتی تھی کبھی سینے میں، دل میں کبھی درد
سرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ، کبھی زرد

کوئی گل رُو تو کوئی سروِ سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنھیں پالا تھا

زلفوں والا تھا کوئی، کوئی مرادوں والا
کوئی بھائی کا پسر، کوئی بہن کا پالا
چاند سا منہ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا
کوئی قامت میں بہت کم، کوئی قد میں بالا

نوجواں کون سا خوش رُو و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

ہاتھ وہ بچوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں
موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
آب ہو شیر کا زہرہ وہ اگر للکاریں
بجلیاں کوند رہی ہیں کہ نیزے ماریں

کس بشاشت سے ہزاروں پہ دلیر آتے ہیں
بچے آتے ہیں کہ بپھرے ہوئے شیر آتے ہیں

یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقتِ زوال
لاش پر لاش گری، بھر گیا میدانِ قتال
مورچے سب تہہ و بالا تھے، صفیں سب پامال
سرخ رو خلق سے اٹھے اسداللہ کے لال

کھیت ایسے بھی کسی جنگ میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا، سب یہی سمجھے کہ علیؑ لڑتے ہیں

قاسم و اکبر و عباس کا اللہ رے جہاد
غل ہر اک ضرب پہ تھا، اب ہوئی دنیا برباد
الاماں کا تھا کہیں شور، کہیں تھی فریاد
دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد

گو وہ دنیا میں نہیں، عرش مقام اُن کا ہے
آج تک عالم ایجاد میں نام اُن کا ہے

دو پہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا
پتا پتا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا، بھائی سے بھائی چھوٹا
ابنِ زہراؑ کی کمر جھک گئی، بازو ٹوٹا

پھر نہ یاور، نہ وہ جاں باز، نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسینؑ ابنِ علیؑ تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے
سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں، پیاس سے مثلِ گل تر مرجھائے
مر گئے، پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے

دھوپ پڑتی تھی، یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ، نہ سایا تھا

اس گھڑی شاہ پہ طاری تھا عجب رنج و ملال
زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا، کبھی بیٹے کا خیال
کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے وغا کو، کبھی رک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھ کے چلاتے تھے بیدرد کہ اب آپ آئیں
جوہرِ تیغ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
مرنے والے نہیں جیتے جو سنانیں کھائیں
کاٹ لیں آپ کا سر تن سے تو فرصت پائیں
پسرِ سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں
نہ تو لڑنے میں نہ مرجانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں، بے یاور و ناصر ہوں میں
شہر و صحرا بھی تمھارا ہے، مسافر ہوں میں
لوٹ لو، پھونک دو، تاراج کرو، بہتر ہے
کلمہ گویو! یہ تمھارے ہی نبیؐ کا گھر ہے

کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی
جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر عالی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ، نہ کوئی والی
اِن کو دیکھو، کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی
یہ نبی زادیاں بے پردا نہ ہوویں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے رو دیں جس میں

شہ کی ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب
گر لکھوں اس کو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
قلب تھرا گیا، ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب
دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہِ عرش جناب

اشک خالی اُسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے

تھم کے چلائے کہ اے زینب و اُمِ کلثوم
تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسینِ مظلوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکرِ شوم
ہاں جگا دو اُسے، غش ہو جو سکینہ مغموم

نہیں ملتا، جو زمانے سے گزر جاتا ہے
کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

یہ صدا سن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے
شہ کی آواز پہ سب بے کس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے
بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے

رو کے چلائی سکینہ: شہِ والا آؤ
میں تمھیں ڈھونڈتی ہوں دیر سے بابا آؤ

آؤ اچھے مرے بابا، میں تمھارے واری
دیکھو تم بن ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری
ہاتھ پھیلا کے کہو، آ مری بیٹی پیاری

منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ، نہ شرماؤ تم
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی، چلے آؤ تم

دیکھ کر پردے سے کہنے لگی یہ زینب زار
ابنِ زہرآ! تری مظلومی و غربت کے نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار
سنہ سے فرمایا بہن! مر گئے سب مونس و یار

تم نے پالا تھا جسے ہم اُسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

منہ دکھائیں کسے سب سے ہے ندامت زینب
گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو مہلت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب
بھائی جاتا ہے، دکھا دو ہمیں صورت زینب

نہ تو سر کھولو، نہ منہ پیٹو، نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں، اللہ کو اب یاد کرو

صبر سے خوش ہے خدا اے مری غم خوار بہن!
سہل ہو جاتا ہے جو ہوتا ہے دشوار، بہن!
اپنی ماں کا ہے طریقہ تمھیں درکار بہن!
پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن!

ناز پرور ہے مرے بعد الم اس پہ نہ ہو
بندے کانوں سے اتارو کہ ستم اس پہ نہ ہو

کہیو عابد سے یہ پیغام مرا بعدِ سلام
غش تھے تم، پھر گئے دروازے تلک آ کے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو اے گل اندام
کاٹیو صبر و رضا سے سفرِ کوفہ و شام

ناؤ منجدھار میں ہے، شورِ تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے، گھر جانے اب اور تم جانو

کہہ کے یہ باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام
پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبیؐ میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام
رعب سے فوج کے دل ہل گئے، کانپے اندام
سر جھکے اُن کے جو کامل تھے زباں دانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراسا ہوں میں
تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے، آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ، صبر اسے کہتے ہیں

اُس کا پیارا ہوں جو ہے ساقیِ حوضِ کوثر
اُس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
اُس کا فرزند ہوں، کی جس نے مہم بدر کی سر
اُس کا دلبر ہوں میں، دی جس کو نبیؐ نے دختر
صاحبِ تخت ہوئے، تیغ ملی، تاج ملا
دوشِ احمدؐ پہ انھیں رتبۂ معراج ملا

وہ علیؑ حق نے جسے عرش سے بھیجی شمشیر
وہ علیؑ جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
وہ علیؑ جو ہوا احمدؐ کا وصی روزِ غدیر
وہ علیؑ جس کی رسولوں سے فزوں ہے توقیر
وہ علیؑ، سب سے زیادہ ہے عبادت جس کی
وہ علیؑ، گھر میں خدا کے ہے ولادت جس کی

بے وطن ہوں، نہ مسافر کو ستاؤ لِلّٰہ
قتل کیوں کرتے ہوتم، کون سا میرا ہے گناہ؟
اب نہ یاور ہے کوئی ساتھ، نہ لشکر، نہ سپاہ
تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام، نہ زر پاؤ گے
یاد رکھو، مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر
حجتہ اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضے کو پکارے شبیرؑ
لو، خبردار! چمکتی ہے علیؑ کی شمشیر
پسرِ فاتحِ صفین و حنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے روکو تو، حسینؑ آتا ہے

لو کھنچی تیغِ دو سر، فوج پہ آفت آئی
لو ہلا قائمۂ عرش، قیامت آئی
فتح تسلیم کو، آداب کو نصرت آئی
فخر سے غاشیہ برادری کو شوکت آئی
چوم لوں پاؤں، جلال اِس تگ و دو میں آیا
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

آپ سیدھے جو ہوئے، رخش نے بدلے تیور
دونوں آنکھیں اُبل آئیں کہ ڈرے بانیِ شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے، کیا دُم کو چنور
مثلِ طاؤس اُڑا، گاہ اِدھر، گاہ اُدھر
دم بدم گرد نسیمِ سحری پھرتی تھی
جھوم کر پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی

ابر ڈھالوں کا اٹھا، تیغ دوپیکر چمکی
برق چھپتی ہے، یہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی، کبھی سر پر چمکی
کبھی انبوہ کے اندر، کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن، اسے ڈستے دیکھا
مینہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے
گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار
نہ پیادہ کوئی بچتا تھا، نہ پیدل، نہ سوار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار
"غضب اللہ علیہم" کے عیاں تھے آثار
موت ہر غول کو برباد کیے جاتی تھی
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لیے جاتی تھی

تیغیں آری ہوئیں، ڈھالوں کے ہوئے پرکالے
بند سب بھول گئے خوف سے بھالوں والے
جو بڑھے ہاتھ، سرِ دست قلم کر ڈالے
تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
صف پہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

جب کبھی جائزۂ فوجِ ستم لیتی ہوں
موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
دو زبانوں سے سدا کارِ قلم لیتی ہوں
چہرے کٹ چکتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں

ہر طرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں
طبلقیں کٹتی ہیں، چہرے نظری ہوتے ہیں

وہ بُرش، وہ چمک اُس کی، وہ صفائی اُس کی
کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اُس کی
جس کی گردن سے وہ گزری، اجل آئی اُس کی
اس کا بازو جو اُڑایا تو کلائی اُس کی

صورتِ مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اُسے جاتے دیکھا

کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پر
پیدلوں پر کبھی آئی، کبھی اسواروں پر
کبھی ترکش پہ رکھا منہ، کبھی سوفاروں پر
کبھی سر کاٹ کے آ پہنچی کماں داروں پر

گر کے اِس غول سے اٹھی تو اُس انبوہ میں تھی
کبھی دریا میں، کبھی بر میں، کبھی کوہ میں تھی

کبھی چہرہ، کبھی شانہ، کبھی پیکر کاٹا
کبھی در آئی جگر میں، تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر، کبھی جوشن، کبھی بکتر کاٹا
طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا

بُرشِ تیغ کا غل، قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا، پہ منہ صاف رہا

نہ رکی خود پہ وہ اور نہ سر پر ٹھہری
نہ کسی تیغ پہ دم بھر، نہ سپر پر ٹھہری
نہ جبیں پر، نہ گلے پر، نہ جگر پر ٹھہری
کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری

جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی
یک بیک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی
تیغ کیا آئی کہ اُڑتی ہوئی ناگن آئی

غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اُترنے کا نہیں

وہ چمک اُس کی، سروں کا وہ برسنا ہر سُو
گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لبِ جُو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خُو
اور دم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو

کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
کب چلی، ضربتِ سابق سے زیادہ کاٹا

تنِ تنہا شہِ دیں لاکھ سواروں سے لڑے
بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے
دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے

گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جانِ علیؑ بنِ ابی طالب ہو

تیسرے فاقے میں یہ جنگ، یہ حملے، یہ جلال!
پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لب لال
دھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ نہال
لوں وہ لوں جس کی حرارت سے پگھلتے تھے جبال
سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی
ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغِ حیدرؑ نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی
فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کسی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اک بار چلی اس کو دو پارہ دیکھا

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کہ جلالت جس میں
رخش وہ رخش کہ سب برق کی سرعت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں
ہاتھ وہ ہاتھ یداللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار، جگر کیا کسی بے پیر کا تھا
زور وہ جس میں اثر فاطمہؑ کے شیر کا تھا

تنِ تنہا کی وغا لشکرِ کیں سے پوچھو
جنگ میں پیاس کا صدمہ شہِ دیں سے پوچھو
زلزلہ دشتِ پُر آفت کا زمیں سے پوچھو
بُرشِ تیغِ دوسر روحِ امیں سے پوچھو
باپ اُس فوج میں تنہا پسر اِس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں

اسداللہ کے صدقے شہِ والا کے نثار
وہی حملے تھے، وہی زور، وہی تھی تلوار
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار
مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار
کیوں نہ ہو احمدؐ مرسل کے نواسے تھے حسینؑ
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسینؑ

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا!
ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی، مولا!
الاماں! خوب سزا جنگ کی پائی مولا!
آپ کرتے ہیں بروں سے بھی بھلائی مولا!
ہاتھ ہم باندھتے ہیں، پھینک کے شمشیروں کو
بخشیے امتِ نااہل کی تقصیروں کو

آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام
یہ وغا تیسرے فاقے میں! بشر کا نہیں کام
اے محمدؐ کے جگر بند، امام ابنِ امام
لوحِ محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

آج ہے آٹھوں بہشتوں کی نئی تیاری
نخل سرسبز ہیں، فردوس میں نہریں جاری
شب سے حوریں ہیں، مکلل بجواہر ساری
خانۂ دوست میں ہے دوست کی مہماں داری
پیشوائی کو رسولؐ الثقلین آتے ہیں
عرش تک شور یہی ہے کہ حسینؑ آتے ہیں

تھم گئے سن کے یہ آواز شہِ جن و بشر
روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر!
عید ہو، جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر
شمرِ اظلم ہے کدھر، کھینچ کے آئے خنجر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغ دو دم
ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے کو کہ تھم!
رہ گیا سر کو ہلا کر فرسِ تیز قدم
چار جانب سے مسافر پہ چلے تیرِ ستم
فوج یوں گرد تھی، جیسے گلِ تر خاروں میں
چھپ گئے سبطِ نبیؐ ظلم کی تلواروں میں

پہلے تیروں سے کماں داروں نے چھاتی چھانی
نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں، زخمی ہوئی پیشانی
خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رخِ نورانی
جسم سب چور تھا ٹکڑے تھے زرہ جامے کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامے کے

برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے
کس طرف جائے، کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے
ایک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پر گہرے
دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
خوں میں ڈوبا ہوا وہ مصحفِ رُخ سارا تھا
جزو ہر اک تنِ شبیر کا سی پارا تھا

ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم
غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پر کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے دڑیڑے پیہم
کوئی بے کس کا مددگار نہ تھا، ہائے ستم

مارے تلواروں کے مہلت تھی نہ دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں کعبے کو گرا دینے کی

دشت سے آتی تھی زہراؑ کی صدا، ہائے حسینؑ!
میرے بیکس، مرے بے بس، مرے دکھ پائے حسینؑ!
در سے چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسینؑ!
کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسینؑ!

فاطمہؑ رو رہی ہیں ہاتھ سے پہلو تھامے
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے

ہائے سید، ترا تن اور ستم کے بھالے
کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
اُس پہ یہ ظلم، دکھوں سے جسے زہراؑ پالے
کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے

کون فریاد سنے بے سرو سامانوں کی
یاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی

نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا
گر پڑا خاک پہ وہ عرشِ خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں اٹھا جو علیؑ کا پیارا
نیزہ سینے پہ سنان ابنِ انس نے مارا

واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمے کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمنِ دیں
جھک کر حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعیں
آسماں ہل گیا، تھرا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
پاؤں قرآں پہ رکھا، حلق پہ خنجر رکھا

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنتِ علیؑ چلائی
ذبح ہوتے ہو مرے سامنے، ہے ہے بھائی!
ضربِ اول تھی کہ تکبیر کی آواز آئی
گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علیؑ کی جائی
اُٹھ کے دوڑی تو یہ ہنگامۂ محشر دیکھا
منہ جو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسینؑ!
فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسینؑ!
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسینؑ!
ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسینؑ!
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی!
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی!

بس انیس آگے نہ لکھ، زینبِ ناشاد کے بین
قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ تھی اور لاشِ حسینؑ
قبر میں بھی نہ ملا احمدِ مختارؐ کو چین
گھر جلا، قید ہوئی آلِ رسول الثقلینؐ
کتنے گھر شاہ کے مر جانے سے برباد ہوئے
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

-☆-

دسواں مرثیہ

# جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

انیس کا یہ مرثیہ عالمی ادب کے شاہکاروں کے ہم پلہ ہے اور یہ ان کی عظمت کا ایک اور ثبوت ہے کہ اس ادبیاتِ عالم کے مشہور رزمیوں کی پیروی یا ان کے خاکے پر نہیں لکھا گیا بلکہ جس طرح ایلیڈ، اوڈیسی، رامائن اور شاہنامہ منفرد اسلوب کے حامل ہیں، اسی طرح یہ مرثیہ بھی اپنی الگ تخلیقی شناخت واہمیت کا حامل ہے۔ اس بنیاد پر یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان کے فردوسی اور برصغیر کے ہومر میر انیس ہیں۔

اس مرثیے کے بارے میں مزید کچھ کہنے سے قبل مجموعی حیثیت سے میر صاحب کی مرثیہ نگاری کی چند خصوصیات پر ایک اجمالی نظر ڈالنا اور کچھ برمحل شعری مثالیں پیش کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

☆ انیس کے فخریہ اشعار اگرچہ ان کے کلام میں جابجا ملتے ہیں اور ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تخلیقی قامت، فنی عظمت، فکری جدت اور شعری دنیا میں اپنی غیر معمولی حیثیت سے بخوبی آگاہ تھے لیکن فخریہ اشعار کا جو اسلوب گذشتہ مرثیہ کے آغاز میں سامنے آ چکا، وہ واقعتاً عدیم النظیر ہے۔ صرف اشارہ کرنے کی غرض سے ایک شعر پیش کیا جاتا ہے:

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری

☆ منظر نگاری کا ذکر ہو تو وہی بات پھر کہنی ہوگی جو پہلے بھی رقم ہو چکی کہ یوں لگتا ہے، جیسے مصوری انیس کا فن ہے، وہ قلم سے برش اور لفظوں سے رنگوں کا کام کچھ اس ڈھنگ سے

لیتے ہیں کہ پڑھنے والے کو واقعہ تصویر بنا دکھائی دیتا ہے اور یہ تصویر اتنی پُراثر اور دلکش ہوتی ہے کہ قاری اس کا نظارہ کر کے خود تصویر بن جاتا ہے:

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر
دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر
لوٹی جاتی تھی مہکتے ہوئے سبزہ پر نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

o—o

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

میر انیس نے اپنے قلم سے جن مناظر کی تصویر کشی کی ہے، ان میں گرمی، صحرا، رخصتِ شب، طلوعِ صبح، صبحِ عاشورا اور صبحِ صحرا وغیرہ اہم ہیں۔

☆ جذبات نگاری کی بات ہو تو یہ فن انیس سے شروع ہو کر انھی پر ختم ہو جاتا ہے۔ رشتوں کی نوعیت، باریکی، نزاکت اور اسی مطابقت سے انسانی ذہنی کیفیات و واردات اور ردعمل کو وہ جس خوبی اور کمال سے بیان کرنے پر قادر ہیں، اسے دیکھ کر ان کی عظمت و بزرگی کو بے ساختہ سراہنے کو جی چاہتا ہے۔ کئی مقامات پر دل تڑپ اٹھتا ہے، آنکھیں چھلک جاتی ہیں اور آہیں نکل جاتی ہیں۔ ایک موقع پر حضرت امام حسینؑ اپنی بہن حضرت زینب کو صبر کی تلقین

فرماتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں:

حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہو کلیجہ میرا پتھر نہیں بھائی
صدقے گئی یوں رَن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اُجڑتے نہیں دیکھا

حضرت عباس زخمی ہو کر زندگی کی آخری منزلوں سے گزر رہے ہیں۔ امام حسینؑ سرہانے تشریف لاتے ہیں اور آپ کی تنہائی و بے بسی عباس کو دمِ نزع بھی تڑپا دیتی ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت علی اکبر کی شہادت ہوتی ہے اور دم نکلنے سے پہلے حضرت حسینؑ کو دیکھ کر وہ بے ساختہ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان دونوں موقعوں کی مثالیں بالترتیب ملاحظہ ہوں:

دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

o——o

ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہیں
روتا ہوں اس لیے کہ اکیلے حضور ہیں

☆ واقعہ نگاری کے حوالے سے بھی انیس کے قلم نے ایسے ایسے کمالات دکھائے ہیں اور ایسی ایسی کرشمہ کاریاں کی ہیں کہ چند اشعار میں پورا واقعہ قاری تک پہنچ کر اسے باطن کی گہرائیوں تک جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ شہادت کے لیے میدانِ جنگ میں جانے سے ذرا پہلے حضرت سجاد سے کچھ فرماتے ہیں اور انیس کا قلم رواں ہوتا ہے:

آہستہ سے کچھ جھک کے کہا گوشِ پسر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
غش ہوئی زینب یہ اُٹھا درد جگر میں

ٹھہرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

غرضیکہ اسی طرح تلوار کی مدح، گھوڑے کی صفات و خصوصیات کا بیان، رزمیہ، سلام، نوحہ اور اخلاقی مضامین کی بہت اچھی مثالیں انیس کے کلام میں ملتی ہیں جن کی تحسین کرنے اور جنھیں نمایاں کرنے کے لیے کئی کتب لکھی جاسکتی ہیں۔

☆ یہاں انیس کی تشبیہات کا ذکر ضروری ہے جو اتنی نادر ہیں کہ بے اختیار باذوق قاری پھڑک اُٹھتا ہے۔ یہ تشبیہات انیس کی غیر معمولی ریاضت، بے پناہ شعری استعداد اور فنی بلندی کا اظہار کرتی ہیں۔ چند تشبیہات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے تاکہ انیس کی فنی عظمت کے ایک اور رُخ کو خراجِ تحسین پیش کیا جاسکے۔ مثلاً یہ شعر انیس ہی کہہ سکتا تھا:

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

ذرا تصور کریں، اس شعر میں کیسی نادر اور دل میں اُتر جانے والی تشبیہ دی ہے، یہ انیس کا کمالِ فن ہے، یہ ان کی عظمت ہے، یہ ان کی تخلیقی ریاضت ہے جس کا سرچشمہ کبھی خشک نہ ہوگا اور ہمیشہ دنیا سے اپنی روانی کی داد پاتا رہے گا۔ چند اور مثالیں دیکھیے:

1- غل تھا کہ اژدھا ہے نکالے ہوئے زباں (تلوار)
2- دو سانپ گتھ گئے تھے زبانیں نکال کے (برچھیوں کی انی کا باہم ٹکرانا)
3- گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا
4- مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا

انیس کے کلام کی چند خصوصیات پر نظر ڈالنے کے بعد اب ایک بار پھر ''کلیاتِ انیس'' کے اس مرثیے کا جائزہ لیتے ہیں جو 197 بندوں پر مشتمل ہے اس میں انیس نے 591 شعر کہے۔ پوری نظم انتہائی ہمواری اور تسلسل و ربط کی حامل ہے۔ ہر لفظ موتی، ہر مصرعہ لڑی اور ہر شعر اشرا اور پوری نظم بے مثال ہے۔ ناقدین کہتے ہیں کہ یہ مرثیہ زبان کی مٹھاس،

بیان کی لطافت اور خیالات کے تناسب کی بدولت نکتہ نکتہ روشن اور گوشہ گوشہ گلشن ہے۔

گذشتہ مرثیے کی طرح اس مرثیے کا موضوع بھی امام حسینؓ کی آخری جنگ اور شہادت ہے۔ میر صاحب نے کمال یکسوئی سے اس رزمیہ کو تخلیق کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نظم کا ایک خاص آہنگ، منفرد لہجہ، جداگانہ تاثر، اور الگ سی تاثیر ہے۔ اردو ادب میں منظر نگاری کا سب سے گراں قدر ذخیرہ انیس کا کلام ہے اور ان کے کلام میں منظر نگاری کی بہترین مثالیں اس مرثیے میں سامنے آتی ہیں۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے یہ منظر نگاری کا فن انیس کا خاص فن ہے۔ صبح سے ذرا دیر قبل انیس کا قلم چلتا ہے اور سورج کی ابتدائی کرنوں کے پھوٹنے پر وہ مصوری کا ایک حصہ مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔ اس بات پر تمام ارباب علم وفن کا اتفاق ہے کہ اس مرثیے کے گیارہویں بند سے بائیسویں بند تک صبح کی جو متحرک اور روشن تصویر اس مرثیے میں انیس نے پیش کی ہے، اس پر ادب وفن جس قدر فخر کرے، کم ہے۔

اس مرثیے میں کربلا کا واقعہ حضرت حسینؓ کی شہادت تک بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اہل بیت پر جو گزری وہ اگلے دو مرثیوں کا موضوع ہے۔ اس مرثیے کے بارے میں مختصر طور پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک مرثیہ ہوتے ہوئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اردو میں عالمی ادب کے شاہکاروں کے پائے کا کوئی شاہکار نہیں ہے اور جو ایسا کہے انیس کا یہ مرثیہ اس کا منہ بند کرنے کے لیے کافی ہے۔

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رخ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے

آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو، فریضۂ سحری کو ادا کرو!

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہراؑ کے لال کا
گزری شب فراق، دن آیا وصال کا

ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح، مبارک ہے جس کی شام
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
لکھے خدا نماز گزاروں میں سب کے نام

سب ہیں وحید عصر، یہ غل چار سُو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے، سرخ رُو اٹھے

یہ سن کے بستروں سے اُٹھے وہ خدا شناس
اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس
باندھے عمامے، آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ، کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی، رُخوں پہ نور
خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض، حق شناس، اُولوالعزم، ذی شعور
خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسنِ صوت سے حظ برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

ساونت، بردبار، فلک مرتبت، دلیر
عالی منش، سبا میں سلیماں، وغا میں شیر
گردانِ دہر، اُن کی زبردستیوں سے زیر
فاقوں میں دل بھی، چشم بھی اور نیتیں بھی سیر
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے بحر کو قطرہ سمجھتے تھے

تقریر میں وہ رمز کنایے کہ لاجواب
نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتابِ بلاغت کا ایک باب
سوکھی زبانیں شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی، گلوں سے زیادہ شگفتہ رُو
پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بُو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خُو
پتھر میں ایسے لعل، صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا، یہ ملک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب
پر تھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب
ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب
مہتاب سے رُخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں پہ جلا اور ہو گئی

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال
جن میں کئی تھے حضرتِ خیرالنسا کے لال
قاسم سا گل بدن، علی اکبر سا خوش جمال
اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور
وہ جابجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدگار
تھی ہر ورق سے صنعتِ ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محو قدرتِ ربِ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا
دُراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل، وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل، تو گل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہراؑ جو آپ کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کو کو کا شور، نالۂ حق سرہ کی دھوم
"سبحان ربنا" کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی حمد

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق، ترے نثار
"یا حی یا قدیر" کی تھی ہر طرف پکار
تہلیل تھی کہیں، کہیں تسبیحِ کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر ہونک رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبیؐ کے پھول
خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب، زینتِ کاشانۂ بتولؑ
وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اول میں لٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اُس باغ کی بہار
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گل عذار
دولہا بنے ہوئے تھے، اجل تھی گلوں کا ہار
جاگے وہ ساری رات کے، وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے، پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان
گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں
بے چوبہ سپہر بریں جس کا سائباں
بیت العتیق دیں کا مدینہ، جہاں کی جاں
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اُس دشت کی زمیں
کہتا تھا آسمانِ دہم چرخِ ہفتمیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں
تاروں سے تھا فلک اُسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور، شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبحِ گلِ آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں
تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہ انس و جاں
صوتِ حسن سے اکبرِ مہ رو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

چپ تھے طیور، جھومتے تھے وجد میں شجر
تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محوِ ثنا، کلوخ و نباتات و دشت و در
پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار
چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نام دار
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار
صدقے نمازیوں کے، مؤذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو! اذاں سنو، مرے یوسف جمال کی

یہ حسنِ صوت اور یہ قرأت، یہ شد و مد
حقا کہ افصح الفصحا ہے انہی کا جد
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤدؑ با خرد
یا رب رکھ اِس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں، پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
خوش لہجہ یہ کہ جس کی تلاوت دلوں کو بھائے
دو روز ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ ''قد قامت الصلوٰۃ''
قائم ہوئی نماز، اُٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں، وہ مصلی ملک صفات
قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہِ نجات
جلوہ تھا تا بہ عرشِ معلیٰ حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلیٰ حسینؑ کا

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
بسم اللہ جیسے آگے ہو، یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقب شاہِ سرفراز
کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر، بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

اُمیدِ مغفرت ہے علیِ علیم سے
غیر از کرم کچھ اور نہ ہو گا کریم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہِ مستقیم سے
پہلے اشارہ ہے یہ "الف۔ لام۔ میم" سے
حبل المتیں یہی ہے، نجات ان کے ہاتھ ہے
قرآں کا اور آلِ محمدؐ کا ساتھ ہے

باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دل پسند
کروبیانِ عرش تھے سب جن سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے، مہِ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار
اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجیے شمار
پر سب وحیدِ عصر و حق آگاہ و خاکسار
پیرو امامِ پاک کے، دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک اُنھی کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک اُنھی کی ہے

دُنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
ان کے لیے تھی بندگیِ واجب الوجود
وہ عجز، وہ طویل رکوع اور وہ سجود
طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود

طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

ہاتھ اُن کے جب قنوت میں اٹھے سوئے خدا
خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھرائے آسماں، ہلا عرشِ کبریا
شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دعا

وہ خاکسار محوِ تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہ خاص و عام
آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر بہ احترام

کیا دل تھے، کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے، کہ مرنے کی عید تھی

سجدے میں شکر کے تھا کوئی مردِ باخدا
پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں، کوئی دعا
نعتِ نبیؐ کہیں تھی، کہیں حمدِ کبریا
مولا اُٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا

فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یارب! مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

زاری تھی، التجا تھی، مناجات تھی ادھر
واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا ابنِ سعد یہ جا جا کے نہر پر
گھاٹوں سے ہوشیار، ترائی سے باخبر

دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسین کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسین کو

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہِ فلک سریر
ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکرِ شریر
عباس اٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر

پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
روکی سپر، حضورِ کرامت ظہور پر

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں
تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں

غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغر ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے اے خلق کے امیر
ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر
اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر

گرمی میں ساری رات یہ گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقر کہیں پڑا ہے، سکینہ کہیں ہے غش
گرمی کی فصل، یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہ وش
بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

اُٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار
ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب ببرِ کارزار
کمریں کسو جہاد پہ، منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی، دل باغ باغ ہو
اُمت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہ بحر و بر
ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اِدھر
جوشن پہن کے حضرتِ عباس نام ور
دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خودِ سر
کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہُما کے پر
دستانے دونوں فتح کے مسکن، ظفر کے گھر
وہ رعب ''الاماں'' وہ تہور کہ ''الحذر''
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال
چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینب کی یہ دعا ہے کہ اے رب ذوالجلال
بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
بے کس پہ یہ چڑھائی ہے، سید پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا
ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا!
فاقوں سے جاں بلب ہیں، عطش سے ہلاک ہیں
یارب! ترے رسولؐ کی یہ آلِ پاک ہیں

سر پر نہ اب علیؑ، نہ رسولؐ فلک وقار
گھر لٹ گیا، گزر گئیں خاتونِ روزگار
اماں کے بعد روئی حسنؑ کو میں سوگوار
دنیا میں اب حسینؑ ہے اُن سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اُس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب
مضطر نہ ہو، دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں، خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب
خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب
موقع نہیں بہن ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہؐ کا

معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس
کشتی میں لائیں زینب اُسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس
پہنی قبائے پاکِ رسولؐ فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا، عمامہ رسولؐ کا

شملے کے دو سرے جو چھٹے تھے بصد وقار
ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بُو کا تار تار
جس کے ہر ایک مُو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے، یہ گیسو کے پیچ ہیں

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بُو
دولہا نے سونگھی ہو گی نہ ایسی دلہن کی بُو
حیدرؑ کی، فاطمہؑ کی، حسینؑ و حسنؑ کی بُو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بُو
لٹتا تھا عطر وادیِ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں، رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن
لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلائی، ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ
اماں کہاں سے لائے تمھیں، اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسولؐ کے یوسف جمال کی
صدقے گئی، بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے
پیٹا منہ اپنا زینب عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے
بازو پہ جوشنین پڑھے عز و جاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اُتنے ستارے چمک گئے

یاد آ گئے علیؑ، نظر آئی جو ذوالفقار
قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آب دار
شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو، نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو، ضرب عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہراؑ کے لال نے
پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں، ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے
معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مُہرِ نبوت کی شان تھی

ہتھیار اِدھر لگا چکے آقائے خاص و عام
تیار اُدھر ہوا علمِ سید الانام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام
روتی تھی تھامے چوبِ علم خواہرِ امام
تیغیں کمر میں، دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گل عذار
مرفق تک آستینوں کو الٹے بہ صد وقار
جعفر کا رعب، دبدبۂ شیرِ کردگار
بوٹا سے اُن کے قد، پہ نمودار و نام دار
آنکھیں ملیں علم سے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے، کبھی جانبِ علم
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا؟
اماں! کسے ملے گا علم نانا جان کا؟

کچھ مشورے کریں جو شہنشاہِ خوش خصال
ہم بھی محق ہیں، آپ کو اِس کا رہے خیال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
اِس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزت طلب ہیں، نام کے امیدوار ہیں

بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جواں
لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں
پایا مگر علیؑ نے علم وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں، گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے اُنھی کے ہم ہیں، اُنھی کے نواسے ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام؟
کیا دخل مجھ کو، مالک و مختار ہیں امام
دیکھو! نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام؟
بگڑوں گی میں جو لو گے زباں سے علم کا نام
لو، جاؤ! بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے تم یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے؟

سرکو، ہٹو، بڑھو، نہ کھڑے ہو علم کے پاس
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم مرے حواس
بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے پھر جو برا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

عمریں قلیل، اور ہوسِ منصبِ جلیل
اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے، گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل
ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے، غور کرے، پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ، کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھے گا یہ علم؟
چھوٹے قدوں میں سب سے، سنوں میں سبھوں سے کم
نکلے تنوں سے سبطِ نبیؑ کے قدم پہ دم
عہدہ یہی ہے بس، یہی منصب، یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے، آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا، بزرگ تھے گر فخرِ روزگار
زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار
دکھلا دو آج حیدرؑ و جعفرؓ کی کارزار

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

کیا کچھ علم سے جعفرِ طیار کا تھا نام؟
یہ بھی تھی اک عطائے رسولِؐ فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے اُنھی سے کام
جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام

بے جاں ہوئے تو نخلِ وغا نے ثمر دیے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیے

لشکر نے تین روز ہزیمت اُٹھائی جب
بخشا علم رسولِ خداؐ نے علیؑ کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب
در بند کر کے قلعے کا بھاگی سپاہ سب

اُکھڑا وہ یوں، گراں تھا جو در سنگِ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتا درخت سے

نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال
اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال
میں لٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال

غمخوار تم مرے ہو، نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے، طالب ہو نام کے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام
غصے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جو لیں اب علم کا نام
کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوویں گے
تب قدر ہو گی آپ کو جب ہم نہ ہوویں گے

یہ کہہ کے بس ہٹے جو سعادت نشاں پسر
چھاتی بھر آئی ماں کی، کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر
ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا، صدقے جاؤں، ماں کی نصیحت بُری لگی؟
بچو! یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن
کیوں، تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن
شیروں کے شیر، عاقل و جرار و صف شکن
زینب! وحیدِ عصر ہیں، دونوں یہ گل بدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور، ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے!
بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے!
اقبال کیوں کہ اِن کے نہ قدموں سے منہ ملے
کس گود میں بڑے ہوئے، کس دودھ سے پلے
بے شک یہ ورثہ دارِ جنابِ امیر ہیں
پر کیا کروں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

اب تم جسے کہو، اسے دیں فوج کا علم
کی عرض، جو صلاحِ شہِ آسماں حشم
فرمایا جب سے اُٹھ گئیں زہرائے باکرم
اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم، بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام
ہے کس طرف توجہِ سردارِ خاص و عام
قرآں کے بعد ہے تو ہے بس آپ کا کلام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام
شوکت میں، قد میں، شان میں، ہمسر کوئی نہیں
عباسِ نام دار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق، غلام، خادمِ دیرینہ، جاں نثار
فرزند، بھائی، زینتِ پہلو، وفا شعار
راحت رساں، مطیع، نمودار، نام دار
جرار، یادگارِ پدر، فخرِ روزگار
صفدر ہے، شیر دل ہے، بہادر ہے، نیک ہے
بے مثل سینکڑوں میں، ہزاروں میں ایک ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ، کدھر ہے وہ صف شکن
اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض، انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے! پھپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ
جاؤ بہن کے پاس، یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لیے آئیں بہ عزو جاہ
بولے نشاں کو لے کے شہِ عرش بارگاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار
ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
عباس فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

کی عرض، میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر
ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ بد گہر
تیغیں کھینچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر
دیکھیں اُٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب، کیا جگر!
ساونت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

منہ کر کے سوئے قمرِ علیؑ پھر کیا خطاب
ذرے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو تراب
آقا کے آگے ہوں میں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ابنِ فاطمہ کے روبرو گرے
شبیر کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سن کے آئی زوجۂ عباسِ نام ور
شوہر کی سمت پہلے انکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفیٰؐ کی بلائیں بہ چشمِ تر
زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی، رتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا
تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا!
کی عرض، مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو فدا
بانوئے نام ور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جئیں، ترقیِ اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر سب کو لے کے جائے
یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُم البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے
جلدی شبِ عروسیِ اکبر خدا دکھائے
مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آ کے بالی سکینہ نے یہ کہا
کیسا ہے یہ ہجوم، کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا اُن کو مبارک کرے خدا
لوگو! مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علم کے نشان کی

عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ
عمو نثار، پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ
اب تو علم ملا تمھیں، پانی مجھے پلاؤ
تحفہ نہ کوئی دیجے، نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں، پانی کا اک جام دیجیے

باتوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آ کے ابنِ حسن نے کہ یا امام
انبوہ ہے، بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام
عباس اب علم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو، بہن سے مل کے گلے، ہم بھی چلتے ہیں

ناگہ بڑھے علم لیے عباسِ باوفا
دوڑے سب اہلِ بیت کھلے سر، برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اُٹھا کے یہ اک ایک سے کہا
لو الوداع، اے حرمِ پاکِ مصطفیٰؐ!
صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینب زار و حزیں گری
بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری
باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اُجڑا چمن، ہر اک گلِ تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شانِ حضرتِ عباسِ عرش جاہ
آگے ہوئی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ
نشتر پہ دل تھی بنتِ علیؑ کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گلِ آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے
ترکش لگایا ہر تنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے
اُترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلہن کا ہے، چہرہ پری کا ہے

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے
بن بن کے، جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ، یہ پریوں کو شوق ہے
بالا دوی میں اس کو ہُما پر بھی فوق ہے

تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا، اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں، علم بڑھا
رایت بڑھا کہ سروِ ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہنچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہنچ گئی

پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر
اُس کی ضیا تھی خاک پہ، ضو اِس کی عرش پر
زر ریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولہا کا رخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شاں
جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشاں
کمریں کسے، علم کے تلے ہاشمی جواں
دنیا کی زیب، دین کی عزت، جہاں کی جاں

ایک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ، سہی قد، سمن عذار
گیسو کسی کے چہرے پہ، دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب، نرگسی آنکھوں سے آشکار
کھیلیں تو نیمچوں سے کریں شیر کو شکار

تیروں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عیدگاہ میں دولہا بنے ہوئے

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُرفضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام
ہم شکلِ مصطفیٰؐ ہے یہی عرش احتشام

رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے

دنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے اب جہاں
کیوں کر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسیں پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ، سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانبِ امام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے اِدھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام
بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہِ شام
بالا کبھی تھی تیغ، کبھی زیرِ تنگ تھی
ایک اک کی جنگ مالکِ اُشتر کی جنگ تھی

نکلے پئے جہاد، عزیزانِ شاہِ دیں
نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگے زمیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیرِ خشم گیں
کھینچی جو تیغ، بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار
دونوں کے بیچ تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا، کسی نے جو روکا سپر پہ وار
گنتی تھی زخمیوں کی، نہ کشتوں کا تھا شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ، وہ گوری کلائیاں
آفت کی پھرتیاں تھیں، غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں
فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں
شوکت تو ہو بہو تھی جنابِ امیر کی
طاقت دکھا دی شیروں نے مادر کے شیر کی

کس حُسن سے حسن کا جوانِ حسیں لڑا
گھر گھر کے صورتِ اسدِ خشم گیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا
سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولہا نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ارزقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغِ حضرتِ عباسِ عرش جاہ
روح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعدِ روسیاہ
کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں کو پیر کے

بے سر ہوئے مُؤکلِ سرچشمۂ فرات
ہل چل میں مثلِ فوجِ صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے ڈوب گئے، کتنے بد صفات
گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ حیات
عباس بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے
جس طرح ''نہرواں'' میں امیرِ عرب لڑے

آفت تھی حرب و ضربِ علی اکبرِ دلیر
غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سربلند پست، زبردست سب تھے زیر
جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
سان کے اُترے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عباس سے بھی جنگ میں تھے کچھ بڑھے ہوئے

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک
ہلتی رہی زمین، لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک
نعرے نہ پھر وہ تھے، نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور، برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

لاشے سبھوں کے سبطِ نبیؑ خود اٹھا کے لائے
قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے
فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو؟
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبیؑ کی قبا تمام
افسردہ و حزیں و پریشان و تشنہ کام
برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے ہیں

پوچھو اُسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ
اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بُکا سے، نہ ماتم سے ہے فراغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہِ زمن
پر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بہ صد محن
اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن
پھر ایک بار اُس مہِ انور کو دیکھ لیں
اکبر کے شیرخوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑے آلِ محمدؐ برہنہ سر
اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر
منہ سے ملے جو ہونٹ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر
تھا اُس طرف کمیں میں بنِ کاہلِ شریر
مارا جو تین بھال کا اُس بے حیا نے تیر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیرخوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیر خوار
چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار
اے خاکِ پاک! حرمتِ مہماں نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہؑ کی، امانت علیؑ کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کے کنار سے
واقف نہیں ہے قبر کی شب ہائے تار سے
اے قبر! ہوشیار مرے گل عذار سے
گردن چھدی ہوئی ہے، بچانا فشار سے
سید ہے، لال حضرت خیر النسا کا ہے
معصوم ہے، شہید ہے، بندہ خدا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام
آنکھیں لہو تھیں، رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کیے تھے بہ صد عز و احتشام
پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انامؐ
حمزہ کی ڈھال، تیغ شہِ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خداؐ کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں رہوار
جرار، بردبار، سبک رو، وفا شعار
کیا خوش نما تھا زینِ طلا کار و نقرہ کار
اکسیر تھا، قدم کا جسے مل گیا غبار
خوش خُو تھا، خانہ زاد تھا، دلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے، فرس بھی جواد تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں
ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لُوں کہ الحذر، وہ حرارت کہ الاماں
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لوں، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے، تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تا بہ شام
مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ فام
پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ مومِ خام
سرخی اُڑی تھی پھولوں سے، سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے، نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخِ بار دار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

آبِ رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژدہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہہ پر تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ، گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

اُس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اُمم
نے دامن رسولؐ تھا، نے سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دم بدم
اودے تھے لب، زبان میں کانٹے، کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پرند آ کے بے شمار
سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہؑ کے لیے قحطِ آب تھا

سر پر لگائے تھے پسرِ سعد چترِ زر
خادم کئی تھے مروحہ جنباں، ادھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش، مکرر زمیں کو تر
فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی، وہ جلال آفتاب کا
سنولا گیا تھا رنگِ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب!
بیعت جو کیجیے اب بھی تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب!
دریا کو خاک جانتا ہے ابنِ بوتراب
فاسق ہے، پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو اب تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیل
چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا مجھے تو دے گا، او ذلیل!
بے آبرو، خسیس، ستم گر، دَنی، بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بُو نہ دے
کھلوائے فصد تُو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے
کوثر یہیں رسولؐ کا احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے
لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ، نہ شام ہو

فرما کے یہ، نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار
تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار
آوازِ کوسِ حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے نشاں سپاہِ سیہ رو میں کھل گئے

وہ دھوم طبلِ جنگ کی، وہ بُوق کا خروش
کر ہو گئے تھے شور کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش
نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

لو پڑھ کے چند شعر رجز شاہِ دیں بڑھے
گیتی کو تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے
گویا علی اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خُو جدا
جیسے کنارِ شوق سے ہو خوب رُو جدا
مہتاب سے شعاع جدا، گل سے بُو جدا
سینے سے دم جدا، رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا، لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح
آہو پہ شیرِ شرزۂ غاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
دوڑا فرس، نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغِ تیز کوند گئی اُس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں برقِ تیغ جو چمکی، شرر اُڑے
جھونکا چلا ہوا کا جو سَن سے تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اُڑے
روح الامیںؑ نے صاف یہ جانا کہ پر اُڑے
ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ، دوپارا کیا اُسے
کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں تھی، جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے
سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ، نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب، سر گرا گئی
دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی
سیل آئی روز شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہنچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہہ گیا

اس آب پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان
پانی میں آگ، آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی، خدا کی شان
استادہ آب میں یہ روانی، خدا کی شان
لہرائی جب، اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

قلب و جناح و میمنہ و میسرہ تباہ
گردن کشانِ اُمتِ خیرالورا تباہ
جنباں زمیں، صفیں تہہ و بالا، پرا تباہ
بے جان جسم، روح مسافر، سرا تباہ
بازار بند ہو گئے، جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ، محلے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و بُرش اُس شعلہ رنگ کی
چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی، طلب گار جنگ کی
حاجت نہ سان کی تھی اُسے کچھ، نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو، لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغ خزاں تھی، گلشنِ ہستی سے کیا اُسے
گھر جس کا خود اُجڑ گیا، بستی سے کیا اُسے
وہ حق نُما تھی، کفر پرستی سے کیا اُسے
جو آپ سربلند ہو، پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے، وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ، بُرش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجا لہو ہوا
گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الامان کا غل چار سُو ہوا
جو اس کے منہ پہ آ گیا، بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے، نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

بجھ بجھ گئیں صفوں پہ صفیں، وہ جہاں چلی
چمکی تو اُس طرف، اِدھر آئی، وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری، کہاں چلی؟
اُس نے کہا یہاں، وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے؟ تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ
گردن سے سر الگ تھا، جدا تھے عناں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر، کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ

اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوف تیغ شہِ کائنات کا
زہرہ تھا آب، خوف کے مارے فرات کا
دریا پہ تھا یہ حال ہر اک بد صفات کا
چارہ فرار کا تھا، نہ یارا ثبات کا

غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہرچند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر
منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
تھے تہ نشیں نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اُس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر، جدھر سن سے آ گئی
کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آ گئی
دو کر کے خود، زین پہ جوشن سے آ گئی
کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آ گئی

بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمین سے "یا بوتراب" کی

پس پس کے کشمکش میں کماں دار مر گئے
چلّے تو سب چڑھے رہے، بازو اُتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے، تیروں کے پر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گزارا، گزر گئے

دہشت سے ہوش اُڑے ہوئے تھے مرغِ وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

تیرافگنی کا جن کی ہر اِک شہر میں تھا شور
گوشہ کہیں نہ ملتا تھا اُن کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھی چشمِ مور
لشکر میں خوفِ جاں نے اُنھیں کر دیا تھا کور

ہوش اُڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے

صف پر صفیں، پروں پہ پرے، پیش و پس گرے
اسوار پر سوار، فرس پر فرس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
مخبر پہ پیک، پیک پہ مرکر عسس گرے

ٹوٹے پرے، شکست بنائے ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی اُفتاد کم ہوئی

غصے تھا شیر شرزۂ صحرائے کربلا
چھوڑے تھے گرگ منزل و ماوائے کربلا
تیغ علیؑ تھی معرکہ آرائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا

بستی بسی تھی مُردوں کی، قریے اُجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین، سروں کے پہاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
تھی طرفہ کشمکش، فلکِ پیر کے تلے
چلّے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکا کے کماں تیر کے تلے

اس تیغِ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب، پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
رہ رہ کے ابرِ شام سے وہ بارشِ خدنگ
وہ شورِ صیحۂ فرسِ ابلق و سرنگ
وہ لوں، وہ آفتاب کی تابندگی، وہ جنگ

پھنکتا تھا دشتِ کیں، کوئی دل تھا نہ چین سے
اُس دن کی تاب وتب کوئی پوچھے حسینؑ سے

سقّے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے ادھر
بازارِ جنگ گرم ہے، ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر

کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب، حسینؑ ترستے تھے آب کو

گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
اُف اُف کبھی کہا، کبھی چہرے پہ لی سپر
آنکھوں میں ٹیس اُٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر
جھپٹے کبھی اِدھر، کبھی حملہ کیا اُدھر

کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے
چلتی تھی ایک تیغِ علیؑ، لاکھ رنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے
رکتی نہ تھی سپر سے، نہ آہن، نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر
پیکاں کدھر ہے تیر کا، سوفار ہے کدھر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
گوشوں کو ڈھونڈتی تھیں زمیں پر جھکائے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی، یہ جگر نہ تھا
سپر پہ جس نے ہاتھ رکھا، تن پہ سر نہ تھا

گھوڑے کی وہ تڑپ، وہ چمک تیغِ تیز کی
سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی
تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے

گھوڑوں کی جست و خیز سے اُٹھا غبار زرد
گردوں میں مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تودا بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد
کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیِ نبرد
پنہاں نظر سے نیرِ گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر، پہ نہ شب تھی، نہ روز تھا

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی
سنولائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی
تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی

ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی
اللہ کا غضب ہے لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے، ترائی حسینؑ کی
دنیا حسینؑ کی ہے، خدائی حسینؑ کی

بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبر کی روح کا

اکبر کا نام سن کے جگر پر لگی سناں
آنسو بھر آئے، روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں
تم نے نہ دیکھی جنگ مری، اے پدر کی جاں

قسمیں تمھاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابنِ سعد
اے وافضیحتا، یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلافِ وعد
اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثالِ رعد

نعرہ کیا، کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابنِ سعد! لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر
روئیں تن و سیاہ دروں، آہنی کمر
ناوک پیامِ مرگ کے، ترکش اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ، وہ سپر
دل میں بدی، طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اس کے اور اُسی قد و قامت کا ایک یل
آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستم گار و پُر دغل
جنگ آزما، بھگائے ہوئے لشکروں کے دَل
بھالے لیے، کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضربِ گُرز پہ، یہ تیغِ تیز پر

کھنچ جائے شکلِ حرب وہ تدبیر چاہیے
دشمن بھی سب مقر ہوں، وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے
فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیے
نقشہ کھنچے گا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی
ساونت بے حواس، ہراساں دھنی بلی
ڈر تھا کہ لو حسینؑ بڑھے، تیغ اب چلی
غل تھا اِدھر ہیں مرحب و عنتر، اُدھر علیؑ
کون آج سربلند ہو، اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھیے، کس کی شکست ہو

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں
بسم اللہ، اے امیرِ عرب کے سرورِ جاں
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں
اٹھی علی کی تیغِ دو دم، چاٹ کر زباں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں ادھر ذوالفقار کے

لشکر کے، سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے
وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اُدھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی، یا ابر گڑگڑائے
غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت گڑگڑائے
ماری جو ٹاپ، ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پاؤں

نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا کچھ وہ بہرہ مند
چلہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغِ سربلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں، نہ پیکاں خدنگ میں

ظالم اُٹھا کے گُرز کو آیا جناب پر
طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
مارا جو ہاتھ، پاؤں جما کر رکاب پر
بجلی گری شقی کے سرِ پُرعتاب پر
بد ہاتھ میں شکست، ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار
پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آب دار
یاں سر سے آئی پشت کے فقروں پہ ذوالفقار
قربان تیغِ تیزِ شہِ نام دار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے، دو راہوار کے

پھر دوسرے پہ گرز اُٹھا کر پکارے شاہ
کیوں، ضربِ ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ؟
سرشار تھا شرابِ تکبر سے روسیاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
غل تھا اُسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو، دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

آتا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا
ثابت ہوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا
ضربت پڑی کہ گنبدِ دوار پھٹ پڑا
پیوندِ صدرِ زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا، اور جنوں سے گھر
شیروں سے دشت، گرگ سے بن، اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر
اڑ کر گرے جزیروں میں دریا کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے

آئی ندائے غیب کہ شبیر! مرحبا!
اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر، مرحبا!
یہ آبرو، یہ جنگ، یہ توقیر، مرحبا!
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر، مرحبا!
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اب نہ کر وغا کی ہوس، اے حسین! بس
دم لے ہوا میں چند نفس، اے حسین! بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس، اے حسین! بس
وقتِ نمازِ عصر ہے، بس اے حسین! بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدحام میں
اب اہتمام چاہیے اُمت کے کام میں

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں
پلٹی سپاہ، آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں
پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بے کس حسین ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمھارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر
چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں، سینے کے پار تیر
پڑتے تھے دس، جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر
یہ دکھ نبی کی گود کے پالے حسینؑ پر!
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے!
فرزندِ فاطمہؑ کی یہ توقیر؟ ہائے ہائے!
بھالے وہ اور پہلوئے شبیر ہائے ہائے!
وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے!
غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ
اِک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبی کا رنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے، تین بھال کا تھا ناوکِ ستم
منہ کھل گیا، الٹ گئی گردن، رکا جو دم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بہ چشمِ نم
بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
اُبلا جو خوں، نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اعورِ سلمی عدوئے دیں
سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں
بھاگا گڑا کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں

گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریح رسالت پناہؐ کی

گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے، ہے غضب!
نکلی رکاب پائے مطہر سے، ہے غضب!
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے، ہے غضب!
غش میں جھکے، عمامہ گرا سر سے، ہے غضب!

قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی، عرش گر پڑا

گر کر کبھی اٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر
اُگلا لہو کبھی تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
کروٹ کبھی تڑپ کے اِدھر لی، کبھی اُدھر

اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے

جنگل سے آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا
اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمداً!
اِس وقت کون حقِ رفاقت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا

اُنیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینب نکل، حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

پردہ اُلٹ کے بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر
لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرقِ خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اے کربلا! بتا ترا مہمان ہے کدھر؟
اماں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ
لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے، اماں کدھر ہیں آہ!
کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتل گاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے مرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ
بس اب سفر قریب ہے لِلّٰہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ
یا مرتضیٰ! غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہؑ! چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

بنتِ علیؑ تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر
کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا اُدھر
زینب کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی تھامے ہوئے جگر
پہنچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
سید! تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا! چھری کی دھار
بھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار

صدقے گئی، لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی ذکرِ الہ میں

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو!
چلا رہی ہے دخترِ حیدرؑ جواب دو!
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو!
کیوں کر جیے گی زینبِ مضطر جواب دو!

جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیا میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں، کیا کروں!
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں، کیا کروں!
کس کی دہائی دوں، کسے چلاؤں، کیا کروں!
بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں، کیا کروں!

دنیا تمام اجڑ گئی، ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا

ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گزر گئی
بھیا! بتاؤ کیا تہہ خنجر گزر گئی؟
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی
صد شکر جو گزر گئی بہتر گزر گئی

سر کٹ چکا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوجِ نابکار
کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکرِ کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار
رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیس ضعف سے لرزاں ہے بند بند
عالم میں یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند
عالم پسند لفظ ہیں، سلطاں پسند بند
یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

☆

گیارھواں مرثیہ

# آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے

''کلیاتِ انیس'' کا پہلا مرثیہ ولادتِ حسینؑ کو خصوصاً اور شہادتِ حسینؑ کو عموماً بیان کر کے تہنیت وتعزیت کے ملے جلے تاثر کے ساتھ ختم ہوا۔ پھر امام حسینؑ کا قافلہ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا پہنچا۔ جناب حر نے شامی فوج کو چھوڑ کر امام عالی مقام کے دامن سے وابستگی اختیار کی اور شہادت پائی۔۔۔اس طرح محرم کے ابتدائی عشرہ کے دن گزرتے رہے۔۔۔حضرت عون ومحمد، حضرت قاسم اور حضرت علی اکبر شہید ہوئے۔۔۔اس سے قبل شامی فوج کے ابتدائی حملے میں حضرت حسینؓ کے تمام جانثار جام شہادت نوش کر چکے تھے۔۔۔اگلے مرحلے میں غازی عباس علم دار نے جنگ کی اور شہادت پائی۔۔۔اور پھر واقعہء کربلا اس مرحلے پر پہنچا جہاں شیر خوار تشنہ دہن معصوم علی اصغر کے حلق میں ظالموں کا تیر ترازو ہوا اور آپ نے امام حسینؓ کے ہاتھوں میں شہادت پائی۔ ریاض الرسول کا یہ ننھا پھول کربلا کی تپتی ریت میں دفن ہوا تو امام عالی مقامؓ خود یزیدی لشکر کے سامنے آئے اور آخر کار شہید ہوئے۔۔۔آپ کی شہادت کے بعد اہل بیت پر کیا گزری، یہ موضوع ہی اس مرثیے اور بعد کے بارہویں مرثیے میں بیان کیا گیا ہے۔

انیس کا یہ مرثیہ جسے ہم ''کلیاتِ انیس'' کے گیارہویں مرثیے کے طور پر مطالعہ کریں گے، اربابِ ذوق میں بے حد مقبول ہے اور عشرۂ محرم کے اختتامی لمحات میں بہت زیادہ پڑھا جاتا رہا ہے۔ یہ وہ مرثیہ ہے جو انیس کی زندگی میں اور ان کے بعد آج تک ہمیشہ مقبول رہا ہے اور یہ مقبولیت دھیمی یا پھیکی پڑنے کی بجائے دن بدن بڑھتی ہی رہی ہے۔۔۔آج

بھی نادر مرثیہ مقبول ہے اور یقیناً ہمیشہ مقبول رہے گا۔ جب تک اہل بیت کے غموں پر آنسو بہانے والی ایک بھی آنکھ اس کرۂ ارض پر باقی ہے انھیں کا کلام مقبول سے مقبول تر ہوتا جائے گا۔

یہ مختصر مرثیہ صرف 40 بندوں پر مشتمل ہے اور اشعار کی تعداد 120 ہے لیکن اختصار کے باوجود انیس کے تمام کمالات اس نظم کے ہر بند میں دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت زینبؑ کو واقعہ کربلا میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ انیس کے کلام میں آپ کا کردار بار بار پیش ہوا ہے۔ اس مرثیے میں دربار شام میں ان کی تقریر اور شخصیت کے ساتھ ساتھ شہادت حسینؓ کے بعد اہلِ بیت کے مصائب کو موضوع بنایا گیا ہے۔ انیس ان اشعار کے ساتھ مرثیہ شروع کرتے ہیں:

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے
صبح سے جشن کا غُل شام کے بازار میں ہے
صحبتِ عیش و طرب مجلسِ غدار میں ہے
شورِ فریاد و بکا عترتِ اطہار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں، دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
فاطمہؑ پیٹتی ہیں، شیرِ خداؑ روتے ہیں

o——o

آگے آگے تو ہیں سجاد جھکائے گردن
پاؤں بیڑی میں، گلا طوق میں، گردن میں رسن
مثلِ خورشیدِ فلک شرم سے لرزاں ہے بدن
چاک ہے غم میں گریبانِ قبا تا دامن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجھلا کے اُٹھاتے ہیں لعیں
بوڑیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں

o——o

پنڈلیاں سوجی ہیں اور طوق سے چھلتا ہے گلا
سخت ایذا میں ہے فرزندِ شہِ کرب و بلا
خار تلووں میں ہیں، مقتل سے ہے پیدل جو چلا
دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نازوں کا پلا
اس کی مظلومی پہ بے تاب حرم ہوتے ہیں
دیدۂ حلقۂ زنجیر لہو روتے ہیں

o—o

پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم
چپ ہیں تصویر سے، گویا کہ کسی میں نہیں دم
دخترِ فاطمہ زہراؑ کا عجب ہے عالم
تھرتھری جسم میں ہے، اُٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
رو کے فرماتی ہیں کس گوشے میں جائے زینب
ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینب

o—o

اس مرثیے کا مرکزی کردار حضرت زینب ہیں، وہ جرأت، شجاعت، حق گوئی اور بے باکی اظہار کا مظہر ہیں۔ اس مرثیے میں ان کی شخصیت ایک خاص مجاہدانہ انداز میں پیش کی گئی ہے۔ اس مرثیہ کی نمایاں خوبیاں آسان، سادہ اور رواں دواں زبان کے علاوہ سادگی، برجستگی، تائید، سوز و گداز اور دلکشی ہیں۔ انیس نے اس نظم میں بھی جا بجا اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا ہے۔ چند مقامات کی طرف صرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے۔

1۔ انیس کی ژرف نگاہی نقطۂ عروج پر ہے۔

2۔ ہر بند سے باریک بینی ظاہر ہوتی ہے۔

3۔ منظر نگاری کا فن ایک بار پھر کھل کر سامنے آیا ہے۔

4۔ ہر مصرعے سے زبان و بیان پر قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

5۔ فنی اظہار کے تمام کمالات اس نظم میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

آخر کار جب مظلوموں کا قافلہ یزید کے دربار میں پہنچتا ہے تو تمام ضروری پہلو بیان کرنے کے بعد انیس یزید کی زبان سے نکلنے والے وہ بدنما کلمات رقم کرتے ہیں، جن میں وہ اپنے اختیار، امام حسینؓ کی بے بسی، اپنی فتح، حسینی لشکر کی شکست اور امام عالی مقام کا تن بریدہ سر مبارک اپنے سامنے طشت میں رکھا ہونے پر فخر کرتا ہے اور خود کو برتر بتاتا ہے، نیز اہلِ بیت کی حالت پر طنز کرتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ جواب میں حضرت زینب جو تقریر کرتی ہیں، وہ ہمیشہ سے نظم و نثر میں مقبول رہی ہے۔ آپ کے ارشادات پر مشتمل بند اس مرثیے میں بھی جوہر اور روح کا درجہ رکھتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

سن کے یہ آ گیا بنتِ شہِ مرداں کو جلال
تھرتھرا کر کہا، کیا بکتا ہے او بداقبال
صاحبِ عزت و توقیر محمدؐ کی ہے آل
کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال
ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے

o—o

آلِ احمد کو حقارت سے نہ دیکھ او مقہور!
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کا نور
مار کر سبطِ پیمبرؐ کو یہ نخوت، یہ غرور
خیر! ہم دُور، نہ تُو دُور، نہ محشر ہے دُور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
باندھنا ہاتھ کا سادات کے کھل جائے گا

o—o

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ اے یزید جس گھر کی دربانی اللہ کے مقرب فرشتے کرتے ہیں تو نے وہ گھر لوٹ لیا، تیرے گھر کی عورتیں تو پردہ نشیں رہیں لیکن اہل بیت کے سر سے ردائیں چھین لی گئیں، یہ تیرے لیے خوشی کا موقع ہے اور ہمارے لیے سوگ کا۔ آپ کے یہ ارشادات سن کر دربار کا ایک ایک شخص بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا۔ اس کے بعد یزید نے امام عالی مقام کے کٹے ہوئے سر کے ساتھ گستاخی کی اور آپؓ کے ہونٹوں کو چھڑی سے کھول کر کہا کہ ہاں یہ لب پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں۔ اس پر پھر غم زدہ زینب نے اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی عملی تفسیر فراہم کی کہ ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا جہاد ہے۔

آزادی رائے اور حقوق نسواں کے علمبردار مغرب کو آج ہم پر طعنہ زن ہونے کا موقع اسی لیے ملا ہے کہ عصر حاضر کے مسلمان مرد و زن اپنی عظیم وراثت کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ ہمیں حضرت علیؓ سے جینے اور امام حسینؓ سے مرنے کا سبق ملتا ہے جبکہ حضرت زینبؓ باطل کے سامنے کسی بھی صورت نہ جھکنے اور سچائی کے اعلان کی زندہ علامت ہیں۔

کاش ہم اپنے ماضی کے روشن گوشوں سے اپنے حال کی بے حالی دور کر کے اپنے مستقبل کو بہتر بنا سکیں۔ آیئے، اب یہ عظیم اور پراثر مرثیہ پڑھیں اور ہر مصرعہ پر انیس کو بے ساختہ خراجِ تحسین پیش کریں۔ لیکن اس سے قبل اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ اس مرثیہ کے بعد جو مرثیہ آپ کے ذوق کی نظر کیا جائے گا، وہ ''کلیاتِ انیس'' کا بارھواں اور آخری مرثیہ ہوگا۔

اگلے مرثیے کے ساتھ ہی ''کلیاتِ انیس'' کا یہ حصہ جو مرثیوں پر مشتمل تھا، اپنے اختتام کو پہنچے گا اور پھر دوسرے حصے کا آغاز ہوگا جو سلاموں، نوحوں اور کلامِ انیس کے نادر و نایاب نمونوں پر مشتمل ہے۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی برمحل لگتا ہے کہ یہ کتنی اطمینان بخش بات ہے کہ بارہ اماموں کی مناسبت سے اس حصہ میں پیش کردہ مرثیوں کی تعداد بھی بارہ رہی، حالانکہ اس کا

شعوری اہتمام مرتب ومؤلف کے پیش نظر نہ تھا۔

بہر حال، اب گیارہویں مرثیے کے تبصرہ کو سمیٹتے ہوئے آپ کے تخیل کو شام کے دربار میں جانے کا موقع ملنا چاہیے، جہاں جشن کا سماں ہے اور قافلہء اہلِ بیت کا ہر فرد دل گرفتہ اس دربار کی شان وشوکت کو اعلائے کلمۃ الحق سے مٹانے کے لیے بڑھا آتا ہے۔
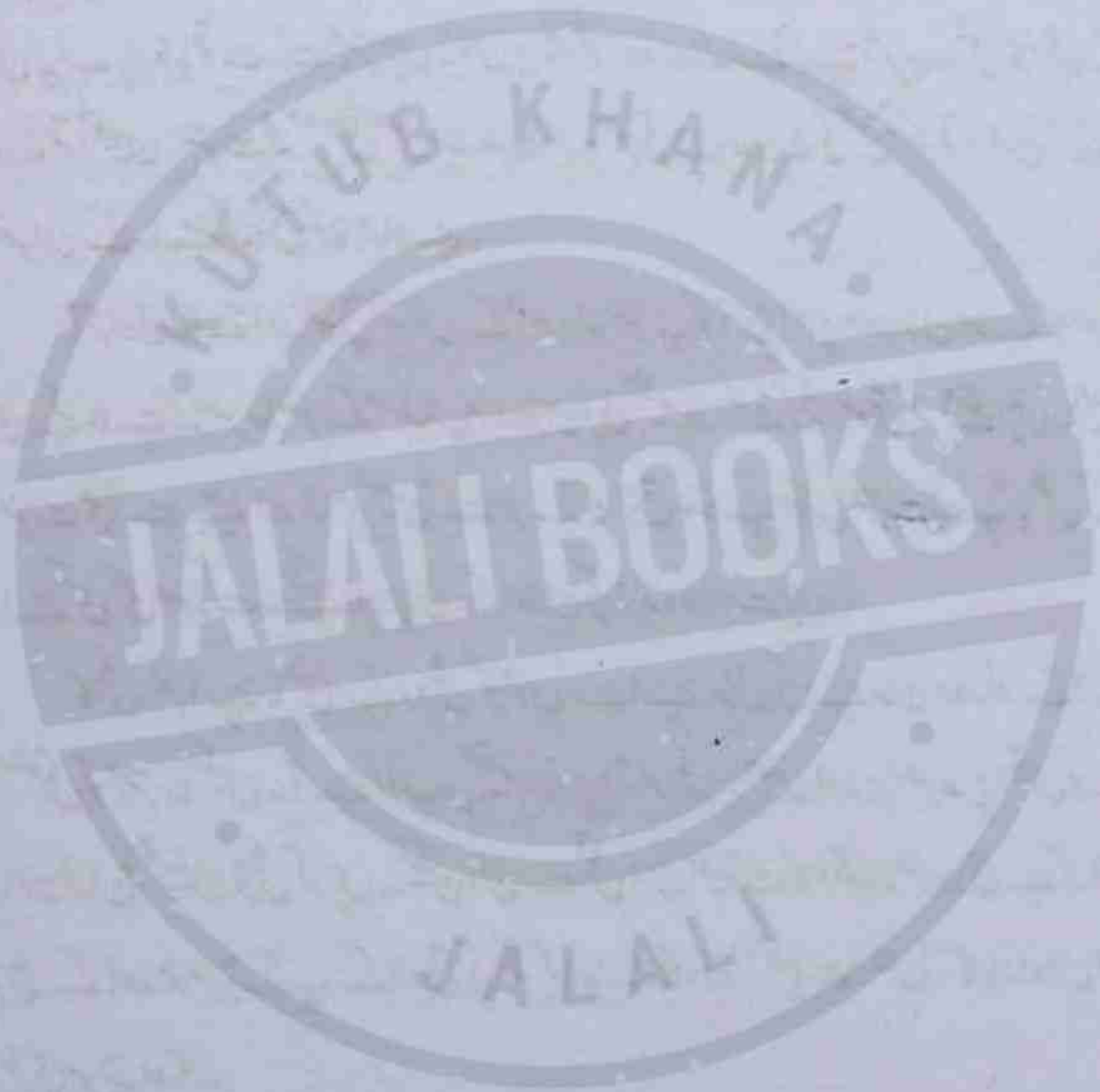
-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے
صبح سے جشن کا غل شام کے بازار میں ہے
صحبتِ عیش و طرب مجلسِ غدار میں ہے
شورِ فریاد و بکا عترتِ اطہار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں، دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
فاطمہؑ پیٹتی ہیں، شیرِ خداؑ روتے ہیں

آگے آگے تو ہیں سجاد جھکائے گردن
پاؤں بیڑی میں، گلا طوق میں، گردن میں رسن
مثلِ خورشیدِ فلک شرم سے لرزاں ہے بدن
چاک ہے غم میں گریبانِ قبا تا دامن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجھلا کے اُٹھاتے ہیں لعیں
بوڑیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں

پنڈلیاں سوجی ہیں اور طوق سے چھلتا ہے گلا
سخت ایذا میں ہے فرزندِ شہِ کرب و بلا
خار تلووں میں ہیں، مقتل سے ہے پیدل جو چلا
دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نازوں کا پلا
اس کی مظلومی پہ بے تاب حرم ہوتے ہیں
دیدۂ حلقۂ زنجیر لہو روتے ہیں

پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم
چپ ہیں تصویر سے، گویا کہ کسی میں نہیں دم
دخترِ فاطمہ زہراؑ کا عجب ہے عالم
تھرتھری جسم میں ہے، اُٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
رو کے فرماتی ہیں کس گوشے میں جائے زینب
ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینب

کبھی سجاد سے کہتی ہیں بہ آہ و زاری
مجھ کو دربار کی آفت سے بچاؤ واری!
کر کے زاری یہ بیاں کرتا ہے وہ آزاری
صبر فرماؤ، جو مرضیِ جنابِ باری
کم نہ کچھ مرتبۂ آلِ عبا ہووے گا
عاصیوں کا اسی پردے میں بھلا ہووے گا

گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن
جس طرح ہوتے ہیں گل دستے میں گلہائے چمن
رشتہ دارانِ علیؑ سب ہیں گرفتارِ محن
شرم کے مارے موئی جاتی ہے اک شب کی دلہن
دم بدم ساس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ اس کے
ابھی کنگنا نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ اس کے

ہے اسی رسّی میں ننھا سا سکینہ کا گلو
دم گھٹا جاتا ہے، آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
چاک کُرتے کا گریباں ہے، پریشاں گیسو
سوجے تو گال ہیں، کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
آہ ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے
جب گھڑکتے ہیں ستم گر تو دہل جاتی ہے

ماں سے کرتی تھی اشارہ وہ گرفتارِ ستم
رسّی کھلوا دو، نہیں گھٹ کے نکل جائے گا دم
رو کے وہ کہتی ہے، مجبور ہوں میں کشتۂ غم
ہائے بچّی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم

صدقے اماں! یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا
بی بی! اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا

ماں سے رو رو کے وہ نادان یہ کرتی ہے بیاں
کس کا دربار ہے، اس حال سے جاتی ہو کہاں؟
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں؟
کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں

بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انھیں پاؤں گی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

کہیں دربار میں اماں، وہ اگر مجھ کو ملے
دیکھنا کرتی ہوں کیسے شہِ والا سے گلے
وہ خبر لیویں نہ، گردن مری رسّی سے چھلے
اُس کو یوں بھولتے ہیں باپ سے بچّہ جو ہلے؟

وجہ کیا؟ کون سی تقصیر پہ منہ موڑا ہے؟
سیلیاں کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے

کان زخمی ہوئے اور لی نہ خبر، واہ رے پیار
خوب بھولے مجھے، بابا کی محبت کے نثار
دن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار
مجھ پہ یہ ظلم ہیں، ہے انھیں کس طرح قرار

منہ دکھاتے نہیں، شفقت سے بلانا کیسا
خواب میں آئے نہ، چھاتی سے لگانا کیسا

روتے تھے سن کے سکینہ کے بیاں سارے اسیر
ہر قدم پر تھا یہی شور کہ 'ہے ہے شبیر'
اُس طرف ہوتی تھی آرائشِ دربار شریر
تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پر سارے امیر

اک طرف لُوٹ کا سب زیور و زر رکھا تھا
اور تلے فاطمہؑ کے لال کا سر رکھا تھا

نذریں ہاتھوں پہ لیے آتے تھے سب درباری
پڑھتے تھے تہنیتِ فتح کو باری باری
جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری
یاں تو تھا جشن کا غل اور اُدھر تھی زاری

اس طرف سے تو دف و نے کی صدا آتی تھی
اور اُس سمت سے 'ہے ہے' کی صدا آتی تھی

دم بدم تخت سے اُٹھ اُٹھ کے یہ کہتا تھا شریر
قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں؟ کیا ہے تاخیر؟
بڑھ کے کرتے تھے خبردار یہ اس دم تقریر
ضعف سے پاؤں کوتھم تھم کے اٹھاتے ہیں اسیر

مارے دہشت کے لہو ان کا گھٹا جاتا ہے
ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آ جاتا ہے

بولا وہ ''کون سی عورت ہے وہ محبوسِ ستم؟''
عرض کی اس نے کہ ہمشیرِ شہنشاہِ اُمم
باپ جس کا ہے علیؑ پشت و پناہِ عالم
جس کی ماں فاطمہؑ ہے، فخرِ جنابِ مریم

ہے جو سلطانِ عرب، اس کی نواسی ہے وہ
کلمہ گو جس کے ہیں سب، اس کی نواسی ہے وہ

ہے وہی حضرتِ جعفر کی بہو، سینہ فگار
وہی زینب ہے، جو شبیر کی تھی عاشقِ زار
لاشِ شہ پر وہی اشتر سے گری تھی کئی بار
بعد مرنے کے بھی ہے بھائی بہن میں وہی پیار

قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے
پر وہ روتی ہے تو شبیر کا سر روتا ہے

بولا وہ کیا ہے پھر اوروں کے نہ آنے کا سبب؟
عرض کی ایک ہی رسی میں ہیں جکڑے ہوئے سب
خاک پر گرتی ہے جب بنتِ شہنشاہِ عرب
شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ 'ہے ہے زینب'

ہوش میں آن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے
دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے

انھی رانڈوں میں ہے اک دخترِ فرزندِ نبیؐ
خوگرِ سینۂ دل بندِ رسولِ عربیؐ
آفتِ فاقہ کشی، بے پدری، تشنہ لبی
دم بدم لب پہ یہ ہے: ''این ابی این ابی''

چھاتیاں پھٹتی ہیں، اس درد سے وہ روتی ہے
شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے

ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے
سب پکارے کہ وہ حاکم کے گنہگار آئے
آگے روتے ہوئے سجادِ دل افگار آئے
سر برہنہ حرمِ احمدِ مختارؐ آئے

صاف خورشید سی شکلیں جو نظر آتی ہیں
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں

گو کہ اُس روز تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
منہ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
بیٹیوں کا اسد اللہ کی، اللہ رے جلال
آنکھ اٹھا کر کوئی دیکھے، یہ کسی کی تھی مجال؟

جلوۂ روشنیِ طور نظر آتا تھا
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا تھا

پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر
ایک سے پوچھتا تھا ایک کہ قیدی ہیں کدھر
بیٹیاں فاطمہ زہراؑ کی جو تھیں ننگے سر
دستِ حیدرؑ تھا تماشائیوں کی آنکھوں پر

تھا جو منظورِ خدا آلِ عبا کا پردہ
فاطمہؑ روکتی تھی اپنی ردا کا پردہ

کہا ظالم نے کہ ہاں قیدیوں کو لاؤ قریب
حکم یہ سنتے ہی دوڑے گئے دو چار نقیب
شرم کے مارے ہوا بیبیوں کا حال عجیب
اپنا سر پیٹ کے بانو نے کہا وائے نصیب

کھینچ کر سب کو ستم گار جو لے جانے لگے
حضرتِ زینب و کلثوم کو غش آنے لگے

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
دیکھ کر سیدِ سجاد کو بولا وہ شریر
سرکشی کر کے نہ سربر ہوئے مجھ سے شبیر
شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر

بیٹھنے کا کہیں دنیا میں سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے، اب زور تمھارا نہ رہا

ہاں کہو، آج حمایت کو پیمبرؐ ہیں کہاں؟
کیا ہوئے ابنِ علیؑ، حیدرِ صفدرؑ ہیں کہاں؟
قید میں ان کی بہو آئی ہے، شبرؑ ہیں کہاں؟
ننگے سر زینبِ دلگیر ہے، سرورؑ ہیں کہاں؟
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے؟
ذرا اک غور سے دیکھو تو یہ سر کس کا ہے؟

کس کے ناموس لٹے، کس کا ہوا گھر تاراج؟
کون بے سر ہوا اور کون ہوا صاحبِ تاج؟
ایک چادر کے لیے کس کی بہن ہے محتاج؟
کون کمزور ہے اور کون زبردست ہے آج؟
خلق میں کس کے لیے مرتبۂ عالی ہے؟
کس کا اقبال ہے اور کس کی بداقبالی ہے؟

نہر پر بازوئے شبیر کو مارا کس نے؟
جنگ میں اکبرِ دلگیر کو مارا کس نے؟
تیر سے اصغرِ بے شیر کو مارا کس نے؟
شاہ سے صاحبِ شمشیر کو مارا کس نے؟
فوج بے سر ہوئی، سلطانِ حجازی نہ رہے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا، وہ غازی نہ رہے

سن کے یہ آ گیا بنتِ شہِ مرداں کو جلال
تھرتھرا کر کہا، کیا بکتا ہے او بداقبال!
صاحبِ عزت و توقیر محمدؐ کی ہے آل
کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال
ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے؟

ہاں بتا، آیۂ تطہیر کسے آیا ہے
دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
"ھل اتیٰ" کس کے لیے روحِ امیں لایا ہے
کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے
قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
فرقِ قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے؟

زور اپنا کسے اللہ نے امداد کیا؟
خانۂ کفر کو کس شیر نے برباد کیا؟
حق نے قرآن کے سورے میں کسے یاد کیا؟
کس کو "اکملت لکم دینکم" ارشاد کیا؟
کس سے ہر جنگ میں عاجز صفِ کفار آئی؟
بدر میں کس کے لیے عرش سے تلوار آئی؟

آلِ احمدؐ کو حقارت سے نہ دیکھ او مقہور!
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کا نور
مار کر سبطِ پیمبرؐ کو یہ نخوت، یہ غرور؟
خیر! ہم دُور، نہ تو دُور، نہ محشر ہے دُور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
باندھنا ہاتھ کا سادات کے کھل جائے گا

فخر کیونکر نہ کرے تُو کہ یہ ہے فخر کی جا
تُو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
ہو گئے سرخ لہو میں حسنؑ سبز قبا
فاطمہؑ ذبح ہوئی، شیرِ خداؑ قتل ہوا
آگ دی خیمے کو اور زیور و زر لوٹ لیا
جس کے درباں تھے ملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

ترے ناموس تو ہیں پردہ نشیں او ظالم!
بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہائے بے پردہ ہو بانوئے امامِ عالم
ہے سکینہ پہ وہ ظلم اور یہ کبرا پہ ستم
ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی

کیے زینب نے فصاحت سے یہ جس وقت کلام
کانپے سینوں میں جگر، رونے لگے لوگ تمام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاکِ امام
متوجہ ہوا شرما کے ادھر حاکمِ شام
اور اُن ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا
لبِ فرزندِ پیمبر پر چھڑی دھرنے لگا

کھول کر چوب سے لب ہائے شہنشاہِ عرب
کہتا تھا پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں یہ لب
دُرِ دنداں ہیں یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب
پیٹ کر سینے کو زینب نے کہا 'ہائے غضب'
نے محمدؐ سے نہ حیدرؑ سے حیا کرتا ہے
قطع ہو جائے ترا ہاتھ، یہ کیا کرتا ہے

اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا
بوسے لیتے تھے اِنھی ہونٹوں کے محبوبِ خداؐ
بہرِ امت اِنھی ہونٹوں سے دعا کی ہے سدا
اِنھی دانتوں پہ گُہر کرتی تھی صدقے زہراؑ
تجھ کو پیارے نہیں گو، ہم کو تو پیارے ہیں یہ
عرش تک جن کا ہے شہرہ وہ ستارے ہیں یہ

یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر
ارے ظالم سرِ بے سر کی بھلا کیا تقصیر؟
یہ چھڑی، ہائے غضب، اور لبِ پاکِ شبیر
نہ ستا مجھ کو، میں ہوں بنتِ شہِ خیبر گیر
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوں میں
لے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں

کہہ کے یہ، غیظ میں آئی جو علی کی جائی
آسماں آ گئے جنبش میں، زمیں تھرائی
سرِ شبیر سے ناگاہ صدا یہ آئی
تھام لے غیظ کو زینب، ترے صدقے بھائی
نہ تلاطم میں کہیں قہرِ الٰہی آ جائے
کہیں امت کی نہ کشتی پر تباہی آ جائے

تم تو آگاہ ہو شبیر نے جو دکھ پائے
پر نہیں حرف شکایت کا زباں پر لائے
سر کو نہوڑا لیا، جب ذبح کو قاتل آئے
ہم نے اُمت کے لیے چھاتی پہ نیزے کھائے
اتنی سی بات پہ مصروفِ بکا ہوتی ہو؟
تم چھڑی ہونٹوں پہ دھرنے سے خفا ہوتی ہو؟

برچھیاں کھانے سے کیا اس میں کچھ ایذا ہے بڑی؟
چپ رہے، تن پہ جو تلوار پہ تلوار پڑی
جانے دو، رکھی تو رکھی مرے ہونٹوں پہ چھڑی
اے بہن! یہ بھی گزر جائے گی آفت کی گھڑی
چپ ہیں، جو ہم پہ ستم راہِ رضا میں ہو گا
اس کا انصاف تو دربارِ خدا میں ہو گا

سرِ شبیر نے زینب سے جو یہ کی تقریر
آ کے غصے میں لگا کانپنے حاکم بے پیر
شمر سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر
سب کو لے جا کے تو کر سخت خرابے میں اسیر

بس انیس اب جگر و قلب پھنکا جاتا ہے
حال زنداں کا نہیں منہ سے کہا جاتا ہے

☆

بارہواں مرثیہ

# جب حرم مقتلِ سرور سے وطن میں آئے

جب اہلِ بیت کا لٹا پٹا قافلہ واپس مدینہ پہنچتا ہے تو کیا قیامت برپا ہوتی ہے، یہی اس مرثیہ کا موضوع ہے، بنیادی طور پر اسے حضرت زینب کی طرف سے ایک مرثیہ کہنا چاہیے، وہ وطن لوٹ کر سرورِ کونین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ اقدس پر تشریف لے جاتی ہیں اور آپؐ سے مخاطب ہو کر جو کہتی ہیں، وہ مرثیے میں ڈھل جاتا ہے۔ اس مقام سے قبل ابتدائی دو بند قافلے کی واپسی اور اہلِ مدینہ کے جمع ہو جانے پر ہیں:

جب حرم مقتلِ سرور سے وطن میں آئے
اشکِ خوں روتے ہوئے رنج و محن میں آئے
سب سیہ پوش غمِ شاہِ زمن میں آئے
خاک اُڑانے کو خزاں دیدہ چمن میں آئے
بال تھے چہروں پہ سنبل سے پریشاں سب کے
مثلِ گل چاک تھے ماتم میں گریباں سب کے

o——o

گرد تھا ناقوں کے ساداتِ مدینہ کا ہجوم
رو کے چلاتے تھے سب 'ہائے امامِ مظلوم'
سرنگوں آتے تھے سجاد، بلکتے معصوم
ہاتھ اٹھا کر یہ بیاں کرتی تھی زینب مغموم
دشت میں سیدِ ابرار کو رو آئے ہم

اے مدینہ! ترے سردار کو رو آئے ہم

حضرت زینب کا یہ بیان اتنا غم انگیز ہے کہ پتھر دل سے پتھر دل انسان بھی پورا مرثیہ بغیر اشک بہائے شروع سے آخر تک نہیں پڑھ سکتا۔ جگہ جگہ رکنے اور آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے۔ خصوصاً مزارِ نبیؐ پر جا کر حضرت زینبؑ نے جو غم انگیز بین کیے ہیں انھیں پڑھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگتی ہیں۔

یہ مرثیہ میر انیس کے مختصر ترین مرثیوں میں شامل ہے اور ایک ایسا فن پارہ ہے جس میں مرثیہ کے مصروف اجزا بالکل نہیں ہیں۔ رزم کا بیاں ہے نہ بزم کا ذکر، گھوڑے تلوار اور یلغار کا تذکرہ ہے نہ چہرہ وسراپا قلمبند ہوئے ہیں لیکن تاثیر ایسی ہے کہ سیدھا دل میں اُتر جاتا ہے۔ اسی مرثیے پر ''کلیاتِ انیس'' کے پہلے حصے کا خاتمہ ہوتا ہے۔ دوسرے اور آخری حصہ میں انیس کی دیگر اصنافِ سخن کا بہترین انتخاب آپ سے داد پانے کا منتظر ہے۔

-☆-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب حرم مقتلِ سرور سے وطن میں آئے
اشکِ خوں روتے ہوئے رنج و محن میں آئے
سب سیہ پوش غمِ شاہِ زمن میں آئے
خاک اُڑانے کو خزاں دیدہ چمن میں آئے
بال تھے چہروں پہ سنبل سے پریشاں سب کے
مثلِ گل چاک تھے ماتم میں گریباں سب کے

گرد تھا ناقوں کے ساداتِ مدینہ کا ہجوم
رو کے چلاتے تھے سب 'ہائے امامِ مظلوم'
سرنگوں آتے تھے سجاد، بلکتے معصوم
ہاتھ اٹھا کر یہ بیاں کرتی تھی زینب مغموم
دشت میں سیدِ ابرار کو رو آئے ہم
اے مدینہ! ترے سردار کو رو آئے ہم

اے مدینہ! متوجہ نہیں ہوتا تو ادھر
آئے ہیں حسرت و اندوہ سے ہم خستہ جگر
ہو کے آگاہ یہ دے احمدؐ مرسل کو خبر
یا نبیؐ! لٹ گیا پردیس میں سادات کا گھر
داد دیجے کہ بہت بے کس و نادار ہوں میں
اپنے بھائی کی مصیبت میں گرفتار ہوں میں

رن میں افتادہ ہیں بے گور و کفن اور بے سر
بھائی مارا گیا، سب ذبح ہوئے خویش و پسر
چادریں چھن گئیں، قیدی ہوئے ہم خستہ جگر
لے گئے ہم کو کنیزوں کی طرح بائے شر

شہر یثرب کی جو بستی تھی وہ تاراج ہوئی
آپ کی آل کفن کے لیے محتاج ہوئی

اے محمدؐ کے مدینے! نہیں کیا تو آگاہ؟
یاں سے جس روز گئے تھے حرمِ شیرِ الٰہ
بھائی، فرزند، بھتیجے تھے سب اس دن ہمراہ
آج ان میں سے کوئی ساتھ ہمارے نہیں آہ!

لختِ دل ہے کوئی، نے راحتِ جاں ہے کوئی
اب نہ ہے پیر، نہ بچہ، نہ جواں ہے کوئی

امن میں یاں سے گئے، خائف و ترساں آئے
چادریں بھی نہ رہیں، با سرِ عریاں آئے
جمع یاں سے گئے اور واں سے پریشاں آئے
گھر لٹا، قید ہوئے، بے سر و ساماں آئے

تعزیہ دارِ شہِ یثرب و بطحا ہم ہیں
سوگوار پسرِ حضرتِ زہراؑ ہم ہیں

خاک اڑاتے ہیں کہ ہم لوگوں کا آقا نہ پھرا
ہم پھرے پیٹتے روتے ہوئے، مولا نہ پھرا
وا دریغا! پسرِ حضرتِ زہراؑ نہ پھرا
قافلہ لُٹ کے پھرا، شاہ ہمارا نہ پھرا

دکھ میں شاکر ہیں ہم، آزار میں صابر ہیں ہم
اک جہاں روتا ہے جس پر وہ مسافر ہیں ہم

یہ بیاں کرتی ہوئی دور سے بانالہ و آہ
متصل روضۂ احمدؐ کے جو پہنچی ناگاہ
دخترِ فاطمہؑ و لختِ دلِ شیرِ الٰہ
رو کے چلائی کہ لوٹے گئے ہم یا جداہ!

چھٹ گیا ہم سے شہنشاہ ہمارا، نانا!
بے گنہ ذبح ہوا آپ کا پیارا، نانا!

ظلم جو چاہتے تھے حق میں ہمارے جلاد
وہ کیا ہم پہ، برآئی بس اب ان سب کی مراد
گھر کا گھر لوٹ لیا، کرتے رہے ہم فریاد
زندگی تھی جو بچے قتل سے بے کس سجاد

کہتے تھے سب کہ اماں یہ بھی نہ اب پائے گا
خنجرِ ظلم سے سر اس کا بھی کٹ جائے گا

لے گئے لوٹ کے اسباب بھی سب بانیِ شر
بلوۂ عام میں ہم پیٹتے تھے ننگے سر
بے ردا بانوئے بے کس کو نکالا باہر
گوشوارے لیے ٹُمرا کے، سکینہ کے ٹُمر

رو کے چلائی تھی، دُکھ دیتے ہیں ناری یارب!
سن لے اس وقت میں فریاد ہماری یارب!

زینب خستہ جگر، خواہرِ شاہِ ذی جاہ
درِ مسجد پہ جو روتی ہوئی پہنچی ناگاہ
اُس گھڑی اور بھی صدمے سے ہوا حال تباہ
سر کو ٹکرا کے دلِ زار سے کھینچی اک آہ

تھا یہ مشکل کہ کلیجے کو وہ خوش خُو تھامے
غش جو آنے لگا، دروازے کے بازو تھامے

دی یہ آواز کہ فریاد ہے یا خیرِ بشر!
کٹ گیا خنجرِ بے داد سے شبیر کا سر
لائی ہوں آپ کے پیارے کی شہادت کی خبر
کیجیے اس رخِ مشکیں پہ ذرا اٹھ کے نظر

بھر گیا خون میں افسوس عمامہ، نانا!
ٹکڑے تیغوں سے ہوا آپ کا جامہ، نانا!

کچھ نہ امت نے کیا پاسِ رسولؐ کونین
یا رسولؐ عربی! ذبح ہوا رن میں حسینؑ
ننگے سر ہم سوئے کوفہ گئے با شیون و شین
چھپ گیا خاک میں وہ فاطمہؑ کا نورالعین

قیدِ آفت میں کہیں چین نہ پایا، نانا!
دربدر آپؐ کی اُمت نے پھرایا، نانا!

دیکھتے کاش ہمیں آپ اُن اونٹوں پہ سوار
جن پہ تھی کوئی عماری، نہ کجاوہ زنہار
شہر وہ شام کا اور ظلم و ستم کا بازار
پہنچی بعد اس کے یہ نوبت کہ گئی تا دربار

بال بکھرا دیے چہروں پہ، یہ پردا ٹھہرا
ننگے سر دیکھنا لوگوں کا تماشا ٹھہرا

کاش اے فاطمہؑ تم دیکھتیں ہم سب کو اسیر
کہ ہر اک شہر میں کس طرح پھرے ہم دلگیر
دیکھتیں سیدِ سجاد کو باحالِ تغیر
طوق پہنے ہوئے اور ہاتھ سے تھامے زنجیر

منزلوں رنج و مصیبت میں گرفتار رہے
دن کو خوں بار رہے، راتوں کو بیدار رہے

ہم پہ اے فاطمہؑ! جو کچھ کہ ہوئے ظلم و ستم
تم نے اک حصہ بھی دیکھا نہیں وہ درد و الم
زندہ رکھتا جو سدا تم کو خدائے اکرم
حشر تک ہم پہ بُکا کرتیں بہ صد حسرت و غم

ٹکڑے ہو جاتا، اگر کوہ پہ آفت پڑتی
پھٹ کے گرتا، جو فلک پر یہ مصیبت پڑتی

آج اے فاطمہؑ! ہے روزِ غم و درد و بُکا
دیجے رو رو کے بقیعہ میں حسنؑ کو یہ صدا
اے جگربندِ نبیؐ، اے حسنِ سبز قبا
کٹ گیا تیغِ ستم سے ترے بھائی کا گلا

تشنہ لب رن میں امامِ ازلی کو مارا
فوجِ اعدا نے حسینؑ ابنِ علیؑ کو مارا

کربلا میں ہوئی ضائع ترے بھائی کی عیال
مل گیا خاک میں وہ حیدرِ کرار کا لال
تنِ بے سر کو کیا اہلِ ستم نے پامال
دفن بھی ہونے نہ دی لاشِ شہِ نیک خصال

بے کفن رن میں تنِ سبطِ پیمبرؐ رکھا
سرِ مجروح کو خولی نے سناں پر رکھا

یا حسنؑ چھپ گیا آنکھوں سے وہ اللہ کا نور
یا حسنؑ حربوں سے سب جسم تھا بھائی کا چُور
کوئی ایسا نہ ہوا ہوگا غریب و مجبور
اس کی مظلومی پہ کرتے ہیں فغاں وحش و طیور

تا بہ مقتل جو بیاباں سے ہوا آتی تھی
صاف ''مظلوم حسینا'' کی صدا آتی تھی

کاش وہ واقعہ تم دیکھتے بادیدۂ تر
جب ستم گر لیے جاتے تھے ہمیں ننگے سر
نہ تو برقع، نہ عصابہ تھا، نہ سر پر چادر
کوئی غم خوار، نہ مونس، نہ انیس و یاور
ایک عابد تھا سو آہن میں مسلسل تھا وہ
اہلِ کیں گھوڑوں پہ اسوار تھے، پیدل تھا وہ

-☆-

دوسرا حصہ
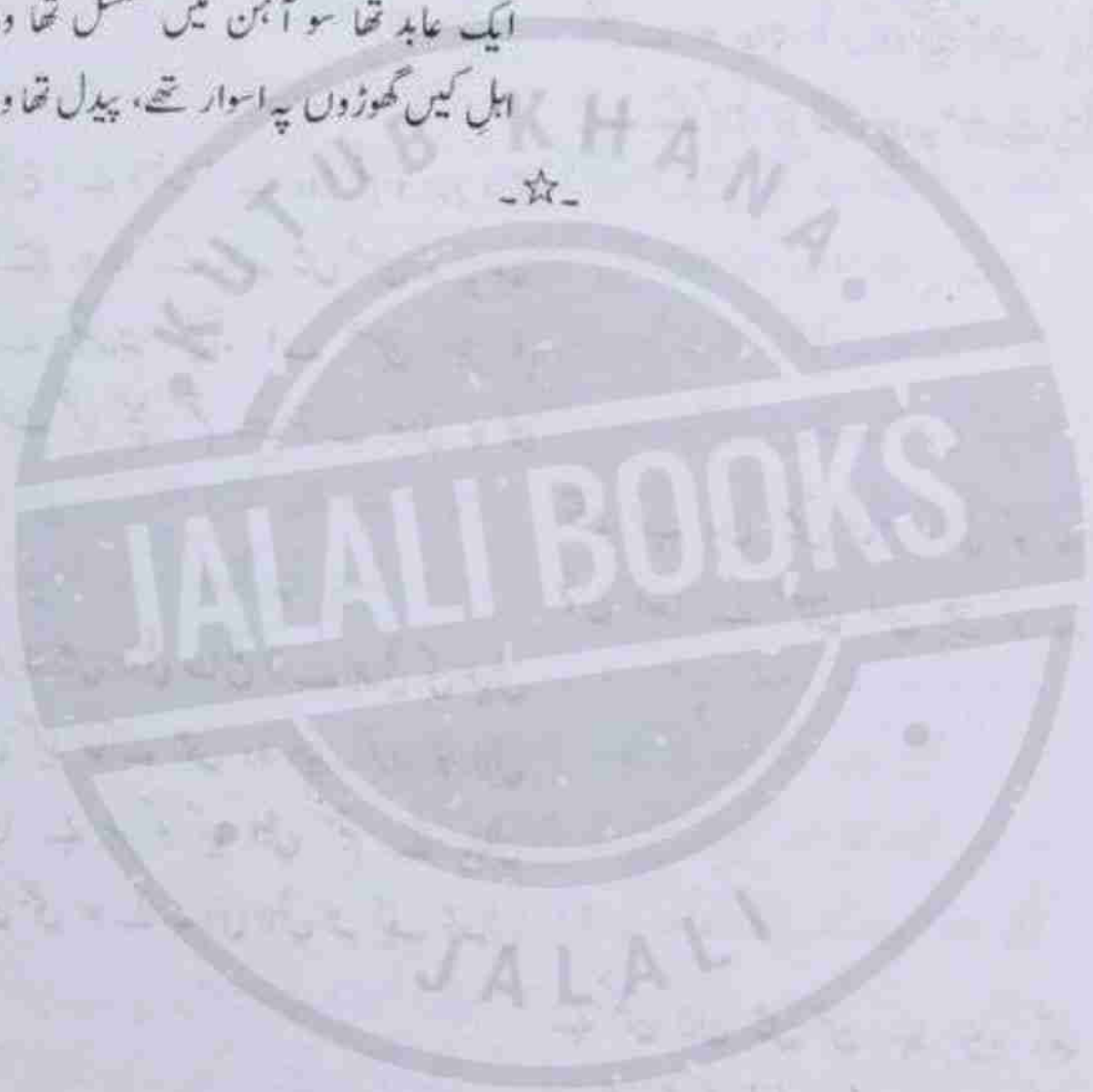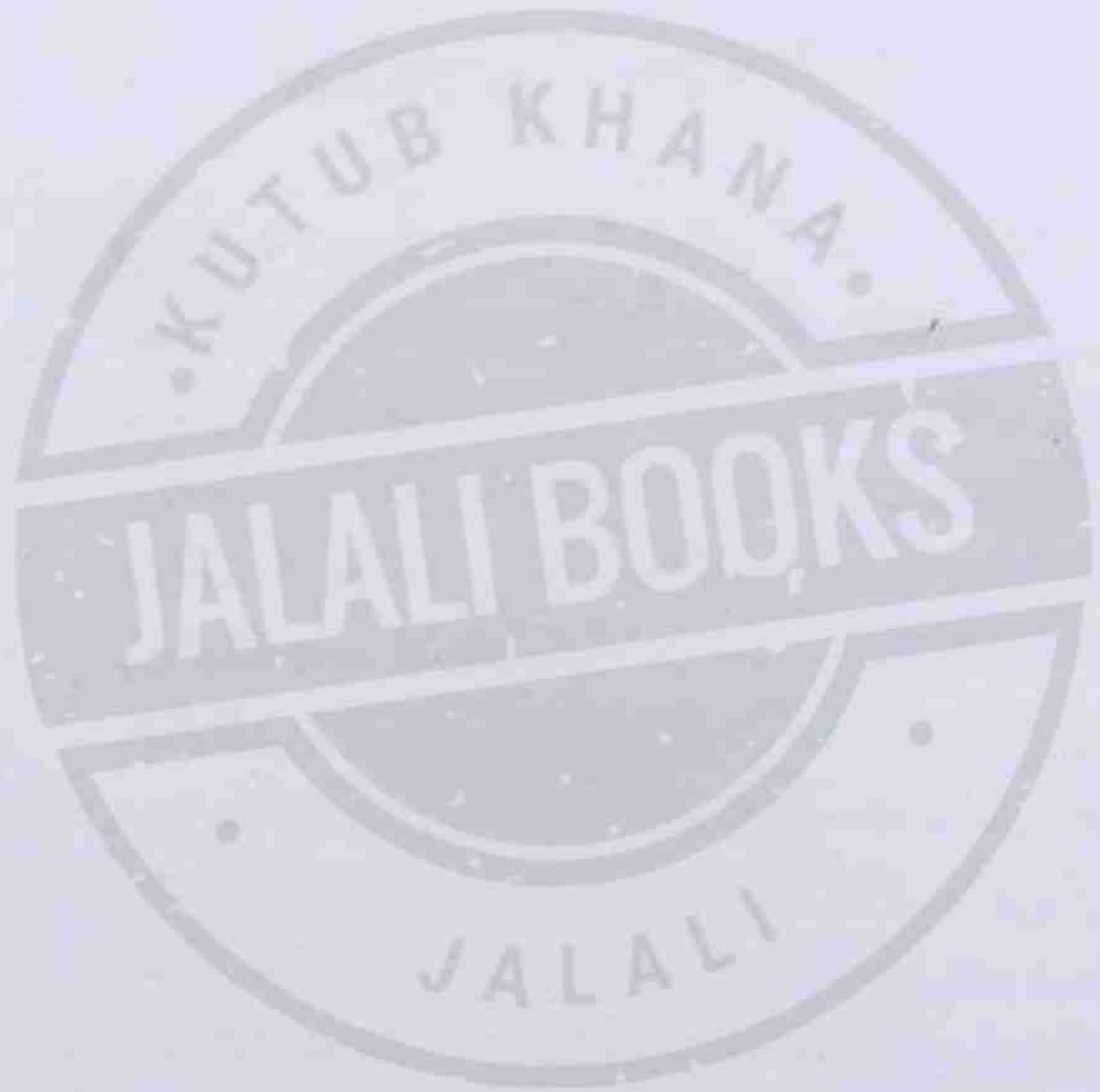
# انیس کے سلام

# سلام کی صنف اور انیس کی خدمات

''کلیاتِ انیس'' کے دوسرے حصے میں انیس کے سلاموں کا بہترین انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ آئندہ صفحات میں قارئین میر صاحب کے سو سے زیادہ سلام مطالعہ فرمائیں گے۔ جیسا کہ آپ گذشتہ حصے کے آغاز اور مرثیوں پر لکھی آرا میں جان چکے ہیں، انیس ارضِ ہند کے وہ بطلِ جلیل ہیں، جنھوں نے اردو شاعری کو بات کی بات میں زمین سے آسمان کر دیا۔ اگر اصناف سخن کی بات کریں تو انھوں نے سخن گوئی کے ابتدائی دور میں غزل گوئی کا میدان منتخب کیا اور ''حزیں'' تخلص اختیار کیا۔ ایک بار اپنے والد خلیق کے ساتھ ناسخ سے ملنے گئے تو نہ صرف ناسخ نے خلیق سے میر صاحب کا تخلص بدلنے کے لیے کہا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آپ کے یہ فرزند عالمگیر شہرت پائیں گے اور آسمانِ سخن وری کا آفتاب بن کر تادیر جگمگائیں گے۔ خلیق صاحب کے کہنے پر ناسخ نے ''انیس'' تخلص تجویز کیا جو بعد میں اتنا مقبول ہوا کہ زیادہ تر لوگ انھیں میر انیس ہی کے نام سے جانتے ہیں اور کم لوگوں کو علم ہے کہ ان کا خاندانی نام ببر علی تھا۔ بہر کیف غزل گوئی کے میدان میں اپنی جدت طرازی کے کمالات دکھا کر انیس جب مرثیہ گوئی کے میدان میں اترے تو دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ دور دور تک کوئی ان کا مقابل نہیں ہے۔

آج کل انیس کی غزل گوئی کے بارے میں تو کوئی بات بھی نہیں کرتا اور نہ ہی ان کی زیادہ غزلیں دستیاب ہیں سوائے ایک دو نمونوں کے، جو تذکرہ نگاروں کی بدولت محفوظ رہ گئے، لیکن ان کے مرثیے زبان زد عام ہیں اور رہیں گے اور یہ اعزازِ شہرت و قبولیت انھیں ان کی زندگی ہی میں حاصل ہو گیا تھا۔ مرثیوں کے بعد انیس کے سلام مشہور ہیں جن میں وہی خوبیاں

مصرعہ بہ مصرعہ موجود ہیں جو مجموعی طور پر انیس کے کلام کی جان ہیں۔ انیس نے مرثیہ نگاروں کی طرح سلام نویسی میں بھی بہت سے قابلِ قدر اضافے کیے لیکن ان کے ذکر سے قبل سلام نویسی کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈال لینا بے محل نہ ہوگا کیونکہ یہ اردو میں پروان چڑھنے والی اہم صنفِ ادب ہے۔

سلام کی صنف اُن اصنافِ شعر میں ہے جو صرف اردو میں پھلی پھولی۔ عربی میں متفرق اشعار جو سلام سے موضوعاتی ربط رکھتے ہیں اس زبان کے قصائد میں مل جائیں گے۔ لیکن ایک جداگانہ صنف کے اعتبار سے سلام کا عربی میں وجود نہیں۔ فارسی میں کچھ سلام مل جاتے ہیں لیکن بے رتبہ ہیں۔ امداد امام اثر نے لکھا ہے کہ فارسی میں سہرا نہیں ہے مگر سلام ہے معلوم ہوتا ہے کہ اہل فارس کو سلام گوئی کا مذاق کم ہے۔ ایرانی فارسی گویوں کے یہاں سلام تلاش ہی سے ملتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں بھگتی اور عقیدت کی عام فضا سے متاثر ہو کر یہاں کے فارسی گویوں نے سلام لکھے ہیں۔ بعد میں ''سلام برخواں'' کی روایت کو اُردو نے کچھ اس طرح اپنایا کہ اس پر بے شرکتِ غیر قابض ہو گئی اور اُردو میں سلاموں کا ایک ضخیم ذخیرہ جمع ہو گیا لیکن مذہب و عقیدت سے گہری وابستگی کی بدولت اس صنف کو مدتوں گویا ادب کے دائرے سے خارج اور ناقابلِ اعتنا سمجھا گیا۔ یہ صورت صرف سلاموں کی نہیں ہے بلکہ ہماری تاریخ ادب اور تنقید نے سارے مذہبی ادب کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ اگر قصیدے کو الگ کر دیا جائے تو مذہبی ادب کے بارے میں مشکل ہی سے ایک لفظ کہیں ملے گا، کیا نعت، کیا منقبت، کیا مرثیہ، کیا مولود، سب سے بے اعتنائی برتی گئی اور یہ ذخیرہ جو کئی اعتبار سے اہم تھا، صدیوں طاقِ نسیاں کی زینت بنا رہا اور اس کا بڑا حصہ ضائع بھی ہو گیا۔

مذہبی ادب اتنا ہی اچھا ہے، جتنا خود مذہب۔ عوامی زندگیوں میں آج بھی مذہب کا اہم کردار ہے۔ مذہبی ادب، مذہبی اجتماعات میں آج بھی نثر و نظم کی صورت میں سنایا جاتا ہے اور کتابوں میں شائع ہوتا ہے۔ مذہبی عقیدت، ایک قوی عوامی جذبہ ہے۔ سچی مذہبی عقیدت تنگ نظری میں بھی نہیں ہوتی بلکہ اپنے بہت سے رجحانات میں آفاقیت کا پہلو رکھتی ہے۔ اس ادب

سے افراد اور معاشرے دونوں کے واردات ومحسوسات ومعتقدات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے پھر اس کی زبان، اجتماعی ضرورتوں کے پیش نظر، نسبتاً سادہ وآسان ہوتی ہے۔ غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے مذہبی ادب دور پھینکنے کی نہیں بلکہ بغور مطالعہ کرنے کی چیز ہے۔ اس میں رسومات وتوہمات سے لے کر فلسفیانہ خیالاتِ عالیہ اور اخلاقی معیار کے بلند مضامین تک مل جاتے ہیں۔ معاشروں کو سمجھنے میں بھی ان سے مدد مل سکتی ہے۔ ہمارے مذہبی ادب میں بڑا تنوع ہے اور اس کے موضوعات وسیع ہیں۔ مذہبی ہوتے ہوئے بھی اس کے بعض اصناف میں سکولر مضامین بکثرت نظم ہوئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود مذہبی ادب پر علی العموم اور سلام پر علی الخصوص تحقیق مفقود ہے۔ اس صنف کے بارے میں اردو میں اگر کچھ کبھی لکھا بھی گیا ہے تو بے حد ناکافی ہے۔ ہمارے لیے صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کریں۔

امداد امام اثرؔ نے یہ صحیح بات لکھی ہے کہ عروضی ترکیب کی رو سے غزل، سہرا اور سلام شے واحد ہیں مگر اُن کے مضامین اور تقاضے ایک دوسرے سے علیحدہ انداز رکھتے ہیں۔ ہمارے مقاصد کے لیے عروضی ترکیب یوں اہمیت نہیں رکھتی کہ بعض سلام مثلث، مربع اور مخمس کی شکلوں میں بھی لکھے گئے ہیں۔ پھر جس عروضی ترکیب میں مختلف کیفیات ذہنی نظم ہوں اُسے صنف کا سنگِ بنیاد قرار دینا مناسب بھی نہ ہوگا۔ دراصل ہمارے یہاں موضوعات کی باقاعدہ تقسیم پر کم زور دیا گیا ہے اور عروضی ہیئت ہی کو بنیاد بنا کر صنف کا مرتبہ دے دیا گیا ہے۔ مثلاً قصیدہ، مثنوی، مخمس، مثلث، مسدس، مستزاد، ترکیب بند، ترجیع بند ہیئتی تقسیم ہے۔ غزل، مدح، ہجو، داستانِ منظوم، نعت، سلام، مرثیہ یہ موضوعاتی تقسیم ہے۔ ان دونوں کو خلط ملط کر دینے سے گفتگو خواہ مخواہ الجھ جاتی ہے۔ غور کیجیے تو امداد امام اثرؔ صرف یہی کہنا چاہتے ہیں کہ غزل، نعت، سہرے اور سلام کی عروضی ہیئت ایک ہے۔ قصیدے کی ہیئت میں کئی موضوعات اور مضامین کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور یہ ایک بنیادی ہیئت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کم از کم عربی میں تو مدتوں یہی ہیئت جاری وساری رہی۔ فارسی اور اردو میں مثنوی، رباعی اور مسدس کا بھی بڑے

پیمانے پر استعمال ہوا ہے لیکن قصیدے کی ہیئت کا استعمال سب سے زیادہ اور متنوع طریقے پر ہوا ہے۔ غزلوں کے قطعہ بند اشعار اور قطعات بلکہ زمانہ ماضی قریب کی بہت سی نظمیں بھی اسی زمرے میں آ جاتی ہیں۔ اس ہیئت کے کچھ تقاضے، کچھ حد بندیاں، کچھ کمیاں اور کچھ مثبت خوبیاں بھی رہی ہیں جنھوں نے ہر اُس موضوع کو متاثر کیا ہے جو اس ہیئت کے لیے اختیار کیا گیا۔ سلام اس سے مستثنیٰ نہیں۔

غزل، نعت، سہرے اور سلام کی یہ خصوصیت بھی مشترک ہے کہ قصیدے کے برعکس ان کے مختلف اشعار میں مختلف خیالات ومضامین نظم ہوتے ہیں اور ایک شعر کا دوسرے شعر سے معنوی اعتبار سے مربوط ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس ہیئت کے لیے تنوع مضامین کی شرط بھی لازمی نہیں ہے۔ جیسا کہ مسلسل غزلوں سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ قدما کے یہاں چھوٹے بڑے قطعات بھی غزلوں میں شامل ہوا کرتے تھے ان میں بھی تسلسل ہوتا تھا۔ قطعوں کی روایت سلام میں بھی در آئی تھی اس لیے ان چھلکتے، لچکتے پیمانوں سے سلام کو ناپنا ٹھیک نہ ہوگا۔

غزل، سلام، نعت اور سہرے کی اصلی شناخت ان کی تشکیلی مزاج اور اندرونی آہنگ ہے۔ اسی مزاج و آہنگ کی بنا پر سلام، غزل اور سہرے وغیرہ سے ممتاز ہوتا ہے، یہی غزل اور سہرے کو بھی امتیازی شان دیتے ہیں۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے سلام کے عروج کا زمانہ ہماری شاعری میں شکست وریخت کا زمانہ رہا ہے۔ سلام ہی کا نہیں بلکہ تقریباً سبھی اصناف سخن کا تشکیلی مزاج ایک متلون کیفیت کا حامل ہو گیا تھا۔ کبھی غزل میں سلام وقصیدے کا رنگ اور کبھی قصیدہ و سلام میں غزل و مرثیہ کا آہنگ دخیل ہو گیا اور ایسے خانے بنانا مشکل ہو گیا جن میں ایک طرف کا پانی رس کر دوسری طرف نہ پہنچ جاتا ہو۔ تاہم بہ حیثیت اجتماعی سلام اور غزل میں تمیز کرنا ممکن ہے۔ دونوں کا تشکیلی مزاج اور اندرونی آہنگ ہی مابہ الامتیاز ہے۔ غزل کے تشکیلی مزاج میں عشق اور سلام کے تشکیلی مزاج میں اعتقاد کو بالادستی حاصل ہے۔ اعتقادی شاعری میں اخلاقی، منقبتی، رثائی، مدحیہ، بھگتی کی شاعری شامل ہے۔ دورِ قدیم کی اخلاقی مثنویاں، نعت، قصیدہ، مرثیہ، مناجات، میلاد، سلام کتنی صنفیں ہیں جو اعتقادی شاعری کے زمرے میں آ جاتی ہیں۔

اگر بہت غور سے دیکھا جائے تو یہ قدرِ مشترک (یعنی اعتقاد) بھی ہر ایک صنف میں کسی حد تک ایک امتیازی رنگ لیے ہوئے ہے۔ مثنوی میں بیانیہ انداز، نعت میں والہیت، قصیدے میں بلند آہنگی اور خیال آفرینی، مرثیے میں غمناکی، مناجات میں عبدیت وطلب اور سلام میں ان سبھی اجزا کی آمیزش کے علاوہ کہیں کہیں متغزلانہ ایمائیت اور اخلاق دوستی کا عنصر پہچانا جاسکتا ہے۔ سلام صرف امتزاج واختلاطِ کیفیات کا حامل نہیں ہے بلکہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ہے سلام اپنا ایک جداگانہ تشکیلی مزاج بناتا گیا ہے۔

اس منزل پر یہ سوال فطری ہے کہ سلام کا تشکیلی مزاج کیا ہے؟ امداد امام آثر کا قول ہے کہ سلام میں غزل کی طرح اعلیٰ درجے کے مضامین از قسم وارداتِ قلبیہ ومعاملاتِ ذہنیہ باندھتے ہیں۔ مگر ان میں غزلیت کا رنگ پیدا ہونے نہیں دیتے۔ سلام کی ترکیب کو رنگینی کے ساتھ ساتھ بھی غزل سے علیحدہ ہونا چاہیے۔ سلام گوئی کا لطف یہی ہے کہ شوخی، رنگینی اور طبیعت داری کے ساتھ بھی غزل سرائی سے جُدا نظر آتا ہے۔

اپنی حدوں میں صحیح ہونے کے باوجود، یہ ایک منفی بیان ہے، مثبت طور سے یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سلام کی وہ رنگینی، شوخی اور طبیعت داری جو غزل سے الگ ہوگی اس کا عنوان اور انداز کیا ہوگا؟

مزید تشریح کرتے ہوئے کاشف الحقائق میں آثر نے لکھا ہے کہ سلام میں واقعۂ کربلا، رحلتِ رسولؐ اور ذکرِ مصائبِ فاطمہ وائمہ کا بیان ہوتا ہے اور اخلاقی وتمدنی ومذہبی ودیگر امور جلیلہ جن سے شاعری کی زینب متصور ہے، منظوم کیے جاتے ہیں۔ ایسے مضامین کبھی غزلوں میں بھی باندھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلام کے بعض اشعار ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ اگر غزلوں میں داخل کر دیے جائیں تو بے موقع یا بے محل نہ ہوں گے، گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ رنگ جداگانہ ہے، لیکن بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں یہ خطِ فاصل مٹ جاتے ہیں۔ جب تک یہ تضاد وتناقض دور نہیں ہو جاتا یہ بیانات ادھورے اور ناقص ہی تصور کیے جائیں گے۔ آج نگاہ اور زیادہ دقیق تجزیہ چاہتی ہے۔

جو بات پہلی ہی نظر میں کھٹکتی ہے وہ آثر کے یہاں سلاموں کے تاریخی ارتقا اور مجموعی تصور کی کمی ہے۔ سلاموں کی تاریخ پر نظر کیجیے تو ان کے بیانات ہر دور پر صادق نہ آ سکیں گے۔ صنفِ سلام کا ارتقا تدریجی ہوا ہے۔ اثر جن "وارداتِ قلبیہ"، اور "معاملاتِ ذہنیہ" کا ذکر کرتے ہیں وہ بہت ابتدائی سلاموں میں نظر نہیں آتے۔ شروع کے سلاموں میں بس ایک اعتقادی فضا چھائی ہوئی ہے اور زبان و بیان تک کی حیثیت ثانوی ہے۔ ممدوح کے لیے عقیدت اور والہانہ محبت کا اظہار ہی اصل محرک ہے۔ اردو زبان کی تاریخ کے قدیم ترین سلام محمد شاہ رنگیلے کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دور کے نمایاں مرثیہ گو شعرا میں مسکین اور فضلی شامل ہیں۔ لیکن مرزا رفیع سودا کے دور تک آتے آتے سلام کی ادبی حیثیت مسلمہ ہونے لگی تھی اور اس کو تنقیدی زاویے سے پرکھا جانے لگا تھا۔ سودا اور میر کا زمانہ سلام کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس زمانے میں بیان کی ناہمواری لگ بھگ دور ہو چکی ہوتی ہے اور زبان بتدریج نکھر رہی ہوتی ہے۔ البتہ مواد کے اعتبار سے کوئی تبدیلی اس عہد میں بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اس دور کے سلام نگاروں میں ایک اہم شخصیت میر غلام حسین ضاحک کی بھی ہے جو میر انیس کے پردادا، خلیق کے دادا اور میر حسن مصنف مثنوی سحر البیان کے والد تھے۔ ابتدائی دور میں سلام صرف غزل اور قصیدے کی ہیئت کا پابند نہیں تھا لیکن اس دور تک آتے آتے اس کے لیے غزل کی ہیئت تقریباً مسلمہ ہو چکی تھی اور اس سے انحراف ناممکن حد تک مشکل بنتا جا رہا تھا۔ ضاحک کے ہاں متقدمین کے مقابلے میں ٹھہراؤ اور اعتماد زیادہ ہے۔ ضاحک ہی کے سلاموں سے عیاں ہوتا ہے کہ سلام اب تیزی سے ایک الگ صنف کے طور پر نکھرتا جا رہا ہے لیکن شعریت اور ادبی شان کی کمی کا احساس ضرور دامن گیر رہتا ہے۔ بہر حال میر اور سودا کے ہاتھوں میں پہنچ کر دیگر اصناف کی طرح اس صنف کی بھی ادبی حیثیت سنورنے لگتی ہے۔

یہی عہد رنگین اور مصحفی وغیرہ کا دور بھی ہے۔ اب سلام کی ادبی تراش کی طرف توجہ دیے جانے لگی ہے۔ اس دور میں ہر شعر میں "سلام" یا "اسلام" جیسے الفاظ کی تکرار کی بجائے آغاز میں سلامی، مجرئی، مجرائی یا مجرا اُسے وغیرہ الفاظ صرف ایک بار تخاطب کے طور پر استعمال

ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ ہلکا سا تخاطب بھی غیر ضروری ٹھہرا اور چند خاص مضامین کی شمولیت اور عام اعتقاد کی فضا ہی کافی سمجھی جانے لگی۔ یوں سلام ایک مستقل اور الگ صنف کی حیثیت سے ابھر آیا۔

دلی میں بہادر شاہ ظفر کا دور اور لکھنؤ میں ضمیر و خلیق کا دور لٹتی ہوئی سرکاروں کا دور تھا۔ اس دور میں اثائی اور منقبتی ادب اپنے عروج کو پہنچا۔ بہرکیف بہادر شاہ ظفر کے دور میں سلام ایک مقبول صنف سخن بن چکا تھا۔

سلام کے اس تاریخی جائزے میں ابھی تک دہلوی سلام نگاروں ہی کا زیادہ تر ذکر ہوا کیونکہ انیس کو لکھنوی سلام نگاروں پر سبقت حاصل تھی۔ لکھنوی سلام نگار بعد میں آئے اور اپنا رنگ جما گئے۔ غالب کے ہم عصر سلام نگاروں کے ہاں ضمیر و فصیح اور دلگیر و خلیق کا پرتو ہی نہیں بلکہ انیس و دبیر کا رنگ بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

موضوعاتی صنف ادب کی حیثیت سے سلام برابر ترقی کرتا ہوا انیس و مونس تک پہنچا تھا۔ انیس و مونس نے بڑی حد تک محفل کا رنگ بدل دیا اور ایک نیا اور زیادہ تابدار روپ ہمارے سامنے آیا۔ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ان دونوں نے بھی رثائی سانچے کو ترک نہیں کیا بلکہ اسے بھی پہلو بہ پہلو برتتے رہے۔ ان دونوں نے سلام میں منقبتی اور اخلاقی مضامین کو ہلکی متغزلانہ طرز میں ادا کرنے کی طرح ڈالی پھر بھی یہ اس عام روایت پسندی سے بچ نہیں پائے۔ انیس کے یہاں رثائی اور روایتی سلام کچھ زیادہ ہی ملتے ہیں لیکن ان کی ادبی حیثیت اتنی بلند نہیں جتنی کہ ان کے تحت اللفظ خوانی کے سلاموں کی ہے۔ امداد امام اثر نے انیس کے سلاموں کے بارے میں لکھا ہے:

> ''خوبیِ زبان، چستیِ بندش، بلند پروازیِ مضامین، رنگینیِ طبیعت محتاجِ بیان نہیں ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر انیس صاحب مرحوم جس عمدگی کے ساتھ مرثیہ نگاری فرماتے تھے اسی طرح سلام کے لکھنے پر ایک حیرت انگیز قدرت رکھتے تھے''۔

امام حسینؑ کی قوتِ عمل، طاقتِ صبر اور اعلیٰ قیادت پر انیس نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن سلاموں میں عزمِ حسینی ایک قابلِ تقلید معیارِ قربانی و زندگی بن کر سامنے آتا ہے۔ مرثیوں کی عام روایت سے متاثر ہو کر سلاموں میں اعزا کی شہادت پر امام کی بے چینی یا غم انگیز کلمات کی زبان پر جاری ہونے کی بھی بہت سی مثالیں مل جائیں گی لیکن انیس واقعہ کربلا کا بیان صرف رونے رلانے کے لیے نہیں کرتے بلکہ وہ اس عظیم سانحے کو درسِ ابدی بھی مانتے ہیں۔

قیامت پر اعتقاد رکھتے ہوئے اعمالِ نیک پر بار بار زور دیتے ہیں۔ موت سے رستگاری نہیں اس لیے انسان کو ہر وقت خیالِ قضا رکھنا اور عالمِ ہشیاری میں رہنا چاہیے۔ زندگی کے ساتھی بہت ہیں مگر عقبیٰ میں صرف اعمالِ خیر ہی کام آتے ہیں۔ دولت و شہرت کام نہیں آتی۔ اگر یہ نظریہ اپنایا جائے تو پھر دنیا جائے آسائش نہیں بلکہ جائے عمل وجد و جہد بن جاتی ہے۔ اس لیے احتیاطِ جسم فضول ہے۔ ہر آن مٹتی اور فنا ہوتی ہوئی دنیا سے دل لگانا کیا؟ ہاں اگر عمل اچھے ہیں تو فنا بھی بقا بن جاتی ہے۔ راہِ خدا میں سب کچھ لٹا دینا چاہیے اور امورِ اعتقادی کی انجام دہی میں دنیاوی عواقب سے بے پروا ہو جانا چاہیے۔

یہ اخلاقی درس واقعہ کربلا سے ہی نہیں بلکہ عام معتقدات کی راہ سے بھی ملتے ہیں۔ اخلاقیات کی ایک وسیع دنیا ہے جس پر واقعہ کربلا بھی براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ صبر و قناعت، استغنا و توکل، خاکساری و انکسار، راست بازی، ثباتِ قدم، صفائے قلب، سخاوت، شجاعت، ظاہرداری سے نفرت، کارِ خیر اور عملِ نیک سے رغبت، مشقت و عرق ریزی کی دعوت، گناہگاری کا احساس کہ شاملِ تقویٰ ہے، چیزیں عاریت لینے سے پرہیز، قول کی پابندی، خاکساری کے باوجود غیر خدا کے سامنے سر جھکانے سے انکار، صرف خدا ہی کو نگہبان تصور کرنا، خودداری و خوداعتمادی کے ساتھ غرور سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔ یہ وہ چند بیرونی خطوط ہیں جن پر انیس اخلاقیات کی عمارت تعمیر کرتے ہیں۔

سلاموں میں انیس نے بعض فنی اشارات بھی کیے ہیں۔ یہ بات کسی سے چھپی نہ تھی کہ انھوں نے زمینِ سخن کو بات میں آسمان کر دیا ہے۔ جیوں جیوں پیری آتی اور ضعفِ جسمانی

بڑھتا زورِ طبع میں اضافہ ہوتا۔ ہمیشہ ترقی، مزید ترقی کی فکر میں رہتے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو ایک جگہ ''شعرِ نو'' کہا ہے۔ یہ اصطلاح سو برس بعد بھی پرانی نہیں ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انیس کا کلام 'شعرِ نو' ہی تھا۔ اگر آتش جگ جڑتے اور مرصع کاری کرتے، تو انیس موتی پروتے تھے۔ طاقت ایسی کہ زبان کبھی رکتی ہی نہ تھی، زود گوئی ایسی کہ ایک ایک دن میں سارا مرثیہ نظم کر جانے کی ہمت رکھتے تھے۔ اس زود گوئی کے باوصف شعروں کو دلھن کی طرح سجاتے اور شعر کہتے تو پھول جھڑتے تھے۔ کاواک سے کاواک مضمون کو وہ اس طرح سانچے میں ڈھال لیتے تھے کہ اہلِ فہم اُچھل اُچھل پڑتے تھے۔ نئی زمینیں بھی تلاش کرتے تھے اور نئے مضامین بھی، بلکہ نئے مضمونوں کے تو انبار لگا دیتے تھے۔ رثاء کا حصہ بھی تھا اور سوز کے سلاموں میں زیادہ نمایاں تھا۔ لیکن تحت اللفظ والے سلاموں میں نظم و توازن وضبط کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ خاص کاوش کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ''بے خونِ جگر'' درد آمیز کلام وجود میں نہیں آتا۔ روایتی بین اور تعزیت بھی قدم قدم پر ملتی ہے۔

ان کی زندگی کے آخری دنوں میں پہلی جنگ آزادی کا آغاز ہوا۔ اس جنگ کے اسباب میں سلطنتِ اودھ کا انقضا بھی تھا۔ جمی جمائی بساط چشمِ زدن میں اُلٹ گئی۔ دنیا پلٹ گئی۔ لکھنؤ کا ایک طبقہ ہی نہیں الٹا بلکہ ''ملکِ نظم'' میں بھی ایک انقلاب آ گیا۔ اجنبی ہمارے مستقل حکمران بن بیٹھے اور اربابِ اقتدار دربدر کی خاک چھاننے پر مجبور ہوئے۔ اس دوز کے سلاموں میں اس دور کی افراتفری کا بھی ہلکا سا ذکر آ گیا ہے۔ انیس کچھ کر تو نہیں سکتے تھے۔ پورا معاشرہ بے دست و پائی کا شکار تھا۔ پھر بھی اعتقادی طور پر وہ یہ دعا کر رہے تھے کہ مہدیِ ہادی آ کر انتقام لیں اور حضرت علیؓ مدد کو پہنچیں۔

مضامین کی اس طویل فہرست پر نظر دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ سلام کا خمیر جمالیاتی احساسِ توازن، خلوص، دردمندی، بلند بینی، معیار پسندی اور اخلاقی دوستی سے بنا تھا۔ غزل کے عروضی سانچے اور عام معتقداتی فضا نے اس پر کچھ مزید پابندیاں لگا دی تھیں۔ زندگی کی گنجائش نہ تھی لیکن وہ سرمستی ضرور تھی جو معیار پسندی اور دردمندی عطا کرتی ہے۔ موتی بھی

پروئے جاتے تھے لیکن اس طرح کی صناعی کا عنصر غالب نہ آنے پائے اور فن کارانہ خلوص مجروح نہ ہو۔ مضمون آفرینی ہو لیکن نہ ایسی کہ سلام کی جمالیاتی فضا دھندلی پڑ جائے۔ مدح، منقبت، والہانہ محبت، اخلاقیاتِ عالیہ ان سب آہنگوں کو ملا کر نمکینی اور رنگینی کا امتزاج اس انداز سے کیا کہ غیر اعتقادی عناصر میں تغزل کا رس محسوس کیا جانے لگا۔ انیس کا کمالِ فن یہ بھی تھا کہ انھوں نے سلام کے معتقداتی مواد سے آفاقی عناصر چن لیے اور اخلاقِ عالیہ کا ایسا مرقع بنایا جس سے ہر مکتبۂ خیال کے سننے اور پڑھنے والے محظوظ ہو سکیں۔ یہی تحت اللفظ سلاموں کا تشکیلی مزاج ہے۔

سوز کے سلاموں کا تشکیلی مزاج زیادہ سادہ ہے اور سوز کے محور پر گردش کرتا ہے ان سلاموں میں رثائی عنصر زیادہ رہتا ہے اور جو منقبتی یا اعتقادی عنصر اس میں بڑھایا جاتا ہے وہ سامعین کو رثاء و گریہ پر آمادہ کرنے کے کام آتا ہے۔ رثاء میں بھی بین کا انداز زیادہ ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرض کر لیا ہے کہ رونا عرب کردار میں داخل نہیں ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس کا ادبی ثبوت تو یہ ہے کہ اگرچہ ادبیات ہندی میں 'مرثیہ' کی سی کوئی چیز نہیں ہے لیکن عربی میں مرثیہ زمانۂ قدیم سے ایک مستقل صنف کی حیثیت رکھتا ہے، زمانۂ قدیم سے رونا اور بین کرنا بھی عرب رواج میں داخل رہا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہندوستانی بین ایک مستقل ادارہ ہے انیس نے مرثیوں میں اس ادارے کو جوں کا توں تسلیم کر لیا اور وہ ہندوستانی رسوم و رواج بھی اخذ کر لیے جو شادی، موت یا رنڈاپے کے ہو سکتے تھے۔ ہندوستانی رسم و رواج کا ذکر اکثر شہادتِ قاسم کے سلسلے میں آتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق قاسم کی شادی صرف ایک رات پہلے ہوئی تھی۔ ایک رات کی بیاہی دلھن کا رنڈاپا، ہندوستانی سماج میں ایک قیامت خیز حادثے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انیس اور ان کے پہلے کے مرثیہ گو شعرا بھی اس حادثے سے متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ چھ مہینے کے دودھ پیتے بچے کا ماں کی آغوش سے چھوٹ کر باپ کے ہاتھوں پر حُرملہ کے تیر کا نشانہ بننا، بہن بھائی کی محبت کے نقطۂ عروج کے طور پر جناب زینب کا اپنے خورد سال بچوں کا امام حسینؑ کی رفاقت کے لیے میدانِ جنگ میں بھیج دینا، رسولؐ

کے اہلِ بیت کا در بدر پھرایا جانا، امام زین العابدین کا بیماری کے عالم میں قیدی بن کر پیادہ پا چلنا، لاشہ ہائے شہدا کا بے گور و کفن پڑا رہنا، یہ ایسے واقعات ہیں جو بار بار ان سلاموں میں آتے ہیں۔ انھیں سے بیئیہ عناصر کی تشکیل ہوتی ہے۔ انیس نے کہیں کہیں اشاروں سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً:

حرم رو سے کہا جب آسماں کو دیکھ کر شہ نے
علی اکبر اذاں دو صبح کا تارا چمکتا ہے

o——o

بی بیاں بچوں کا منہ تکتی تھیں، جب کہتے تھے شاہ
اس سفر میں نہ ملے گا کئی منزل پائی

o——o

شہ نے صغرا سے کہا دیکھ لو جی بھر کے ہمیں
کربلا جاتے ہیں شاید کہ نہ آنا ہووے

لیکن رثا کے مروجہ معیار کے پیش نظر صرف اشاروں میں بات کرنا مشکل تھا۔ جب مصائب۔ کا بیان بلکہ تفصیلی بیان ہی ہندوستانی بین کا جزوِ لازم ٹھہرا تو صرف اشاروں میں بات کہاں تک ہوتی؟ انیس کربلا میں ہونے والی مصیبتوں کا بیان کرتے وقت سانحۂ کربلا کے کرداروں کو عام انسانی روپ میں دیکھتے ہیں۔ روزِ عاشورہ کربلا میں جو بلا خیز نقشہ نظر آیا، اسے انیس نے تصور کی آنکھوں سے دیکھا، اس وقت سارے محسوسات اور جذبات کربلا کے کرداروں کے نہیں رہ گئے بلکہ خود انیس اور ان کے سامعین کے ہو گئے۔ وہ کربلا والوں کے کردار کی عظمت سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان حوادث کے انسانی اور فطری پہلوؤں سے عام ہندوستانی کی طرح متاثر ہوئے اور عارضی اور لمحاتی طور پر ان کی تخیل نے اُن کے کرداروں میں بھی قلبِ ماہیت کر لی۔ انھوں نے بھی بنیہ مناظر تقاضائے بشری کو سامنے رکھ کر اپنے ذہن سے تخلیق کیے ہیں۔ یہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں اور گھر والوں کے رہبرانہ کردار کی

محض تاریخی اور مثالی تصویریں نہیں ہیں۔

تاریخ سے اس شعری انحراف کا نفسیاتی جواز ہوتے ہوئے بھی، اس سے کرداروں کی تشکیل میں ایک تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ ایک طرف اعلیٰ اصولوں اور قدروں کی خاطر بے پناہ قربانی دی جاتی ہے اور دوسری طرف چشمِ ظاہر بیں حق کی ایک بھیانک شکست سے دوچار ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ طاغوتی طاقتیں جیتتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ تضاد تبھی دور ہو سکتا تھا جب حسینؓ کی وقتی ہار کو دوامی جیت اور یزیدی جارحیت کی وقتی جیت کو دوامی ہار کی شکل میں دیکھا جاتا۔ سچ مچ ہوا بھی یہی تھا۔ حسینؓ کی حقانیت کا افسانہ آج تک زبانوں پر جاری ہے اور آستانۂ حسینی دنیا بھر کے حق پرستوں کی سجدہ گاہ بنا ہوا ہے۔ اس کے برعکس یزیدی حکومت عوامی غیظ و غضب کی ہلکی سی یلغار بھی نہ سہہ کر ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ سلاموں میں یہ پہلو اس طرح سے اُجاگر نہیں ہُوا ہے لیکن انیس نے بار بار اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حسینؓ نے یہ سب شدائد اس لیے برداشت کیے کہ امت کا بھلا ہو۔

زیادہ تر بین عورتوں کی زبانی نظم کیے گئے ہیں اور وہی جذبات و خیالات ان کی زبانوں سے ادا کرائے گئے ہیں، جو ہندوستانی ماحول میں عورتوں کے لیے فطری معلوم ہوں۔ کربلا والے ایک بلند مقصد کے لیے قربانیاں دے رہے تھے اور ان کے پائے استقامت میں ایک لمحے کے لیے لغزش نہیں ہوئی، عورتوں اور بچوں نے بھی بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا، پھر بھی فطرت یہ کہتی ہے کہ جب ان کے پیاروں کے لاشے ان کے سامنے آئے ہوں گے تو ان کے دل ضرور تڑپے ہوں گے۔ انیس نے ان لمحوں کو شرح و بسط سے نظم کیا ہے۔ سوز کے سلاموں میں رثاء، تعزیت اور پُرسے کا ایک سنجیدہ مگر پُر شور ماحول ہے جو اُن جذباتی صدیوں میں اور خاص کر ہندوستان کی فضا میں فطری معلوم ہوتا ہے۔

اس تضاد کے باوجود، سلاموں میں عزمِ حسینی کی بڑی جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں۔ امام حسینؓ کے ضبط و صبر، نصب العین سے وابستگی اور ثباتِ قدم، جاہ و مالِ دنیا سے بے تعلقی قہار طاقتوں سے بے خوفی، دنیا کی صحیح رہبری کی خاطر گھر بار لٹا دینے اور بڑی سے بڑی قربانیاں

پیش کرنے کا جذبہ، ابدی اور آفاقی اقدار کا حامل ہے اور یہ سلاموں کا شاندار حصہ ہے۔ انیس سلاموں میں اس طرف خصوصیت سے متوجہ ہوئے ہیں اور ان کے یہاں ایسے بہت سے شعر ملتے ہیں جن سے امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی استقامت وثبات قدم، غیر معمولی ہمت اور نصب العین سے بے پناہ وابستگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ خصوصاً صبر واستقامت کی جو تصویریں سلاموں میں پیش کی گئی ہیں وہ اس تصویر سے مختلف ہیں جو مرثیوں کے تفصیلی بین میں یا سلاموں کے خالص رثائی اشعار میں جا بجا ملتی ہیں۔ یہاں چند مثالیں کافی ہوں گی:

گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسین سے صابر کو اضطراب نہ تھا
حسین اور طلبِ آب اے معاذ اللہ!
تمام کرتے تھے حجت، سوالِ آب نہ تھا

o —— o

بیڑا امت کا تھامنے کو
کشتی اپنی ڈبو رہے ہیں

o —— o

کہا شہ نے سر ہو گئی راہِ عشق
جو ثابت قدم زیرِ خنجر رہے

o —— o

پڑا جو سایۂ گیسوئے تابدارِ حسینؑ
تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا

o——o

فقیروں کی کیا موت، کیا زندگی
جگہ جس جگہ مِل گئی، مر رہے

o——o

پیش خالق سب ہیں یکساں رشک او غافل نہ کر
آپ کو کم دیکھ کر، اوروں کو برتر دیکھ کر

o——o

برق تھی گویا چمک کر چھپ گئی
تیری مدت اے جوانی دیکھ لی

o——o

گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا

(1)

اُسی کا نُور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اُسی کی شان نظر آ گئی جدھر دیکھا

علیؑ کو حق نے اُتارا تو عین کعبہ میں
کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا

ہمیشہ فرشِ مشجر پہ جو کہ بیٹھتے تھے
نہ ان کی قبر پہ بھی سایۂ شجر دیکھا

قیام کس کا ہوا اس سرائے فانی میں
ہمیشہ ایک کے بعد ایک کا سفر دیکھا

خدا نے گھر کو بنایا تھا جس کے خانۂ فیض
اُسی کی آل کو خلقت نے دربدر دیکھا

مثالِ شاخ جھکے جب تو ہم پھلے پھولے
نہالِ عجز لگا کر عجب ثمر دیکھا

یقیں ہُوا اسے، ہے آفتابِ پُر شبنم
رُخِ حسینؑ کو جس نے عرق میں تر دیکھا

خوشا رواقِ علم دار و روضۂ شبیر!
خدا کے نور کا جلوہ اِدھر اُدھر دیکھا

وہ کیا مزہ ہے، خوشا لذتِ زیارتِ شاہ
کہ زائروں کو تڑپتے ہی عمر بھر دیکھا

پڑا جو عکسِ رُخِ شاہ چرخ پر سرِ شام
فلک نے صبح تک آئینۂ قمر دیکھا

بروزِ عید بھی آیا جو کوئی ملنے کو
غمِ حسینؑ میں عابد کو نوحہ گر دیکھا

زہے کرم، کوئی خالی نہ پھر کے گھر آیا
بس اک جہاں میں جو دیکھا، علیؑ کا گھر دیکھا

☆

سحر ہوئی شبِ معراج کی تو لوگوں نے
جمالِ پاک رُخِ سید البشرؐ دیکھا

کہا یہ سب نے غلاموں سے کیجیے ارشاد
جو کچھ حضور نے، یا شاہِ بحر و بر دیکھا

گہر فشاں ہوئے لعلِ لبِ رسولِ کریمؐ
کہ سب سے رتبہ حیدر، زیادہ تر دیکھا

ورائے کرسی و عرشِ عظیم و لوح و قلم
وصی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا

کہاں تک کہوں، نکلا جو ہاتھ پردے سے
تو صاف دستِ یداللہ نامور دیکھا

ولی ولی کی صدا تھی، جہاں جہاں پہنچا
علیؑ علیؑ نظر آئے جدھر جدھر دیکھا

قریبِ قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر
تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا

جو کچھ تھا رزق مقدر، ملا وہ گھر بیٹھے
ہزار شکر نہ ہم نے کسی کا در دیکھا

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

(2)

اِک نہ اک نیرنگ ہوتا ہی رہا
پر سلامی شہ پہ روتا ہی رہا

جس نے چاہا خاک سے موتی اُگیں
وہ یہ تخمِ اشک بوتا ہی رہا

سو رہے مرقد میں جا جا کر مکیں
یاں محل تعمیر ہوتا ہی رہا

جو ہُوا تر دامنی سے منفعل
اشک سے دامن بھگوتا ہی رہا

جس نے دیکھی سجۂ پاکِ حسینؑ
اشک پلکوں میں پروتا ہی رہا

لختِ دل باقی ہیں، اے اہلِ عزا!
تُو فقط موتی پروتا ہی رہا

کس میں ہے گنجائشِ فیضِ حسینؑ!
آسماں کو عذر کوتا ہی رہا!!

اے فلک، افسوس خشکی میں بھی تُو
فاطمہؑ کا گھر ڈبوتا ہی رہا

غل ہوا، لو کٹ گیا دولھا کا سر
بیاہ کا سامان ہوتا ہی رہا

دل میں بانو کے سدا اکبر کا غم
نوک برچھی کی چبھوتا ہی رہا

نہر میں عباس داخل ہو گئے
مشورہ اعدا میں ہوتا ہی رہا

چاروں ارزق کے پسر دو دو کیے
رن میں ور حیدر کا پوتا ہی رہا

کہتی تھیں ام البنین دیکھوں کسے
پاس بیٹا اور نہ پوتا ہی رہا

☆

سرد و گرمِ حشر یہ بھولا یزید
حق و باطل کو سموتا ہی رہا

قید میں ، بازار میں، دربار میں
حرمتِ سادات کھوتا ہی رہا

تپ سے ایسے گرم تھے عابد کے پاؤں
آبلہ ہر گام دھوتا ہی رہا

حشر میں سجاد دیں گے یہ حساب
باپ کے ماتم میں روتا ہی رہا

قافلہ منزل پہ جا پہنچا انیسؔ
بے خبر، اب تک تُو سوتا ہی رہا

(3)

بیکسی کا شہ کی چرچا رہ گیا
مُجرئی! مہمان پیاسا رہ گیا

☆

دیر آئے، پر بہ جلد آئے رسولؐ
دُور لاکھوں کوس سایا رہ گیا

اللہ اللہ، قُربِ معراجِ رسولؐ
دوکماں سے فرق ادنیٰ رہ گیا

اٹھ گئے مابین سے سارے حجاب
بس، فقط، آنکھوں کا پردا رہ گیا

جب گسستہ ہو گیا تارِ نفس
کون سا الفت کا رشتہ رہ گیا

قبر میں رکھ کر نہ ٹھہرا کوئی دوست
میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا

کاتبِ اعمال بھی رخصت ہوئے
ایک میں غربت میں تنہا رہ گیا

قبر میں ہو گا حسابِ زندگی
بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا

شست و شوسے گو ہُوا اُجلا رذیل
جامۂ اصلی میں دھبّا رہ گیا

جب ہوئی بے پردا اولادِ رسولؐ
پھر جہاں میں کس کا پردا رہ گیا

فیض تھا بے پردگی میں آل کی
ہم گنہ گاروں کا پردا رہ گیا

کور ہوتیں اُس کا جلوہ دیکھ کر
شکر ہے آنکھوں کا پردا رہ گیا

ظہر تک سب فوج پہنچی خُلد میں
صاحب لشکر اکیلا رہ گیا!

سب ہوئے سیراب تجھ سے اے فرات
قافلہ یثرب کا پیاسا رہ گیا

تیری سختی پر فلک پتھر پڑیں
چور ہو کر دل کا شیشا رہ گیا

تیر گردن پر جو کھایا دھوپ میں
بھر کے ٹھنڈی سانس بچا رہ گیا

زخم کھاتے ہی جو اکبر گر پڑے
چھد کے برچھی میں کلیجا رہ گیا

☆

کہتی تھی ماں، سوئے اصغر قبر میں
ہائے خالی ان کا جھولا رہ گیا

کس کو اب پہنائے مادر دل جلی
چل بسے وہ، یہ شلوکا رہ گیا

اس قدر تھا خشک حضرت کا گلا
خنجرِ قاتل بھی پیاسا رہ گیا

ڈگمگا کر جب گرے گھوڑے سے شاہ
کانپ کر عرشِ معلا رہ گیا

سوؤ گے کب تک بس اب اٹھو انیسؔ
دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

(4)

پڑا جو عکس تو ذرّہ بھی آفتاب بنا
خدا کے نُور سے جسمِ ابوترابؑ بنا

بنائے روضۂ سرور جو کربلا میں ہوئی
مَلَک پکارے کہ اب خُلد کا جواب بنا

جو آبرو کا ہے طالب تو کر عرق ریزی
یہ کش مکش ہوئی تب پھول سے گلاب بنا

مرے گناہوں کی دفتر کی ابتری کے لیے
نئے سیاق سے بگڑا ہوا حساب بنا

عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو
اب اپنی قبر بھی او خانماں خراب بنا

یہ مشتعل ہوئی سینے میں آتشِ غمِ شاہ
کہ آہ سیخ بنی اور جگر کباب بنا

یہ غُل تھا دیکھ کے دولھا دلھن کو خیمے میں
جو بے عدیل بنی ہے تو لاجواب بنا

ہوا پہ کیوں ہیں تنگ مایگانِ بحرِ فنا
جو بڑھ گیا کوئی قطرہ تو وہ حباب بنا

فلک پہ نالۂ سوزاں نے آگ بھڑکائی
دُھواں جو آہ کا نکلا مری، سحاب بنا

ترے سلام میں ہے مرثیے کا سارا لطف
انیس نظمِ غمِ شہ میں اک کتاب بنا

(5)

علیؑ سا بھی نہ کوئی عادلِ زمانہ ہوا
کہ ایک باز و کبوتر کا آشیانہ ہوا

سیاہ دیدۂ شبیر میں زمانہ ہوا
ہوائے ظلم سے جب گل چراغِ خانہ ہوا

☆

مکیں رہے نہ مکاں، طرفہ کارخانہ ہُوا
زمیں اُلٹ گئی کیا مُنقلب زمانہ ہوا

یہ انقلاب غضب کا ہے، یا علیؑ ،فریاد!
کہ مسجدیں تھیں جہاں، واں شراب خانہ ہوا

حسینؑ نے کبھی شکوہ کیا نہ امت کا
گِلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا

بچھا ہے قاف سے تا قاف جس کا خوانِ کرم
نصیب اُسے کئی دن تک نہ آب و دانہ ہوا

شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد
یہ مضطرب اِدھر آیا، اُدھر روانہ ہوا

جو زندے پھرتے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں مُردے
کہ ہم بھی پھرتے تھے یوں ہی، اسے زمانہ ہوا

اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی!
حضور آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا

گرائی برق اُسی پر فلک نے، یا تقدیر
جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا

لحد یہ کہتی ہے میت سے، اب ہے تُو اور میں
جو ساتھ آیا تھا، وہ قافلہ روانہ ہوا

کیا قبول قناعت سے ببرِ عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسوئے پیچدارِ حُسین
تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا

کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر
جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہُوا

سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کو نانا کو
لحد کو اس کی میسر نہ شامیانہ ہوا

☆

لگا کے بچے کو اک تیر حُرملہ نے کہا
یہ کام مجھ سے دمِ جنگ رُستمانہ ہوا

پکارے شاہ کہ اِس دردِ دل کو مجھ سے پوچھ
خبر ہے کیا تجھے، کس کا جگر نشانہ ہوا

وہ زلف، چوبِ سناں میں بندھی ہزار افسوس
نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا

دلھن کو دے کے سدھارے تھے آستیں جس کی
کفن بنے کا وہی خلعتِ شہانہ ہوا

ملا نہ اصغرِ ناداں کو جام پانی کا
صراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہوا

رہا نہ کوئی بہتر میں ظہر تک باقی
حُسینؑ رہ گئے، سب کارواں روانہ ہوا

فراقِ شہ کا نہ صدمہ اُٹھا، سکینہ سے
قلق سے جان گئی، موت کا بہانہ ہوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اٹھو انیس اٹھو، کارواں روانہ ہوا

(6)

غم شہ کا جس نے بیاں کر دیا
اِن آنکھوں نے دریا رواں کر دیا

گھٹا زور، مشقِ سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا

☆

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر
مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا

مری قدر کر، اے زمینِ سخن!
تجھے بات میں آسماں کر دیا

نہ دیکھی گئی شہ سے اصغر کی لاش
زمیں میں پسر کو نہاں کر دیا

نہ کی آہ کچھ عمرِ رفتہ کی قدر
عجب جنس کو رایگاں کر دیا

لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح
قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا

فلک سے ہوا کب مرا کام سہل
مگر ہاں جنازہ رواں کر دیا

☆

پھڑکتا ہے کیوں اتنا، اے مُرغِ رو
مقدر نے ویراں مکاں کر دیا

نشیمن بھی دے گا وہ فردوس میں
تجھے جس نے بے خانماں کر دیا

☆

زہے شفقتِ سبطِ خیرالوریٰؑ
عجب رتبۂ میہماں کر دیا

کوئی جانتا بھی نہ تھا حُر کا حال
اُسے دم میں جانِ جہاں کر دیا

کہاں ایک ذرّہ کہاں آفتاب
خدا نے کسے مہرباں کر دیا

گھٹا فکر میں جسم مثلِ قلم
سراپا کو صرف زباں کر دیا

☆

ہوئے دفن اکبر تو چلائی ماں
اجل نے زمیں میں نہاں کر دیا

چھپانے لگے ہم سے منہ قبر میں
انھیں جب خدا نے جواں کر دیا

جو پوچھی علمدار نے جائے قبر
ترائی میں شہ نے نشاں کر دیا

نوا سنجیوں نے تری اے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

(7)

گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بودِ بشر کیا محیطِ عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

فشار سے جو بچا میں، ہوا زمیں کو عجب
صدا یہ قبر نے دی حکمِ بوتراب نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم!!
تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجت، سوالِ آب نہ تھا

جسے نبیؐ نے بلایا ہوا وہ نخل نہال
ثمر اُسے بھی دیے جو کہ باریاب نہ تھا

حضورِ شاہ پھر آیا کہاں سے حُرِ شہید
خطا کی راہ میں گر جادۂ صواب نہ تھا

علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی
وہ نور حضرتِ یوسفؑ کو دستیاب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے یہ روشن دلو! طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا، شب کو آفتاب نہ تھا

فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی وہ نہر، قحطِ آب نہ تھا

ہوئے تھے خشک یہ صحرا کے نخل گرمی سے
تری کلی میں نہ تھی، پھول میں گلاب نہ تھا

☆

ہزار ہاتھ تھے بہرِ عطا یداللہ کے
شمارِ خیر نہ تھا، جود کا حساب نہ تھا

ثمر شجر کو دیا، گل کو زر، صدف کو گہر
وہ کون تھا کہ علیؑ سے جو فیض یاب نہ تھا؟

ہوا تھا پیاسوں کے حق میں یہ آسمان بخیل
کہ مینہ کا ذکر تو کیا، پارۂ سحاب نہ تھا

یزید تخت پہ تھا اور تلے امام کا سر
الٹ گیا تھا زمانہ، یہ انقلاب نہ تھا

☆

فراقِ شاہ میں صغریٰ کو نیند کیا آتی؟
وہ شب تھی کون سی جو دل کو اضطراب نہ تھا

ہر اک سحر کو یہ کہتی تھی اٹھ کے نانی سے
مدینہ دُور نہ تھا، بند خط کا باب نہ تھا

بھلا پیامِ زبانی تو بھیجتے بابا!
اگر مریض کا خط قابلِ جواب نہ تھا

ملک یہ کہتے ہیں منہ پر چھڑک کے حوروں کے
کہ رونے والوں کے آنسو تھے یہ گلاب نہ تھا

☆

زہے رسولؐ، زہے قرب، اور خوشا معراج
وہاں گئے کہ فرشتہ بھی باریاب نہ تھا

اُدھر تھی ذاتِ خدا اور اِدھر رسولؐ خدا
بغیر آنکھ کے پردے کے کچھ حجاب نہ تھا

کتابِ کفر کا کاٹا علیؑ نے شیرازہ
کسی کی فصل نہ تھی اور کسی کا باب نہ تھا

برہنہ اونٹوں پہ سیدانیاں تھیں بلوے میں
وہ دیکھتے تھے تماشا جنھیں حجاب نہ تھا

غضب کی جا ہے کہ دربار میں ستمگر کے
کھڑی تھیں بنتِ علیؑ اور کچھ حجاب نہ تھا

انیسؔ عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابوتراب نہ تھا

(8)

گھر سے جب زوّار دو منزل گیا
مجرئی! جنت کا دستہ مل گیا

کیا شہادت کی خوشی تھی شاہ کو
زخم جو کھایا بدن پر کھل گیا

سینۂ اکبر پر واں برچھی لگی
گھر میں یاں، ماں کا کلیجا چھل گیا

☆

تھے علی اکبر عجب رشکِ چمن
کربلا کو لطفِ جنت مل گیا

بات کی جب پھول منہ سے جھڑ پڑے
مسکرائے جب تو غنچہ کھل گیا

☆

شہسوارِ دوشِ احمدؐ کا پسر
قید میں پیدل کئی منزل گیا

بیڑیوں سے پنڈلیاں زخمی ہوئیں
طوق سے نازک گلا چھل چھل گیا

روئے آسائش نہ دیکھا عمر بھر
جو گیا دنیا سے وہ بے دل گیا

قہر حق تھا غیظِ عباسِ علیؑ
شیر کے نعروں سے جنگل ہل گیا

کہتے تھے شہ، مل گئے ہم خاک میں
اے فلک! بتلا تجھے کیا مل گیا؟

شکراللہ تخت پر بیٹھے علیؑ
جلوہ فرما حق ہوا دل کھل گیا

پنجتن کا واسطہ دے کر انیس
جو خدا سے تم نے مانگا، مل گیا

(9)

لحد میں سامنے جب دفترِ حساب آیا
گناہ دیکھ کے کیا کیا مجھے حجاب آیا

رُخِ حسینؑ سے میں نے کبھی نہ دی تشبیہ
چمک کے سامنے سو بار آفتاب آیا

ورق ہیں مصحفِ ناطق کے اکبر و اصغر
جو بے عدیل ہے سورہ تو لاجواب آیا

جگہ نہ پائی جو کثرت میں سانس لینے کی
میانِ بحرِ فنا دم بخود حباب آیا

زمیں کا زور چلا خاک بھی نہ وقتِ فشار
مری زباں پہ جو نامِ ابوتراب آیا

جب آفتاب میں نکلے محمدؐ عربی
تو چتر بن کے سرِ پاک پر سحاب آیا

پدر کی پیاس کو بھولے نہ ایک دم عابدؑ
چھری جگر پہ چلی جب خیالِ آب آیا

ظہورِ نورِ محمدؐ ہُوا خلیلؑ کے بعد
چھپا جو چاند، زمانے میں آفتاب آیا

ادھر ہلے لبِ سرور دعائے باراں میں
اُدھر فلک پہ گرجتا ہوا سحاب آیا

سیاہ خانۂ زنداں میں جب چلے عابد
ہوا یہ شور کہ ظلمت میں آفتاب آیا

اٹھائی لذّتِ تلخیِ تنگنائے جہاں
عرق عرق ہوا شیشے میں جب گلاب آیا

غمِ حسینؑ میں جب آہ کی تو برسے اشک
ادھر چمک گئی بجلی، اُدھر سحاب آیا

اُلٹ کے سب مرے مضموں پڑھے مرے آگے
مزا تو یہ ہے کہ اِس پر مجھے حجاب آیا

عطش نے گو دلِ سرور میں آگ بھڑکا دی
مگر زباں پہ نہ حرفِ سوالِ آب آیا

وہ لوگ کون تھے؟ بھیجا سلام، جب شہ پر
ضریحِ قبلۂ کونین سے جواب آیا

نہیبِ شرع تو دیکھو کہ بن گیا سرکہ
نجف کی راہ میں جب شیشۂ شراب آیا

سرِ حسینؑ گیا شام میں، جو وقتِ سحر
ہُوا یہ شور کہ نیزے پہ آفتاب آیا

فلک پہ شور تھا، پہنچے جو کربلا میں حسینؑ
اب اپنی خاک پہ، فرزندِ بوتراب آیا

ورق الٹ گیا دنیا کا یک بیک کیوں چرخ
یہ کس طرح کا زمانہ میں انقلاب آیا

پیامِ مرگ ہے موئے سفید اے غافل!
کبھی سُنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا

☆

حسینؑ و حُر کی ملاقات تھی کہ عالمِ نور
اُدھر سے ماہ بڑھا تھا کہ آفتاب آیا

صدا یہ آئی کہ گردن اٹھا کے دیکھ ذرا
معانقے کے لیے مالک الرقاب آیا

خیالِ ہمسفری زلفِ شہ کا سودا واہ
چمن میں کیا مجھے سنبل پہ پیچ و تاب آیا

بہانہ ڈھونڈتی ہے بخشش اے گنہ گارو!
خدا نے رحم کیا جب مجھے حجاب آیا

عجب جگہ ہے زہے فیضِ مرقدِ شبیرؑ
کہ نامراد گیا جو، وہ کامیاب آیا

☆

جہاں سے جاتے ہیں شیعہ تو کہتے ہیں قدسی
یہ قافلہ سوئے جنت بہت شتاب آیا

پکارتا ہے یہ رضواں، خوشا نصیب آؤ
تمھارے لینے کو فرزندِ بوتراب آیا

چلو چلو کہ علیؑ منتظر ہیں کوثر پر
بڑھو بڑھو کہ بہشتِ بریں کا باب آیا

خطا کی راہ کو چھوڑا جو شہ کے مہماں نے
مصافحے کو بہادر کے خود صواب آیا

چلے وغا کو جو دولھا بنے ہوئے قاسم
لٹانے پھول ستاروں کے آفتاب آیا

برہنہ سر وہ ہوئے وا نصیب، وا قسمت
کہ اپنے سارے سے جن کو سدا حجاب آیا

دِلا حجاب کر، اب تو سیاہ کاری سے
سفید بال ہوئے، موسمِ خضاب آیا

☆

شب آتی جب تو یہ نانی سے کہتی تھیں صغریٰ
کہ دم الجھنے لگا، وقتِ اضطراب آیا

نہ موت آتی ہے مجھ کو نہ نیند آتی ہے
اجل کو آئی اجل، خواب کو بھی خواب آیا

وہ کہتی تھیں کہ میں قربان جاؤں لیٹ رہو
یہ کیا غضب ہے شب آئی کہ اک عذاب آیا

جو زیست ہے تو خدا کاٹ دیگا مُدتِ ہجر
سنو گی اب کہ جگر بندِ بوتراب آیا

☆

کسی کا کون ہے اکبر جو ہم کو بھول گئے
گیا تھا جلد سو قاصد، بہت شتاب آیا

نہ مانوں گی علی اکبر مجھے بھلائیں گے
بغل میں قبر کی جب منہ گیا تو خواب آیا

اٹھائے شہ نے کلیجے پہ جب بہتر داغ
تو سیدالشہدا، عرش سے خطاب آیا

اِدھر ہلے لب منکر نکیر بہرِ سوال
مری زباں پہ برابر اُدھر جواب آیا

خوشا نصیب تھے حُر کے، عجب تھا بخت رسا
نکل کے کفر سے سوئے رہِ ثواب آیا

غش آ گیا پہ نہ چلائی رو کے، واہ رے صبر
دلہن کو دولہا کے لاشے پہ بھی حجاب آیا

لحد میں دھیان جو تھا فاطمہؑ کے پھولوں کا
اُڑھائی چادرِ گل جب مجھے تو خواب آیا

وطن میں جاؤں گا کس منہ سے، کہتے تھے عابد
علیؑ کے لال کو مٹی میں گاڑ، داب آیا

ہیں ایک حال پہ شیرِ خدا کے در کے فقیر
خبر نہیں کہ گیا کب، کب انقلاب آیا

نہ سر اٹھائیو بحرِ فنا میں، اے غافل!
صدا یہ دے گیا پانی پہ جب حباب آیا

جہاں میں رہتی ہے روشن دلوں کی آمد و رفت
سحر کو چاند چھپا، دن کو آفتاب آیا

وہ کیا نمود کرے آہ، بحرِ ہستی میں
جو ایک دم کے لیے صورتِ حباب آیا

زمیں یہ کہتی ہے میت سے دیکھ قبر کو دیکھ
کہاں بنا کے گھر، او خانماں خراب آیا

جہاں سے ہم اسی حسرت میں پیر ہو کے چلے
نہ عمرِ رفتہ پھر آئی، نہ پھر شباب آیا

اتارا مجھ کو لحد میں تو دی زمیں نے صدا
خوشا نصیب، غلامِ ابوتراب آیا

الٹ گیا نہ فقط لکھنؤ کا ایک طبقہ
انیس ملکِ سخن میں بھی انقلاب آیا

کوئی بھی سوتا ہے پیری میں اس طرح غافل
اٹھو، انیس اٹھو، سر پہ آفتاب آیا

(10)

یوں فلک ہے روضۂ شبیرؑ عالی جاہ پر
اے سلامی! ہے کلف جس طرح روئے ماہ پر

خضرؑ قرباں ہیں سلوکِ حیدرِ ذی جاہ پر
پھر نہ بھٹکا وہ، جسے لائے خدا کی راہ پر

احمدِ ؐمرسل نے دنیا میں جو کی فاقہ کشی
رزق ہر ممکن کا واجب ہو گیا اللہ پر

حضرتِ یعقوبؑ کی الفت کی قدر اُس دم کھلی
کھینچ کر یوسفؑ کو جب لائے برادر چاہ پر

نقشِ پائے شاہ سے تشبیہ دیتے ہم ضرور
گر نہ ہوتا جھائیوں کا عیب روئے ماہ پر

قبر میں نہ تخت اُس کا ہے، نہ اِس کا بوریا
ڈھیر مٹی کا برابر ہے گدا و شاہ پر

ہاتھ وہ ہیں بند جو ہوئیں نہ امرِ خیر میں
پاؤں وہ ہیں، جو چلے جائیں خدا کی راہ پر

سارقوں نے سن لیے مضمونِ مولودِ علیؑ
اب کمندیں پھینکتے ہیں قصرِ بیت اللہ پر

عیب بینوں میں ہنر کوئی نہیں جز اعتراض
شعر کیسے، معترض اب ہوں گے بیت اللہ پر

فقر کی نعمت کا میں بھوکا ہوں یا مشکل کشا
آپ کشکولِ گدا بھر دیں خدا کی راہ پر

دولت اس کو دی قناعت کی تو اُس کو زر دیا
لطف اُس عادل کا یکساں ہے گدا و شاہ پر

الفتِ یوسف زلیخا کو، ہمیں حُبِّ علیؑ
کوئی پیاسا حوضِ کوثر پر تو کوئی چاہ پر

تختِ سلطاں سے بھی بالاتر ہے اُس کا بوریا
صاحبِ مسند ہے، تکیہ ہے جسے اللہ پر

آدم و جن و ملک، حور و پری، شمس و قمر
کس کا سر ہے جو نہیں جھکتا تری درگاہ پر

ابروؤں پر شہ کی کیا زیبا ہے نورانی جبیں
خوشنما ہے لوح ہر سورے میں بسم اللہ پر

کہتے تھے قاسم، کوئی ہم سا نہیں حسرت نصیب
جو نئے دولھا ہیں روئیں گے ہمارے بیاہ پر

رَن سے جو بھاگا، نہ جھپٹے اس پہ حضرت جنگ میں
شیرِ نر حملہ کبھی کرتے نہیں روباہ پر

ہر جگہ پیکاں پہ پیکاں تھا، سری پہ تھی سری
یہ کمانوں سے چلے تھے تیر جسمِ شاہ پر

لاشۂ شبیر عریاں تھا تو صحرا کے طیور
شہپروں سے دھوپ میں سایہ کیے تھے شاہ پر

حُبِّ حیدر چاہیے کیسی خطا، کیسے گناہ
بخش دینا جرم کیا دشوار ہے اللہ پر

فکر کا ہے کی ہے کیا دنیا سے جاؤ گے انیس
اپنا توشہ لے کے دسترخوانِ شاہنشاہ پر؟

(11)

خوشا زمینِ معلّٰی، زہے فضائے نجف
ریاضِ خلد بھی ہے شائقِ ہوائے نجف

یہ شوق ہے کہ نہ بیدار ہوں قیامت تک
جو خواب میں کبھی نقشہ مجھے دکھائے نجف

پہنچ کے خلد میں جب دیکھتے ہیں قصرِ رفیع
پکار اٹھتے ہیں زوار، ہائے ہائے نجف

مریض کے لیے اکسیر ہیں یہ دو نسخے
غبارِ مرقدِ شبیرؑ اور ہوائے نجف

جسے خدا سے محبت ہے اس کو کعبے سے
جسے ولائے علیؑ ہے، اسے ولائے نجف

ملی انگوٹھی بھی ویسی ہی، تھا نگیں جیسا
نجف برائے علیؑ تھا، علیؑ برائے نجف

وہاں قدم کا ہے کیا کام، اے ادب، توبہ
سروں سے چلنے کے قابل ہیں کوچہائے نجف

جسے بہشت میں آنا ہو، آئے وہ مجھ تک
ہر اک دیار میں آتی ہے یہ صدائے نجف

علیؑ کی قبر کے زوار، پاک دامن ہیں
گناہ ڈھنپ گئے جب اوڑھ لی ردائے نجف

شراب بنتی ہے سرکہ، علیؑ کی دہشت سے
یہ انقلاب نہ دیکھا کہیں، سوائے نجف

اِدھر سے کوششِ کامل ہے، اُس طرف سے کشش
انیس ہم نہ رہیں گے کہیں، سوائے نجف

(12)

السلام، اے لحدِ اقدس و اعلائے حُسینؑ
مہبطِ نورِ خدا، طورِ تجلائے حُسینؑ

مرکزِ دائرۂ دیں، شرفِ کون و مکاں
قبلۂ عالمیاں و منزل و ماوائے حُسینؑ

لوحِ قرآنِ مُبیں، آئینہء صدق و صفا!
ذوالعطا، عرشِ خدا، خاکِ شفا پائے حُسینؑ

عرش سے آکے ملک ہوتے ہیں مجلس میں شریک
اے خوشا! مرتبۂ بزم معلائے حُسینؑ

یہی بخشش کا وسیلہ ہے، یہی راہِ نجات
فرض ہے اُمتِ احمدؐ پہ تولّائے حُسینؑ

کون سی چشم ہے، جاری نہیں جس سے آنسو
کونسا دل ہے، کہ جس دل میں نہیں جائے حُسینؑ

مالکِ نور تھے دنیا میں سدا مثلِ علیؑ
پارۂ نان ونمک تھا من وسلوائے حُسینؑ

مکی و ہاشمی و مطلبی و قرشی
فخرِ اقلیمِ عرب تھے جدو آبائے حُسینؑ

چرخ نے عالمِ ایجاد کو چھانا کیا کیا
جُز حسن اور نہ پایا کوئی ہمتائے حُسینؑ

کان رکھ کر جو کوئی قبر پہ زہرا کی سُنے
یک بیک آئے صدا، ہائے حسنؑ ہائے حُسینؑ

قد و قامت وہی، زلفیں وہی، رخسار وہی
کیا محمدؐ سے مشابہ تھا سراپائے حُسینؑ

قمریاں طوق غلامی کے گلوں میں ڈالیں
سرو گڑ جائے، جو دیکھے قد و بالائے حُسینؑ

سرمۂ عینِ بصیرت اسے سمجھیں حوریں
ہاتھ آ جائے اگر خاکِ کفِ پائے حُسینؑ

رفقا کہتے تھے، رکھ دیں ابھی تیغوں پہ گلے
حکمِ خالق ہے ہمارے لیے ایمائے حُسینؑ

شمر نے گردنِ اقدس کو قفا سے کاٹا
پر ہٹی سجدہ خالق سے نہ سیمائے حُسینؑ

قتل ساحل پہ ہوئے، بھائی بھتیجے، بیٹے
خوں میں سب ڈوب گئے گوہرِ دریائے حُسینؑ

فرق پر گُرز لگا ہاتھ کٹے شانوں سے
ہائے عباسِ علی، عاشق و شیدائے حسینؑ

☆

اپنی آغوش میں رکھتے تھے محمدؐ دن بھر
سینۂ فاطمہؓ پر رات کوتھی جائے حُسینؑ

مختصر حال یہ بچپن کا ہے، پر قتل کے بعد
رہ گیا دھوپ میں عریاں تنِ زیبائے حُسینؑ

سر دیا، اور نہ دیا ہاتھ میں میخوار کے ہاتھ
واہ کیا فہم تھی، کیا عقل تھی، کیا رائے حُسینؑ

ہم راہِ راست سے واللہ بھٹکنے کے نہیں
جادۂ گلشنِ جنت ہے تولّائے حُسینؑ

جس سے جاری ہوئے آفاق میں نو چشمۂ نور
رحمتِ حضرتِ غفار ہے، دریائے حُسینؑ

حق کے محبوب نبیؐ ہیں، یہ نبیؐ کے محبوب
پوچھے احمدؐ سے کوئی، رتبۂ اعلائے حُسینؑ

کھیت سینچے گئے، سیراب ہوئے وحش و طیور
تین دن تک تجھے پانی نہ ملا، ہائے حُسینؑ

بیاہ اکبر کا، نہ اصغر کی جوانی دیکھی
ہے غضب، کوئی نہ بر آئی تمنائے حُسینؑ

☆

سر پٹکتی تھیں، اگر ٹوٹتا تھا زلف کا بال
بنتِ احمدؐ کو گوارا تھی نہ ایذائے حُسینؑ

ایک دن یہ تھا، اور اک دن یہ غضب کا آیا
ہائے نیزے سے بندھی زلفِ سمن سائے حُسینؑ

اُونٹ سے گر کے یہ مقتل میں پکاری زینب
ہے غضب خاک پہ ہے قامتِ رعنائے حُسینؑ

ہے غضب امتِ احمدؐ نے تجھے ذبح کیا
تیری تقصیر نہ تھی کچھ، مرے ماں جائے حُسینؑ

دشمنوں سے بھی نہ خاطر پہ کدورت آئی
نور کا آئنہ تھا، قلبِ مصفائے حُسینؑ

فیض دونوں کا ہے کونین میں دریا دریا
کیوں نہ ہو عینِ عطا، پائے علیؑ، پائے حُسینؑ

نہرِ فردوس پہ ہو دورۂ صہبائے طہور
اے خدا جلد دکھا ساغر و مینائے حُسینؑ

حُر کو حُلّے بھی دیے، حور بھی دی، جنت بھی
اس مصیبت میں یہ تھی ہمتِ والائے حُسینؑ

بیٹیاں بہوئیں علی کی ہوئیں سب بے چادر
جبکہ خیمے میں دھنسے لوٹ کو اعدائے حُسینؑ

تشنہ و بیکس و مظلوم و غریب و مضطر
قتل کے بعد یہ مشہور ہیں اسمائے حُسینؑ

قمریاں سرو پہ کو کو کی صدا دیتی ہیں
چھپ گیا خاک میں جب سے قدِ زیبائے حُسینؑ

قبر سے ختمِ رُسل چاک گریباں نکلے
رن میں جس وقت کفن پہنے ہوئے آئے حُسینؑ

روزِ عاشور لُٹا دشت میں سرسبز چمن
خاک میں مل گئے کیا کیا گُلِ رعنائے حُسینؑ

بڑھ کے بازوئے پسر، دستِ خدا نے تھاما
جب ہوئے غش میں رکابوں سے جدا پائے حُسینؑ

ضُعف طاری ہُوا طاقت نہ سنبھلنے کی رہی
تبر و تیر سے جب کٹ گئے اعضائے حُسینؑ

ہند میں ہوں، پہ شب و روز دعا ہے یہ انیس
قبر ہو متصلِ قبرِ معلائے حُسینؑ

(13)

اے سلامی! تیغِ دشمن کارگر ہوتی نہیں
حفظِ خالق سے کوئی بہتر سپر ہوتی نہیں

کہتے تھے حضرت، رہے گا عصر تک بارانِ تیر
یہ مہم جب تک نہ سرکٹ جائے، سر ہوتی نہیں

محو تھے شہ جان دینے پر، خدا کی راہ میں
گر لگیں سو زخم، عاشق کو خبر ہوتی نہیں

کہتے تھے حضرت غمِ عباس نے خم کر دیا
بے لحد میں سوئے، اب سیدھی کمر ہوتی نہیں

کہتی تھی صغریٰ کہ نانی! تا کجا تارے گنوں
کیا شبِ فرقت کی دنیا میں سحر ہوتی نہیں

راست بازوں کو دُرِ مقصود مل جاتا ہے جلد
جو کہ ہے کچی صدف، وہ بے گہر ہوتی نہیں

ہل گیا عرشِ خدا، زینب نے جب فریاد کی
آہِ ماتم دار ہرگز بے اثر ہوتی نہیں

پوچھیے اسے کہ درد آمیز ہو جس کا کلام
بیت موزوں کوئی بے خونِ جگر ہوتی نہیں

کہتے تھے حضرت کہ مشتاقِ نمازِ عصر ہوں
بڑھ گیا ہے کیا یہ دن، جو دو پہر ہوتی نہیں

فق ہُوا جاتا ہے منہ زینب کا گھٹتی ہے جو رات
آمدِ صبحِ قیامت ہے، سحر ہوتی نہیں

اطلاعِ مقتلِ سرور ہو گئی ہر شہر میں
سچ ہے مخفی خونِ ناحق کی خبر ہوتی نہیں

جمع ہونا ایک جا ضدّین کا دشوار ہے
خیر ہوتی ہے طبیعت میں، تو شر ہوتی نہیں

شام سے کہتے تھے یہ شوقِ شہادت میں حُسینؑ
دم مرا گھٹتا ہے، کیوں جلدی سحر ہوتی نہیں

میں دیا کرتا ہوں روز، اشکوں سے پانی یا حُسینؑ
شاخِ نخلِ آرزُو کیوں بارور ہوتی نہیں

مدحِ دندان و لبِ شبیر باہم چاہیے
شہدِ خالص میں حلاوت بے شکر ہوتی نہیں

کہتی تھی بانو، سکینہ جان دے گی قید میں
کون سی شب ہے کہ رونے میں بسر ہوتی نہیں

یا علیؑ! حق میں انیسِ زار کے کیجیے دعا
میرے مولا! اب کسی صورت بسر ہوتی نہیں

رنجِ دُنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

کربلا پہنچے، زیارت کی، ہمیں پروا ہے کیا
اب اِرم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب، ہم واں قدم رکھتے نہیں

صورتِ محراب خم ہو کر بصد عجز و نیاز
سر نہ رکھیں گر، تو منبر پر قدم رکھتے نہیں

دیکھنا، کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

دھو دیے اشکوں نے دفتر سے تمام اعمالِ زشت
ہم تری پروا کچھ اے ابرِ کرم رکھتے نہیں

جو غنی ہیں، مالِ دُنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ
اہلِ دولت جو ہیں، وہ دستِ کرم رکھتے ہیں

جو مقدر ہے، وہ ملتا ہے تری سرکار سے
ہم ہیں صابر، کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

☆

زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدانِ سخن!
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

نقدِ جاں تک دے کے ہم جاتے ہیں یاں سے وقتِ کوچ
عاریت جو شے ہو، اس کو پاس ہم رکھتے نہیں

ایک کشکولِ توکل، ایک نقدِ جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے، کوئی دام و درم رکھتے نہیں

کہتے تھے سجاد کھنچ سکتی نہ تھیں جب بیڑیاں
کیا کریں اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں

☆

کہتی تھی فضہ کسے لوٹو گے آ کر ظالمو!
سیم و زر شبیر کے اہلِ حرم رکھتے نہیں

فقر و فاقہ میں ہمیشہ ہو گئی سب کی بسر
ان رداؤں کے سوا کچھ اور ہم رکھتے نہیں

یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے، نہ آنا اس طرف
بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں

چادریں چھینیں جو رانڈوں کی تو زینب نے کہا
کچھ حیا و شرم یہ اہلِ ستم رکھتے نہیں

مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اٹھو گے انیس
ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

(15)

زرد چہرہ ہے، نحیف و زار ہوں
ماتمِ سجاد میں بیمار ہوں

مثلِ بوئے گل سفر ہو گا مرا
وہ نہیں میں، جو کسی پر بار ہوں

بلبلیں دم بھر جدا ہوتی نہیں
کس گُلِ تر کے گلے کا ہار ہوں

عالمِ پیری میں آئے کون پاس
اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

دیکھ کر پستی، ملا ہے مجھ کو اَوج
گر کے جو اٹھتی ہے، وہ دیوار ہوں

ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں
ہمدمو! میں تیغ جوہر دار ہوں

بس ہے مجھ کو نانِ خشک و آبِ سرد
اے فلک! کس کس کا منت دار ہوں؟

اے زمیں! مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
آسماں کا طرۂ دستار ہوں

☆

شہ کو صغریٰ نے یہ عرضی میں لکھا
رحم کیجیے، طالبِ دیدار ہوں

شام سے گنتی ہوں تارے، تاسحر
صورتِ مہتاب شب بیدار ہوں

شربتِ دیدار ہے میری دوا
اے مسیحائے زماں، بیمار ہوں

☆

کہتے تھے عباس اے فوجِ یزید
میں غلامِ سیدِ ابرار ہوں

میرا آقا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ
ابنِ زہراؑ کا علم بردار ہوں

زور جعفرؑ کا مرے بازو میں ہے
جنگ کرنے کے لیے تیار ہوں

کون ہے کونین میں مجھ سا جری
صف شکن ہوں صفدر و جرار ہوں

کاٹ ڈالوں گا سرِ اعدائے دیں
ذوالفقارِ حیدرِ کرار ہوں

☆

کہتے تھے عابد انھیں کیوں کر قدم
اے ستم گارو! نحیف و زار ہوں

دم بدم کھینچو نہ میرے ہاتھ کو
پاؤں بڑھ سکتے نہیں ناچار ہوں

میں پیادہ، تم ہو گھوڑوں پر سوار
کس طرح دوڑوں بہت بیمار ہوں

☆

کہتے تھے اعدا سے حضرت وقتِ جنگ
ورثہ دارِ حیدرِ کرار ہوں

میں چڑھا ہوں مصطفیؐ کے دوش پر
میں شبابِ خُلد کا سردار ہوں

جبر میں نے خود کیا ہے اختیار
ورنہ جو چاہوں کروں، مختار ہوں

خرمنِ ہستی ابھی ہو جل کے خاک
برقِ قہرِ حضرتِ قہار ہوں

بنتِ احمدؐ کا پیا ہے میں نے شیر
شیر ہوں، جرار ہوں، کرار ہوں

پہلے حملے میں اُلٹ دوں فوج کو
ایک دم میں ان صفوں سے پار ہوں

بیچ میں ہے امتِ جد کا قدم
کیا کروں، مجبور ہوں، ناچار ہوں

☆

بولا حُر، لالچ دیا جب شمر نے
میں نثارِ سیدِ ابرار ہوں

پھر فدا ہونے کی حسرت ہو مجھے
شاہ پر صدقے اگر سو بار ہوں

مجھ کو بہکاتا ہے او مردودِ خلق!
تو ہے غافل، اور میں ہشیار ہوں

چھوڑ کر کعبے کو آؤں سوئے دیر
نور ہو کر پھر شریکِ نار ہوں

☆

کہتی تھی تیغِ علیؑ، یا شاہِ دیں
حکم اگر دیجے تو آشکار ہوں

سب کو کردیتی ہوں فرش، اک آن میں
عرش سے اُتری ہوئی تلوار ہوں

وار میرا، روک سکتا ہے کوئی!
پیر کردم میں صفوں سے پار ہوں

میں نے کاٹے ہیں پر روح الامیں
میں علیؑ کی تیغِ جوہر دار ہوں

چار آئینہ ہو بر میں، یا زرہ
چاک کردوں اُس کو، جس سے چار ہوں

کیا کروں اے خامسِ آلِ عبا
آپ کے اس رحم سے ناچار ہوں

کہتی تھی زینب دہائی، یا علیؑ!
سر برہنہ میں سرِ بازار ہوں

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں پر انیس
آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں

سلامی کی حسرت کا چارا نہیں
امامِ زماں آشکارا نہیں

عجب منزلِ بیکسی ہے لحد
کسی کو کسی کا سہارا نہیں

غمِ شاہ سے گلشنِ دہر میں
گریبان کس گل کا پارا نہیں

☆

یہ گویا ہوئی شاہ سے ذوالفقار
کہ اعدا کا طعنہ گوارا نہیں

حضور اُن پہ کرتے ہیں لطف و کرم
ذرا جن کو تم سے مدارا نہیں

علیؑ کی قسم کیجیے اب علم
تحمل کا اب مجھ کو یارا نہیں

وہ دریا ہوں، جس میں دو عالم ہوں غرق
کنارے کا میرے کنارا نہیں

میں آتش ہوں، سیماب ہیں اہلِ شر
کبھی قائم النار، پارا نہیں

مجھے فاطمہؑ سے خجالت نہ ہو
بس اب دیر مجھ کو گوارا نہیں

جواب ان کو کیا دوں گی، پوچھیں گے جب
سرِ شمر تو نے اُتارا نہیں

کہا شہ نے، یہ سب سہی، پر ہمیں
کوئی امتِ جد سے پیارا نہیں

☆

ہوئے قتل اکبر تو دل نے کہا
حسینؑ! اب تحمل گوارا نہیں

☆

مرقع شہیدوں کا سب ہے مگر
شبیہ نبیؐ آشکارا نہیں!

کہاں زخم کھایا، کہاں گر پڑے؟
نشاں قتل گہ میں تمھارا نہیں

ندا دی، کبھی رو کے سوئے فلک
ستارے ہیں سب، وہ ستارا نہیں

کلیجے میں شاید زیادہ ہے درد
کہ بابا کو اب تک پکارا نہیں

کبھی آہ کی رکھ کے سینے پہ ہاتھ
دلا! درد کا اپنے چارا نہیں

ملی جب نہ لاشِ پسر، بولے شاہ
کوئی زیست کا اب سہارا نہیں

کبھی نہر سے یوں مخاطب ہوئے
کہ تجھ میں تو موتی ہمارا نہیں

پکارے کبھی لے کے اکبر کا نام
مری جان، رُوٹھو خدارا نہیں

سکینہ پکاری، بندھا جب گلا
"اخی! اب تحمل کا یارا نہیں"

وہ بولے "بندھے ہیں مرے ہاتھ بھی
بہن! کیا کریں بس ہمارا نہیں"

☆

گرے شہ تو دیکھا زمیں صاف ہے
کہیں خار و خس آشکارا نہیں

کہا دل سے، کس نے یہ جھاڑا مکاں
کوئی دوست باقی ہمارا نہیں

مرے چین ہی فکر زینب کو ہے
سو مقتل میں اس کا گزارا نہیں

ندا آئی، واری، تردد ہے کیا
کہیں ماں کو تم سے کنارا نہیں

ہزاروں جراحت ہیں اور اک بدن
کوئی عضو ثابت تمھارا نہیں

غضب تھا جو ان زخموں میں چبھتے خار
ترا بال بیکا گوارا نہیں

مکاں، کون گنجِ شہیداں میں ہے
جو بالوں سے میں نے بہارا نہیں

☆

کہا شمر نے حُر سے ہنگامِ جنگ
شجاعوں کو لازم کنارا نہیں

خلیفہ سے پھر کر نہ جا سوئے شاہ
مجھے تیرا نقصاں گوارا نہیں

اِدھر سیر پانی سے ہیں سب دلیر
اُدھر بوند بھر کا سہارا نہیں

یہی وقتِ اخذِ زر و مال ہے
پھر آنے کا یہ دن دوبارا نہیں

وہ غصے سے بولا کہ "بس بس خموش!
کہ اب ضبط کا دل کو یارا نہیں

سر و جان و تن، مال و فرزند و زن
کوئی ابنِ زہراؑ سے پیارا نہیں

کنارا کیا شہ نے دریا سے جب
ہمیں کیوں مناسب کنارا نہیں

ندائے علیؑ آئی، اے حُر یہ کہہ
تجھے حالِ غیب آشکارا نہیں

علیؑ دیں گے کوثر سے بھر بھر کے جام
کسی کا وہاں کچھ اجارا نہیں

مبارک ہمیں خلد، تجھ کو سقر
وہ تیرا نہیں، یہ ہمارا نہیں

چلو کربلا بے تردد انیس
پئے کارِ خیر، استخارا نہیں

(17)

شاہ تنہا ہیں مددگار نہیں
مجرئی! کوئی جلو دار نہیں!

قدرداں کم ہیں، نہبت اہلِ کمال
جنس ارزاں ہے، خریدار نہیں

کسوتِ خانۂ کعبہ ہے سیاہ
کون حضرت کا عزادار نہیں؟

گرم ہے مجلسِ ماتم ہر جا
سرد ہوئے یہ وہ بازار نہیں

شاہ کہتے تھے کہ سائل کے لیے
سر تلک دینے میں انکار نہیں

بوسے لے لے کے یہ فرماتے تھے شاہ
لبِ معشوق ہے سوفار نہیں

☆

غل ہُوا چمکی جو شمشیرِ حُسین
غضبِ حق ہے یہ تلوار نہیں

جب بڑھا پاؤں تو بھاگے دس بیس
جب چلا ہاتھ تو دوچار نہیں

کہتے تھے شہ کے دکھلاؤں یہ جنگ
ہائے عباسِ علم دار نہیں

بزم میں دوست بھی ہیں دشمن بھی
(۳۲) کون سا گل ہے جہاں خار نہیں

☆

غل تھا کوفے میں کہ عابد ہے امام
اس پہ یہ ظلم سزاوار نہیں

بخدا تاجِ سرِ عرش ہے یہ
آج گو فرق پہ دستار نہیں

دم میں چاہے تو جلا دے مُردے
سب کا عیسیٰ ہے یہ بیمار نہیں

☆

بیڑیاں آئیں تو عابد نے کہا
ظالمو! کچھ مجھے انکار نہیں

سالکِ راہِ خدا ہے سجاد
خطرِ وادیِ پُرخار نہیں

بارِ امت ہے اٹھایا جب سے
طوق کا بوجھ بھی دشوار نہیں

دکھ مجھے کیا ہے کہ زخمی نہیں تن
ٹکڑے تیغوں سے تنِ زار نہیں!

حلق بابا نے کٹایا، یہ تو
طوق ہے، خنجرِ خوں خوار نہیں

جھک کے دشمن سے بھی ملتا ہے انیس
نہ گُسے جو، یہ وہ تلوار نہیں

(18)

شبیر کے غم میں رو رہے ہیں
منہ آبِ گہر سے دھو رہے ہیں

گندم گندم سے، جَو سے جَو ہے
کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں

ہے برزخ میں خفتگانِ مرقد
کیسی راحت سے سو رہے ہیں

بے آب ہے شہ کو تیسرا دن
اعدا سیراب ہو رہے ہیں

بیڑا امت کا تھامنے کو
کشتی اپنی ڈبو رہے ہیں

اکبر سے پسر کو دی ہے رخصت
اپنی دولت کو کھو رہے ہیں

تیروں کی ہے شہ کے تن پہ بوچھار
تلواروں سے، چُور ہو رہے ہیں

(۵۲)

محبوبِ خدا کے تن کے کپڑے
اعدا خون میں ڈبو رہے ہیں

سب زخم لہو کے آنسوؤں سے
شہ کی غربت پہ رو رہے ہیں

کیسا آبِ حیات، اے خضر!
ہم جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں

کیں جن پہ ریاضتیں، وہی گل
کانٹے مرے حق میں بو رہے ہیں

☆

تیغِ اسدِ خدا کے ڈر سے
چھپ چھپ کے کمینہ خو رہے ہیں

ڈھالوں نے چُرا لیے ہیں سینے
تلواروں کے سرخ رو رہے ہیں

جس کو نہ کیا ہو چار پارہ
ایسے کہیں سو میں دو رہے ہیں

روتے نہیں بزم میں گنہ گار
فردِ عصیاں کی دھو رہے ہیں

ہے سلکِ گہر یہ رشتۂ نظم!
کیا کیا موتی پرو رہے ہیں

بہتا ہے انیس خونِ انصاف
مضموں مرے قتل ہو رہے ہیں

شبیہِ امامِ زماں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں

جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر
زمیں پہ شہِ دیں نشاں کھینچتے ہیں

بہت تو نے پیسا ہے اک دن تجھے بھی
شکنجے میں اے آسماں کھینچتے ہیں

قریں سر کے ہے آفتابِ قیامت
لحد پر عبث سایباں کھینچتے ہیں

محبت کا رشتہ نہایت ہے نازک
مجھے کس لیے قدرداں کھینچتے ہیں

اگر میں نہیں یوسفِ مصرِ معنی
تو کیوں چاہ سے قدرداں کھینچتے ہیں

دکھا دوں زمینِ نجف کی بلندی
بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں

☆

تپِ غم کی شدت میں کہتے تھے عابد
عجب سختیاں استخواں کھینچتے ہیں

سبک باریِ اُمتِ جد کی خاطر
ضعیفی میں بارِ گراں کھینچتے ہیں

زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن
وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں

فقیروں نے یاں پاؤں پھیلا دیے ہیں
عبث ہاتھ (یہ) ابلہاں کھینچتے ہیں

جھکاتے ہیں سر آستانِ علی پر
سرِ فخر تا لامکاں کھینچتے ہیں

نکلیو نہ بدلی سے اے برقِ خاطف
حسین آہِ آتش فشاں کھینچتے ہیں

☆

عبث ہیں عدو، درپے قتلِ اصغر
یہ ایذا کہیں بے زباں کھینچتے ہیں

قلق ہے جگر گوشۂ مصطفےٰ کو
وہ اپنے گماں میں کماں کھینچتے ہیں

وہ ہیں پہلواں، ہم جو قوت دکھائیں
فلک پر سپر کہکشاں کھینچتے ہیں

سلاحِ کہن پر یہ زور آزمائی
یہ اُتری ہوئی کیوں کماں کھینچتے ہیں

☆

نشانے سے ہے دور سہم مزاحف
خطا ہے جو اُتری کماں کھینچتے ہیں

چڑھے ہیں جوانوں کے زوروں پہ بازو
یہ کمزور، اُتری کماں کھینچتے ہیں

عجب کیا جو حاسد کا دل ہو نشانہ
کہ ہم رستمانہ کماں کھینچتے ہیں

غم شہ میں سرگرم ہیں اربعین تک
یہ چلے ہمیں، ہائے کماں کھینچتے ہیں

سخن ہے اگر باعث تلخ کامی
تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں

☆

زمیں دار سیراب ہیں کربلا کے
اذیت امامِ زماں کھینچتے ہیں

ادھر خشک ہے فاطمہ کی زراعت
وہ کھیتوں میں آبِ رواں کھینچتے ہیں

ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل
وہ گل اب جفائے خزاں کھینچتے ہیں

☆

کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابد
یہ لنگر کہیں ناتواں کھینچتے ہیں

پیادہ گئے شام تک اس روش سے
شتر جس طرح ساربان کھینچتے ہیں

پسینہ نہیں پونچھتے رخ سے حضرت
گلاب گلِ ارغواں کھینچتے ہیں

نہ ہوگی صف خال رخسار تشنہ کی
عبث حقیں انجمنہ ادا کھینچتے ہیں

کہا حُر سے شہ نے، گناہوں پہ تیرے
خطِ عفو، اے میہماں کھینچتے ہیں

انھیں کے لیے ہے زمانے کی تلخی
بڑے رنج شیریں زباں کھینچتے ہیں

عجب حال ہے دخترِ فاطمہؑ کا
ردا سر سے ایذا رساں کھینچتے ہیں

پکاری سکینہ دہائی ہے بابا
ستمگر مری بالیاں کھینچتے ہیں

گھٹی جاتی ہیں گردنیں بیبیوں کی
رسن کو جو ایذا رساں کھینچتے ہیں

یہ عالم ہے فرقت میں کہتی تھی صغریٰ
کہ رگ رگ سے جس طرح جاں کھینچتے ہیں

کہا شہ نے، ہشیار، اے قومِ ناری!
کہ ہم تیغِ آتش فشاں کھینچتے ہیں

بہت باغِ دنیا کے کانٹوں سے الجھے
بس اب رخت سوئے جناں کھینچتے ہیں

قدم بیڑیوں میں ہیں، رسّی میں بازو
یہ دُکھ عابدِ ناتواں کھینچتے ہیں

لکھیں کس طرح ناتوانیِ عابد
جو بیتیں پے امتحاں کھینچتے ہیں

قلم یوں ہے کاغذ پہ رُک رُک کے چلتا
قدم جس طرح ناتواں کھینچتے ہیں

جسے دیکھ کر ہووے مانی کو حیرت
وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں

کہا رو کے اکبر نے، اے درد تھم جا
کلیجے سے بابا سناں کھینچتے ہیں

انیس اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کیست قلم کی عناں کھینچتے ہیں

(20)

ضبط گریہ ماتم سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

رات اندھیری، پرسشِ اعمال، ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز کار سازانِ جہاں
گرد اپنے منہ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت وہ مشرق میں کہ مغرب میں مریں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں!

شاہ فرماتے تھے فوجِ اشقیا روکے ہے گھاٹ
کوئی اک ساغر بھی دریا میں ڈبو سکتا نہیں

کہتی تھی بانو خبر اصغر کی لیجے، یا حسینؑ!
اب تو ایسا ضعف طاری ہے کہ رو سکتا نہیں

اللہ اللہ کیا وفا پرور تھے بازوئے حسین
کوئی اپنی جان سے یوں ہاتھ دھو سکتا نہیں

جا کے دریا میں علم بردار نکلے تشنہ لب
صبر یہ دو روز کے پیاسے سے ہو سکتا نہیں

کربلا میں اپنا گھر کا گھر لٹا بیٹھے حسین
ورنہ انساں دولتِ اولاد کھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت، گلا کٹ جائے یا لُٹ جائے گھر
حاکمِ فاسق کا تابع ہوں، یہ ہو سکتا نہیں

کہتے تھے عابد عزاداروں کے اشکوں کے سوا
کوئی آنسو دفترِ عصیاں کو دھو سکتا نہیں

کہتے تھے اغرہ روزِ عاشورہ قیامت کا ہے دن
باپ کو بیٹا، پسر کو باپ رو سکتا نہیں

بی بیوں کی گود میں بیٹھے ہیں سب سہمے ہوئے
کوئی بچہ شمر کی دہشت سے رو سکتا نہیں

نظم ہے یا دُرِ شہوار کی لڑیاں انیس
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

(21)

مرا راز دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں، نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں، جس میں شرارہ نہیں

بہت زالِ دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں، جو ہارا نہیں

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے، وہ پارا نہیں

☆

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گزارا نہیں

سکندر کی خاطر بھی ہے سدِ باب
جو دارا بھی ہو تو مُدارا نہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفیٰ
فرشتے کا جس جا گزارا نہیں

فقیروں کو پیسو، نہ اے منعمو!
تمھارا خدا ہے، ہمارا نہیں؟

انھیں کو وہ رزّاق دیتا ہے رزق
جنھیں نانِ جو کا سہارا نہیں

پھرے دوست، جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گرے ڈگمگا کر زمیں پر حُسینؑ!
کسی نے فرس سے اتارا نہیں

ہے صف بستہ گویا ملائک کی صف
یہ بزمِ شہِ دیں صف آرا نہیں

ترے صبر کے میں فدا یا حُسینؑ!
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

(22)

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

نبیؐ کا عز و شرف بوتراب سمجھے ہیں
علیؑ کی قدر رسالت مآب سمجھے ہیں

کبھی بُرا نہیں جانا، کسی کو اپنے سوا
ہر ایک ذرّے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں

کریم! مجھ کو عطا کر وہ فقر دنیا میں
کہ جس کو فخر رسالت مآب سمجھے ہیں

کہاں یہ مشکِ ختن اور کہاں حسینؑ کی زلف
یہ موشگاف، خطا کو صواب سمجھے ہیں

بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نانِ خشک کو وہ
اس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

ابوترابؑ کے در کا ہے ذرّۂ بے قدر
ہم آسماں پہ جسے آفتاب سمجھے ہیں

سیاقِ رحمتِ معبود ہے قیامت و حشر
ہم اس کو بھی کرمِ بے حساب سمجھے ہیں

جنہیں حصول ہُوا رتبۂ فنا فی اللہ
حیات و موت کو وہ ایک خواب سمجھے ہیں

عجب نہیں ہے، جو شیشوں میں بھر کے لے جائیں
ان آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھے ہیں

☆

ارے نہ آئیو، دنیائے دوں کے دھوکے میں
سراب ہے یہ، جسے موجِ آب سمجھے ہیں

یہ اشکِ تاک ہے، کہتے ہیں جس کو آبِ طرب
یہ خونِ گل ہے، جسے سب گلاب سمجھے ہیں

زمانہ ایک طرح پر کبھی نہیں رہتا
اسی کو اہلِ جہاں، انقلاب سمجھے ہیں

اُنہیں کو دارِ بقا کی ہے پختگی کا خیال
جو بے ثباتیِ دہرِ خراب سمجھے ہیں

شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیروں کو
سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں

علی کے رتبۂ اعلیٰ کو کوئی کیا جانے
خدا کے بعد رسالت مآب سمجھے ہیں

بہشت دے گا خدا خود انھیں تعالیٰ تعالیٰ
علی کے در کو جو رحمت کا باب سمجھے ہیں

جو ذوالجناح کو سمجھے ہیں آسماں شوکت
قمر کو زیں، مہِ نو کو رکاب سمجھے ہیں

☆

صدا یہ دھوپ میں آتی تھی شہ کے لاشے سے
کہ سہل ہم تپشِ آفتاب سمجھے ہیں

خدا کی راہ میں ایذا سے جن کو راحت ہے
زمینِ گرم کو وہ فرشِ خواب سمجھے ہیں

لحد میں آئیں نکیرین، آئیں، بسم اللہ
ہر اک سوال کا ہم بھی جواب سمجھے ہیں

☆

حسینؑ کہتے تھے، مرنا ہے خوب بیعت سے
ہم اس کو نیک، اُسے ناصواب سمجھے ہیں

حبیب ابن مظاہر نے عرض کی، مولا!
غلط ہے سب، جو یہ خانہ خراب سمجھے ہیں

ہم اس حصار کو اک دم میں توڑ ڈالیں گے
یہ جس کو قلعۂ خیبر کا باب سمجھے ہیں

اگر غرور ہے اعدا کو اپنی کثرت پر
تو اس حیات کو ہم بھی حباب سمجھے ہیں

نہ کچھ خبر ہے حدیثوں کی ان سفیہوں کو
نہ یہ معانیِ اُمّ الکتاب سمجھے ہیں

کبھی شقی، متمتع نہ ہوں گے دنیا سے
جسے یہ آب، اُسے ہم سراب سمجھے ہیں

گلا کٹانے کو بیعت سے بہتر و خوشتر
حضور سمجھے ہیں، یا بوتراب سمجھے ہیں

جو سلسبیل کو اک دن سبیل کر دے گا
خدا کی شان، اُسے محتاجِ آب سمجھے ہیں

تلف ہُوا کوئی بیٹا جواں تو جانیں گے
ہمارے صبر کو جو اضطراب سمجھے ہیں

مزیلِ عقل ہے، دنیا کی دولت اے منعم!
اسی کے نشے کو صوفی شراب سمجھے ہیں

مراتبِ ہیں مآلِ حلاوتِ دنیا
وہ زہر ہے، جسے ہم شہدِ ناب سمجھے ہیں

علیؑ کو کہتے ہیں بے فصل و وصیِ نبی
وہی نکاتِ حدیث و کتاب سمجھے ہیں

انیس مخمل و دیبا سے کیا فقیروں کو
اسی زمین کو ہم فرشِ خواب سمجھے ہیں

(23)

نہ منصب سے غرض، نہ خواہشِ جاگیر رکھتے ہیں
جو رکھتے ہیں تو عشقِ روضۂ شبیر رکھتے ہیں

خیالِ زلف و رُوئے حضرتِ شبیر رکھتے ہیں
ہم اپنی چشم میں دن رات کی تصویر رکھتے ہیں

شبِ ہفتم سے ہے غیظ و غضب عباسِ غازی کو
نہ کاندھے سے سپر، نہ ہاتھ سے شمشیر رکھتے ہیں

ٹپک پڑتے ہیں مثلِ شمع آنسو، جلنے والوں کے
مرے دل سوز نالے بھی عجب تاثیر رکھتے ہیں

بلا قید آئیں سائل، تھا یہ حکمِ حیدرِ صفدر
سخی جو ہیں وہ دروازے میں کب زنجیر رکھتے ہیں

تجرد پیشہ ہیں، ہم کو عداوت ہے تعلق سے
کمر میں بہرِ قطعِ آرزو، زنجیر رکھتے ہیں

نبیؐ کے نقشِ پا ہیں، یہ زمانہ جن سے روشن ہے
مہ و خورشید کب اس طرح کی تنویر رکھتے ہیں

ورائے فقر کیا ہے اور، گھر میں ہم فقیروں کے
وہ دیوانے ہیں دروازے میں جو زنجیر رکھتے ہیں

خوشی ہے قربِ حق کی، آرزو امت کی بخشش کی
گلا خود زیرِ خنجر حضرتِ شبیر رکھتے ہیں

بھلا دیکھیں فشارِ قبریاں تک کیوں کر آتا ہے
کفن میں ہم غبارِ تربتِ شبیر رکھتے ہیں

وہ کٹواتے ہیں امت کے لیے سوکھے گلے اپنے
جو فردوسِ بریں میں جُوئے شہد و شیر رکھتے ہیں

علیؑ کی تیغ سے کھودی ہے رن میں قبر چھوٹی سی
لحد میں آپ حضرت لاشۂ بے شیر رکھتے ہیں

وطن سے جن سبھوں نے شاہ کو مہماں بلایا تھا
وہ تلواروں پہ باڑھیں ترکشوں میں تیر رکھتے ہیں

چبھو دیتا ہے خولی نوکِ نیزہ پشتِ عابد پر
زمیں پر ہاتھ سے جب پاؤں کی زنجیر رکھتے ہیں

☆

یہ وقتِ ظہر گردوں سے صدا آتی تھی ہاتف کی
کہ ہاتھ اب قبضۂ شمشیر پر شبیر رکھتے ہیں

وہ پنجہ ہے کہ جس میں قوتِ مشکل کشائی ہے
وہ بازو ہیں جو زورِ شاہِ خیبر گیر رکھتے ہیں

کسی نے نزع میں یہ مرتبہ، یہ اوج پایا ہے؟
سرِ حُر اپنے زانو پر شہ دل گیر رکھتے ہیں

توقع جن سے تھی وہ لوگ مطلب آشنا نکلے
انیس افسوس! ہم بھی کیا بُری تقدیر رکھتے ہیں

(24)

ہم اُن کا بحرِ مصیبت میں نام لیتے ہیں
جو ڈوبتے ہوئے بیڑے کو تھام لیتے ہیں

سحر کو اُٹھ کے زباں سے یہ کام لیتے ہیں
خدا کے بعد محمدؐ کا نام لیتے ہیں

پہنچ کر خلد میں پیاسے حسینؑ کے رفقا
علیؑ کے ہاتھ سے کوثر کا جام لیتے ہیں

یہ زائرانِ امامِ زمن کا رتبہ ہے
کہ جن کے سبطِ محمدؐ سلام لیتے ہیں

خوشا بحال کہ آقا کی اک زیارت میں
ثواب حج کا، علیؑ کے غلام لیتے ہیں

☆

نکل کے فوج سے حُر نے کہا کہ او غافل!
جناں کی راہ علیؑ کے غلام لیتے ہیں

کوئی گھڑی میں ہوا کی طرح اُڑا کے فرس
رکابِ شاہ کو اب چل کے تھام لیتے ہیں

پسر کے ہجر میں جس وقت درد اُٹھتا ہے
جگر کو بیٹھ کے شبیر تھام لیتے ہیں

انیس ظلم سے اعدا کے مہدیِ ہادی
ظہور کر کے بس اب انتقام لیتے ہیں

(25)

دور کر دیتا ہے اک ذرّہ سب آزاروں کو
مجرئی! خاکِ شفا چاہیے بیماروں کو

کربلا چاہیے شبیر کے زوّاروں کو
باغ پھولوں کو مبارک ہو، فلک تاروں کو

نقدِ دل قلب ہے، گر نقش نہ ہو احبِ علیؑ
صاف ہونے کی سند، سکّہ ہے دینداروں کو

پھول جھڑتے ہیں مرے منہ سے کہ اُن کے منہ سے
بلبلیں سامنے کھولیں مرے، منقاروں کو

رُوبرو چہروں کے خورشید و قمر ہوتے ہیں زرد
خالِ رخسار سے نسبت نہیں کچھ تاروں کو

لب گویا تو ہے شیریں، پہ تبسم نمکیں
نعمتیں سب ہیں حصول، ان کے نمک خواروں کو

جھائیاں چاند کے منہ پر، رخِ خورشید ہے زرد
کس سے تشبیہ میں دوں شاہ کے رخساروں کو

زخم سینے پہ جو کھائے، تو کہا دولہا نے
خُلد میں جائیں گے پہنے ہوئے ان ہاروں کو

گرم اس عہد میں ہے حسن کا کس کے بازار
لاؤ تو مصر سے یوسفؑ کے خریداروں کو

آج کل قید میں رونے نہیں پاتے ہیں حرم
چاہیے جوشِ بُکا، شہ کے عزاداروں کو

عندلیبانِ جناں لیتے ہیں جب نامِ علیؑ
چشمۂ خُلد سے دھو لیتے ہیں منقاروں کو

دیکھ کر عون و محمد کو یہ کہتے تھے عدو
دیکھنا غور سے ان دونوں کے رخساروں کو

آفتابِ رُخِ پُرنُور کے اک پرتو نے
کر دیا مہرِ درخشاں کی کرن، خاروں کو

ننھے ننھے وہ عمامے ہیں کہ گردش جن کی
پیچ میں لائے مہ و مہر کی دستاروں کو

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

کمالِ فقر بھی شایاں ہے پاک بینوں کو
یہ خاک تخت ہے ہم بوریا نشینوں کو

لحد میں سوئے ہیں، چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا، کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

یہ جھریاں نہیں، ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

یہ غُل تھا، مہرِ نبوت پہ جب چڑھے حسنینؑ
جڑا ہے ایک انگوٹھی پہ دو نگینوں کو

بجا ہے، اس لیے اکبر سے تھا حسینؑ کو عشق
کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو

حسینؑ جاتے ہیں بہرِ نبرد میداں میں
چڑھائے مثلِ یداللہ آستینوں کو

بھلا تردّدِ بے جا سے ان میں کیا حاصل
اُٹھا چکے ہیں زمیں دار، جن زمینوں کو

☆

علم لیے ہوئے عباس نکلے خیمے سے
چڑھا لیا علی اکبر نے آستینوں کو

مزہ یہ طرفہ ہے، مضمون دستیاب نہیں
مقابلے پہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو

غلط یہ لفظ، وہ بندش بُری، یہ مضموں سُست
ہُنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو

فلک پہ جب ہوئی آوازِ ارکبوا دم صبح
تو غازیوں نے رکھا مرکبوں پر زینوں کو

لگا وغا میں ٹپکنے لہو جو قبضے سے
چڑھا لیا شہِ والا نے آستینوں کو

دہانِ کیسۂ زربند رکھ، پر اے منعم!
خدا کے واسطے وا کر جبیں کی چینوں کو

انھیں کو آج نہیں بیٹھنے کی جا ملتی
معاف کرتے تھے جو لوگ، کل زمینوں کو

یہ زائروں کو ملیں سرفرازیاں ورنہ
کہاں نصیب، کہ چومیں ملک جبینوں کو

سجایا ہم نے مضامیں کے تازہ پھولوں سے
بسا دیا ہے اِن اُجڑی ہوئی زمینوں کو

تنوں یہ کھاتے تھے بڑھ بڑھ کے زخم تیغ وسناں
بہادروں نے سپر کر دیا تھا سینوں کو

بڑھے جو غیرِ خدا اور سمت، دستِ طلب
تو باندھ دوں میں گریباں سے آستینوں کو

کہاں تھا حُر، کدھر آیا، یہ بخت یاور تھا
نثار شہ پہ ہوا، مار کر لعینوں کو

لحد بھی دیکھیے اُن میں نصیب ہو کہ نہ ہو
کہ خاک چھان کے پایا ہے جن زمینوں کو

زوالِ طاقت و موئے سفید و ضعفِ بصر
انھیں سے پائے بشر موت کے قرینوں کو

نہیں خبر انھیں مٹی میں اپنے ملنے کی
زمیں میں گاڑ کے بیٹھے ہیں جو دفینوں کو

غضب ہے اہلِ ستم اس میں جائیں دُرّانہ
جس آستاں پہ ملائک رکھیں جبینوں کو

نکلتے چاہ سے برسوں نہ حضرتِ یوسفؑ
جو دیکھتے کبھی زہراؑ کے مہ جبینوں کو

کبھی نہ تھا یہ تلاطم، محیطِ دنیا میں
خدا ہی پار لگائے گا ان سفینوں کو

خبر نہیں انھیں کیا بندوبست پختہ کی
جو غصب کرنے لگے غیر کی زمینوں کو

جہاں سے اٹھ گئے جو لوگ پھر نہیں ملتے
کہاں سے ڈھونڈھ کے اب لائیں ہم نشینوں کو

نظر میں پھرتی ہے وہ تیرگی، وہ تنہائی
لحد کی خاک ہے سُرمہ مآل بینوں کو

وہ دینِ حق ہے، ہمارے نبیؐ کا دینِ مبیں
کہ جس نے کر دیا منسوخ سارے دینوں کو

دکھائی تیغ ید اللہ کی ساعدوں نے چمک
علی کے شیر نے اُلٹا جو آستینوں کو

بشر کو چاہیے دُنیا میں اس کے حُسن سے عشق
کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو

خیالِ خاطر احباب چاہیے ہردم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

(27)

مجرائی! فوج یوں تھی شہِ کربلا کے ساتھ
ہو جس طرح سے لشکرِ آمیں، دعا کے ساتھ

مجرائی! ہے ضرور دعا بھی، دوا کے ساتھ
آبِ حیات چاہیے، خاکِ شفا کے ساتھ

دنیا سے ہاتھ اٹھا کے توکل خدا پہ کر
ہاتھ اس لیے شریک ہیں دونوں دعا کے ساتھ

افلاک سے عیادتِ بیمار کے لیے
آئے مسیح، صُرّہ، خاکِ شفا کے ساتھ

گردش عبث ہے کنجِ قناعت میں بیٹھ رہ
رازق نے رزق خلق کیا آسیا کے ساتھ

یوں نُور تھا رسولؐ کا آدمؑ کی صلب میں
ہوتی ہے جس طرح سے خبر مبتدا کے ساتھ

کیا باک موجِ بحر سے، طوفاں سے کیا خطر
کشتی مری حسینؑ سے ہے ناخدا کے ساتھ

کیوں چرخِ پیر، پھر کہیں دیکھے ہیں آج تک
جیسے حسینؑ جواں تھے شہِ کربلا کے ساتھ

اللہ ری ناتوانیِ عابد کہ راہ میں
ایک اک قدم پہ بیٹھ گئے نقشِ پا کے ساتھ

روضے پہ جیتے جی جو نہ پہنچے تو بعدِ مرگ
جائے گی خاک اڑ کے نجف میں ہوا کے ساتھ

رانڈوں کے منہ چھپانے کو چھوڑیں نہ چادریں
کیا دشمنی تھی شمر کو آلِ عبا کے ساتھ

☆

بنتے ہیں مومنو! گہرِ بے بہا وہ اشک
مجلس میں گر ہو گریۂ خالصِ بکا کے ساتھ

پاسِ طرف سے روتے ہیں، جو بیوقوف ہیں
مردودِ کبریا ہے عبادت ریا کے ساتھ

ہے شاہدِ شکستگیِ دل ہر اک سخن
کھلتا ہے حالِ کاسۂ چینی صدا کے ساتھ

ہمراہِ آہِ سرد بہیں اشکِ گرم بھی
باراں کا لطف خوب ہے ٹھنڈی ہوا کے ساتھ

واجب ہے بعدِ نعتِ محمدؐ، علیؑ کی مدح
غافل نہ ہو، وزیر بھی ہے بادشاہ کے ساتھ

منہ دیکھ کر دلہن کا گئے قتل گاہ میں
قاسم نے اپنی جان بھی دیدی دعا کے ساتھ

چادر چھنی تو بنت یداللہ نے کہا
اے جان تُو بھی تن سے نکل جا ردا کے ساتھ

کہتی تھی ہاتھ مل کے سکینہ، کہ ہے غضب
دریا پہ کیوں چلی نہ گئی میں چچا کے ساتھ

نانی ٹھنڈائی لاتی، تو کہتی تھی فاطمہؑ
صحت گئی جہاں سے شہِ کربلا کے ساتھ

جب تلخ زندگی ہو تو کیا زیست کا مزا
مجھ کو تو کوئی زہر پلادے دوا کے ساتھ

یوں آہیں کر کے ہم نے جوانی میں کاٹی عمر
جس طرح پیر، راہ کرے طے عصا کے ساتھ

اے روح! کوچ خانۂ تن سے ضرور ہے
الفت نہ اتنی چاہیے مہماں سرا کے ساتھ

مدحِ حسینؑ کی تو ملا گلشنِ بہشت
پایا سخی کے گھر سے صلہ بھی ثنا کے ساتھ

☆

آیا جو رن میں حُر، تو پکارا یہ ابنِ سعد
ہوتا ہے کیوں تباہ شہِ کربلا کے ساتھ

حُر نے کہا کہ دور ہو، او دشمنِ خدا!
تو مفتری کے ساتھ ہے، میں مقتدا کے ساتھ

آتا ہے وہ بھلا کہیں سائے میں بوم کے
پایا ہو جس نے اوجِ سعادت ہُما کے ساتھ

بہکانہ تُو مجھے کہ نہ چھوڑوں گا راہِ راست
رستہ بھی کوئی بھولتا ہے رہ نُما کے ساتھ

پہنچا دیا کہاں سے کہاں خضرِ بخت نے
جاتا ہوں اب بہشت میں فوجِ خدا کے ساتھ

ہم مر گئے خلیق کے مرنے سے اے انیس
جینے کا لطف اُٹھ گیا اُس باخدا کے ساتھ

(28)

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اُڑ گیا جب رنگ رخ سے، استخواں پیدا ہوئے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ، کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

علمِ خالق کا خزانہ ہے، میانِ کاف و نون
ایک "کُن" کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی، نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

جب کوئی آیا عدم سے یاں، تو بولی ہنس کے موت
اور لو، دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو، سب کی سُن لی اور نہ کچھ اپنی کہی
اس زباں دانی پہ ایسے بے زباں پیدا ہوئے

جان دی حُر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے، نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہُوا ہے انقلاب
قدرداں سب اُٹھ گئے، ناقدرداں پیدا ہوئے

بود و نابودِ علی اصغر کا کیا کیجیے بیاں
بے زباں دنیا سے اُٹھے بے زباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے، واغربتا
موت لے آئی کہاں ان کو، کہاں پیدا ہوئے

شور بختی آئی حصے میں انھیں کے، وا نصیب
تلخ کامی کے لیے شیریں زباں پیدا ہوئے

احتیاطِ جسم کیا، انجام کو سوچو انیس
خاک ہونے کو یہ مُشتِ استخواں پیدا ہوئے

(29)

آ کے جو بزمِ عزا میں رو گئے
مجرئی! وہ فردِ عصیاں دھو گئے

یاد آیا دامنِ مادر کا چین!
پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے

اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر
سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے

موت آئی ہے مجبو، "الفراق"
آج سب وعدے برابر ہو گئے

ہاتھ سے جاتا رہا نقدِ حیات
جان لے کر آئے، بے جاں ہو گئے

عالمِ فانی میں ہم کو کیا ملا
اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے

راحت آبادِ عدم ہے خوب جا
پھر نہ آئے وہ، جہاں سے جو گئے

ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر
دست و پا عابد کے ٹھنڈے ہو گئے

☆

چھد گیا مثلِ گہر ناوک سے حلق
لعل سی جاں اپنی اصغر کھو گئے

خون گردن سے جو نکلا گرم گرم
بھر کے آہِ سرد ٹھنڈے ہو گئے

آ کے تربت پر پکارے شاہِ دیں
ہائے آج اصغر اکیلے ہو گئے

احمدؐ و زہراؑ و حیدرؑ اور حسنؑ
آ کے سب لاشے پہ حُر کے رو گئے

عالمِ پیری میں یہ غفلت انیس
رات بھر جاگے، سحر کو سو گئے

جز پنجتن کسی سے تولا نہ چاہیے
غیر از خدا کسی کا بھروسا نہ چاہیے

خادم امیدوارِ حضوری ہے یا حسین
چاہیں اگر حضور، تو پھر کیا نہ چاہیے

اک در پہ بیٹھ کر ہے توکل کریم پر
اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

تکرار کیا ہے، زندگی مستعار میں
اے موت بار بار تقاضا نہ چاہیے

راحت خدا نے دی تو کیا تُو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوا نہ چاہیے

ہر اک کے واسطے ہے ترقی، بقدرِ حال
اسفل کو فکر منصبِ اعلا نہ چاہیے

ہر کوہ پر نہ ہو گی تجلی، مثالِ طور
ہر ہاتھ کے لیے یدِ بیضا نہ چاہیے

کھانے کو رزق، رہنے کو گھر اور لحد کو جا
دنیا میں ایک جان کو کیا کیا نہ چاہیے

کہتے تھے شاہ، پیاس میں لذت ہی اور ہے
دریا کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیے

یارب! گناہ گار ہوں، خاطی ہوں، رحم کر
مختار سے غلام کو پردا نہ چاہیے

☆

صغریٰ نے شاہِ دیں کو لکھا "خط تو بھیجیے
گر چاہتے نہیں ہمیں، اچھا نہ چاہیے

دو بیٹیاں تو پاس ہوں، اک جاں بلب بعید
میں سچ کہوں، یہ آپ کو بابا، نہ چاہیے

فرقت رہی تو کون سی ہے زندگی کی شکل
بیمار پر عتاب، مسیحا نہ چاہیے"

کہتے تھے فاطمہؑ سے علیؑ، گھر میں جو ہو، وہ دو
خالی کبھی فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

☆

کپڑے سفید پہنے جو قاسم نے، بولی ماں
"اتنی بھی سادگی، نئے دولہا نہ چاہیے"

دولہا نے عرض کی کہ، اجل ہے گلے کا ہار
چہرے پہ مرنے والوں کے سہرا نہ چاہیے

پانی کا ذکر کرتی سکینہ تو کہتے شاہ
بی بی! محال شے کی تمنا نہ چاہیے

کہتا تھا شمر، چادریں رانڈوں کی چھین لو
ایسے گناہگاروں کو پردا نہ چاہیے

حیرت اسی کی ہے کہ جیے کیسے اتنے دن
گر موت آ گئی تو اچنبھا نہ چاہیے

ثابت قدم رہے، رہِ حق میں مثالِ شمع
گردن سے سر جدا ہو، تو پروا نہ چاہیے

ہم عازم سفر ہیں، بتاؤ مسافرو!
کیا اس سفر میں چاہیے اور کیا نہ چاہیے

عباس گرد پھرتے تو کہتے یہ شاہِ دیں
تکلیف اتنی، اے مرے شیدا نہ چاہیے

کہتے تھے شاہ، زہرِ گشندہ ہے اس کی چاہ
مومن کو حُبِّ دولتِ دنیا نہ چاہیے

اپنی زباں سے پوچھ خموشی کی لذتیں
جاہل سے اعتراض پہ جھگڑا نہ چاہیے

ردّ و بدل سے ہوتے ہیں سو طرح کے فساد
بہتر تو ہے یہ بات کہ بولا نہ چاہیے

وقتِ ضرور، حکمِ تکلم بھی ہے مگر
یوں چاہیے کلام، کہ گویا نہ چاہیے

☆

کہتی تھی فضہ، شام میں بازاریو، ہٹو
زہراؑ کی بیٹیوں کا تماشا نہ چاہیے

یہ کون بیبیاں ہیں تمھیں کچھ نہیں خبر
آلِ رسولؐ پر ستم ایسا نہ چاہیے

آزار تو نہ دو، جو حمایت نہ ہو سکے
کیوں کلمہ گویو، چاہیے یہ، یا نہ چاہیے

مرقد چراغِ داغ سے روشن رہے انیس
شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے

(31)

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لیے
شمعِ کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لیے

زندگی میں تو نہ اک دم خوش کیا ہنس بول کر
آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لیے

کُنجِ عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر
رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے

تو سراپا اجر اے زاہد، میں سر تا پا گناہ
باغِ جنت تیری خاطر، کربلا میرے لیے

کہتے تھے شہ، سخت ہے، تیغ و گلو کا مرحلہ
یہ بھی مشکل سہل کر دے گا خدا میرے لیے

نام روشن کر کے کیوں کر بُجھ نہ جاتا مثلِ شمع
ناموافق تھی زمانے کی ہوا میرے لیے

ہر نفس آئینۂ دِل سے یہ آتی ہے صدا
خاک تو ہو جا، تو حاصل ہو جلا میرے لیے

بھیج دے جنت میں یا دوزخ میں، ہاں مجرم تو ہوں
تُو ہے عادل، جو مناسب ہو سزا میرے لیے

اے مہوّس، اپنی اپنی قسمت، اس میں رشک کیا
کیمیا تیرے لیے، خاکِ شفا میرے لیے

کہتے تھے شہ، حضرتِ آدم سے تا ختمِ رسل
روئے سارے انبیاؑ و اولیاؑ میرے لیے

کہتی تھی صغریٰ، ٹھنڈائی سے نہ ہوئے گی شفا
شربتِ دیدارِ اکبر ہے، دوا میرے لیے

کہتے تھے حضرت، علی اکبر سا شیریں لب نہیں
تلخ ہے اب زندگانی کا مزا میرے لیے

کہتے تھے شہ، سر کو آنکھوں سے رکھوں گا زیرِ تیغ
واجب عینی ہے، وعدے کی وفا میرے لیے

خاک سے ہے خاک کو الفت، تڑپتا ہوں، انیس
کربلا کے واسطے میں، کربلا میرے لیے

(32)

خیالِ چہرۂ شہ وقتِ خواب رہتا ہے
تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

سلامی! ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے
اگر رہا، تو بس اتنا شباب رہتا ہے

خدا کا قہر، نبیؐ کا عتاب رہتا ہے
عدو علیؑ کا ہمیشہ خراب رہتا ہے

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑ اے گردوں
یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے

جو دل جلے ہیں، انھیں کا سخن ہے گرما گرم
مزا ہے سیخ پہ جب تک کباب رہتا ہے

زباں، سوالِ نکیرین میں نہ بند ہوئی
خموش بھی، کہیں حاضر جواب رہتا ہے

کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں
سیاق داں سے حساب و کتاب رہتا ہے

لگا کے آتش قلب و جگر کو اشک نکل
دو آتشہ ہو تو برسوں گلاب رہتا ہے

بخیل کیا ہے جو دے گا کسی کو اے توبہ
دلا، سخی کو ہمیشہ حجاب رہتا ہے

علیؑ کے خوف سے جنگل میں شیر کانپتے ہیں
جگر نہنگ کا پانی میں آب رہتا ہے

شبوں کو ہوتی ہیں شاہوں کی ڈیوڑھیاں مسدود
مگر کھلا ہوا تیرا ہی باب رہتا ہے

علیؑ نے دے کے بھی سائل سے کیں نہ چار آنکھیں
دلِ سخی سے ہمیشہ حجاب رہتا ہے

حسینؑ کہتے تھے جب سے جدا ہے لختِ جگر
دلِ حزیں کو مرے اضطراب رہتا ہے

کب آئے موت، خدا جانیے طلب کب ہو؟
جو شہسوار ہے، پا در رکاب رہتا ہے

پسِ فنا زن و فرزند چھوڑ جائیں گے
شریکِ حالِ مسافر ثواب رہتا ہے

بھری ہے کون سی یارب، دلِ انیس میں آگ
کہ جس کی آنچ سے دوزخ کباب رہتا ہے

دکھایا ضعف نے زور اپنا جب مکاں سے چلے
مثالِ نبض وہیں رہ گئے جہاں سے چلے

خدا کی راہ کے سودے میں لب کو بند نہ رکھ
بڑی ہے خیر، اگر کام کچھ زباں سے چلے

یہ شرط ہے کہ نہ دعویٰ کروں طلاقت کا
کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زباں سے چلے

ہُوا سخن کے سبب شہر شہر میں شہرہ
جدھر قلم کی طرح ہم چلے، زباں سے چلے

پکارتا ہے نہیبِ عدالتِ حیدر
کہ بچ کے باز کبوتر کے آشیاں سے چلے

دِرا کی ہے یہ صدا منزلیں ہیں سب پُر خوف
مسافرو! کوئی بڑھ کر نہ کارواں سے چلے

محال ہے غلبہ اسفلوں کا اعلیٰ پر
زمیں کا زور بھلا خاک آسماں سے چلے

قوی ہے ضعف، تفرُّج کجا، قیام کجا
دو منزلہ کیا، گر دو قدم مکاں سے چلے

خدا کی شان، یہ کہتے تھے دمبدم عابد
یہ بوجھ بیڑیوں کا مجھ سے، ناتواں سے چلے

بلا کسی طرف آئے گی، رخ اِدھر ہو گا
نشانہ ہوں گے ہمیں تیر جس کماں سے چلے

لکھی تھی بخت میں گردش جو صورتِ پرکار
پھر آگئے اُسی مرکز پہ، ہم جہاں سے چلے

☆

لکھا ہے یہ کہ محل تھا وہ اُمِ ہانی کا
رسولؐ جانبِ معراج جس مکاں سے چلے

خوشا براق سبک رو کی تیز رفتاری
اس آسمان سے گزرے اُس آسماں سے چلے

حریم حق میں جو پہنچے تو سر اٹھا کے کہا
خدا کی شان کہاں آ گئے، کہاں سے چلے

بٹھایا ہے مجھے قسمت نے اُس سفینے پر
جو ناخدا سے رواں ہو، نہ بادباں سے چلے

انیس بارِ علائق پہ اور بارِ گناہ
اٹھا وہ بوجھ جو اِس مشت استخواں سے چلے

(34)

ذکر خوش قامتِ شاہ جو چل جائے ابھی
مجرئی! رنگ قیامت کا بدل جائے ابھی

اے سخن! نور کا سانچہ ہے طبیعت میری
کوئی کاواک بھی مضموں ہو تو ڈھل جائے ابھی

خانۂ چشم سے ہر دم نہ نکلنے دیں اگر
طفلِ اشکِ غمِ شبیر مچل جائے ابھی

مومنو! مرثیۂ شاہ ہے نخلِ ماتم
آنسوؤں سے اسے دو آب تو پھل جائے ابھی

اشہبِ شہ کا اشارہ تھا، طرارے جو بھروں
شہرِ گردوں مری ٹاپوں سے پچل جائے ابھی

عصر کے وقت کے مشتاق تھے ایسے شبیر
صبح سے تھی یہ دعا، دن کہیں ڈھل جائے ابھی

حکمتِ شیرِ خدا، راہ اگر بتلا دے
آسماں چشمۂ سوزن سے نکل جائے ابھی

روضۂ شاہ پہ، اس جسم سے دم نکلے گا
نہیں مرنے کے، سرہانے سے اجل جائے ابھی

☆

شب کو حضرت نے کہا، ہوئیں گی کل راہیں بند
جس کو جانا ہو، وہ لشکر سے نکل جائے ابھی

مرنے والوں نے یہ کی عرض کہ پروا کیا ہے
تیغ کل سر پر جو چلنی ہے، تو چل جائے ابھی

☆

غش سکینہ کو جو آتا تھا، تو ماں کہتی تھی
سینۂ شہ کی ملے بُو، تو سنبھل جائے ابھی

بیبیاں کہتی تھیں، صبر آئے گا رفتہ رفتہ
باپ سے بچھڑی ہے، کس طرح بہل جائے ابھی

دلِ مومن تو ہے شیشہ کی طرح نازک تر
آئے اس بزم میں پتھر، تو پگھل جائے ابھی

روضۂ حضرتِ عباس کا اللہ رے جلال
اس کی جھوٹی جو قسم کھائے تو جل جائے ابھی

دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیس
پھول ہو جائیں، یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

(35)

زباں پر مدح ہے باغِ علیؑ کے نونہالوں کی
گلستاں سے ہیں رنگیں مجلسیں نازک خیالوں کی

وہ پہلو اور پیکانِ سہ پہلو، کیا قیامت ہے
وہ سینہ شہ کا اور نوکیں ستمگاروں کے بھالوں کی

کمر کس کر علی اکبر نے جب سر پر رکھا شملہ
بلائیں لے لیں اُٹھ کر ماں نے گھونگھر والے بالوں کی

جوانانِ حسینی نے صفیں توڑیں، پرے اُلٹے
نہ بھولے گی لڑائی تا قیامت، مرنے والوں کی

قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطہ دے کے ناخن پر
نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہ کے خالوں کی

علی اکبر کے ابرو دیکھتا تھا جو، وہ کہتا تھا
یہ تصویریں ہیں دونوں چاند کے پیچھے ہلالوں کی

بحمد اللہ! عابد کہتے تھے جب پوچھتیں زینب
'پھپھی قربان اب کیا شکل ہے تلووں کے چھالوں کی'

معاذ اللہ! رعبِ دلبرانِ حضرتِ زینب
علیؑ کا رعب چتون شیر کی، آنکھیں غزالوں کی

جھکے تھے سر، عرق چہروں پہ تھا اور بند تھیں آنکھیں
پڑی تھیں چادریں سیدانیوں کے منہ پہ بالوں کی

جھکا تھا پشت پر ایک اک کی سر ایک ایک بی بی کا
یہ نقشہ قیدیوں کا تھا، یہ صورت پردے والوں کی

اُٹھائے یہ سکینہ نے جفائے شمر کے صدمے
کہ رنگت ہو گئی تھی سوسنی، اُن گل سے گالوں کی

ہوا اک حشر، جب زینب نے پوچھا آ کے مقتل میں
کہاں قبریں بنی ہیں، میرے دونوں مرنے والوں کی

عزادار، اس طرف سب تعزیے شہ کے اٹھاتے ہیں
اُدھر نقلیں لکھی جاتی ہیں جنت کے قبالوں کی

جو پوچھا حالِ انصار آ کے زعفر نے شہِ دیں سے
کہا شہ نے حقیقت کچھ نہ پوچھو مرنے والوں کی

جری ایسے نہ ہوں گے باغِ عالم میں کبھی پیدا
زباں سے کیا بیاں تعریف ہو یوسف جمالوں کی

غمِ اصغر میں، بانو کہتی تھی، مرتی ہوں اے بیٹا
سنگھاؤ اٹھ کے خوشبو اپنے گھونگھر والے بالوں کی

رفیقانِ حسینؑ ابنِ علیؑ کیا کیا بہادر تھے
سناں کھائی ہر اک نے چاند سے سینے پہ بھالوں کی

جب آتا ذکر بیٹوں کا، تو زینب سب سے کہتی تھیں
خدا بخشے ابھی کیا عمر تھی اُن مرنے والوں کی

جگہ جب مول لی شہ نے، تو ہاتف نے کہا رو کر
یہیں بستی بسے گی، فاطمہؑ کے نونہالوں کی

پڑے تھے خاک پر اہل حرم، تکیہ نہ بستر تھا
ہوئی تھی شکل زنداں میں یہ اُن یوسف جمالوں کی

کہا زینب سے بیٹوں نے اجازت آپ تو دیجے
سنائیں شوق سے ہم کھائیں گے سینوں پہ بھالوں کی

بوقتِ جوشِ گریہ فاطمہؑ کہتیں محبوں سے
جگہ آنکھوں میں اور دل میں ہے ان سب رونے والوں کی

جب آئے غیض میں عباس فوج شام کے آگے
صفیں ہٹ ہٹ گئیں میدان سے جنگی رسالوں کی

گرے جب شاہ گھوڑے سے، ندا ہاتف کی یہ آئی
جگہ جھاڑی ہوئی ہے، فاطمہ زہراؑ کے بالوں کی

کبھی مقتل، کبھی کوفہ، کبھی صحرا، کبھی زنداں
حقیقت کچھ نہ پوچھو فاطمہ کبریٰ کے چالوں کی

جب آئی لوٹنے کو فوج خیمے میں ہُوا محشر
صدا پہنچی فلک پر فاطمہ زہراؑ کے نالوں کی

چمکتی برق کی صورت تھی ہر شمشیر میداں میں
برستے سر تھے ہر جا پر گھٹا چھائی تھی ڈھالوں کی

انیس اب تو ہلال و بدر کو یکساں سمجھتے ہیں
رہی ہے منصفوں میں قدر یہ صاحب کمالوں کی

(36)

سلامی! چشم سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے
غمِ سجادِ بیکس، دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے

سلامی! چشم میں آنسو ہیں، یا دریا چھلکتا ہے
جگر میں داغ ہیں، یا کھیت لالے کا لہکتا ہے

دمِ تحریر گُل ریزی ہے، یا سطریں ہیں کاغذ پر
صریرِ کلک ہے، یا باغ میں بلبل چہکتا ہے

پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت
وگرنہ رہبرِ عالم کہیں رستہ بھٹکتا ہے

حرم روئے، کہا جب آسماں کو دیکھ کر شہ نے
"علی اکبر اذاں دو صبح کا تارا چمکتا ہے"

کہا صغریٰ نے شاید میرے بابا جان پیاسے ہیں
گلے میں ساتویں تاریخ سے پانی اٹکتا ہے

زمینِ کربلا پر، فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہیں
شہیدوں کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

شہِ دیں دیکھتے ہیں شوقِ حُر میں یوں سوئے میداں
کہ جیسے کوئی آنے کی کسی کے راہ تکتا ہے

علی اکبر طلب کرتے ہیں رخصت، کوئی کیا جانے
لگی ہے غم سے ہچکی ماں کو، اور زینب کو سکتا ہے

گلِ زہرا کے غم میں نوحہ خواں ہیں بلبلیں ساری
صدا فریاد کی آتی ہے، جب غنچہ چٹکتا ہے

تنِ محرور پر ہاتھ اپنا زینب رکھ نہیں سکتی
تپ غم سے بدن سجاد کا ایسا دہکتا ہے

سکینہ نازپرور قید کی آفت کو کیا جانے
یہ عالم ہے قفس میں جس طرح طائر پھڑکتا ہے

☆

کہا بانو نے شہ سے تیر چلتے ہیں کلیجے پر
مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھوں سے تکتا ہے

یہ ننھے ننھے دونوں ہاتھ بل کھاتے ہیں تکیوں پر
مسوڑھے ہو گئے ہیں نیلگوں، تالو لہکتا ہے

بچا لو، واسطہ زہراؑ کا صاحب! میرے اصغر کو
نہ بچہ دودھ پیتا ہے، نہ اب آنکھیں جھپکتا ہے

صراحی دار یہ گردن ڈھلی جاتی ہے بن پانی
گلے میں سانس جب رکتی ہے سر دے دے پٹکتا ہے

وغا میں حضرتِ عباس یوں جاتے ہیں دشمن پر
گرسنہ شیر جیسے جانبِ آہو لپکتا ہے

بہو زہرا کی کہتی تھی یہی جا جا کے ڈیوڑھی پر
ارے پانی کوئی لا دو، مرا بچہ بلکتا ہے

یہ غُل تھا شام کے لشکر میں، دیکھو شہ کی پیشانی
نشاں سجدے کا ہے یا صبح کا تارا چمکتا ہے

اندھیرے میں جو گھبراتا ہے دم، ایامِ گرما میں
ہر اک بچہ درِ زنداں پہ سر دے دے پٹکتا ہے

انیس اللہ تجھ پر سہل کر دے قبر کی منزل
لحد کا دھیان جب آتا ہے، کیا کیا دل دھڑکتا ہے

شتاب، روضۂ فرزند بوتراب ملے
کھلیں نصیب جو خلدِ بریں کا باب ملے

تلاش جس کی ہے دل کو، بصد شتاب ملے
جہاں میں نور ہے جس کا، وہ آفتاب ملے

خوشا عطا و زہے رتبۂ غمِ شبیرؑ
کہ ایک آہ میں تسبیح کا ثواب ملے

ندائے غیب یہ حُرِ جری کو آتی تھی
گناہ عفو ہوئے، اجر بے حساب ملے

بھٹک رہا ہے کدھر راہِ خلد سے غافل
اُدھر کو جا کہ جدھر جادۂ صواب ملے

حرم حسینؑ کے کہتے تھے رو کے بلوے میں
چھپائیں چہروں کو ہم گر کوئی نقاب ملے

حسینؑ کہتے تھے لکھا تھا یہ مقدر میں
کہ خاک میں علی اکبر، ترا شباب ملے

پتہ علیؑ سے ملا اور سب اماموں کا
کہ ایک نور سے گیارہ یہ آفتاب ملے

غریب و بیکس و بے پر، شہید و تشنہ دہن
حسینؑ کو پسِ مُردن یہ سب خطاب ملے

☆

حسینؑ آپ گئے حُر کی پیشوائی کو
کسے زمانے میں رتبے یہ بے حساب ملے

مقامِ غور ہے، چمکیں نہ کس طرح طالع
کہ خود جب آن کے ذرّے سے آفتاب ملے

ذرا سوالِ نکیرین سے جو بھٹکا میں
زبانِ مصحفِ ناطق سے سب جواب ملے

جہاں کا آب و نمک جس کی ماں کے مہر میں ہو
پسر کو اس کے نہ دنیا میں جامِ آب ملے

انیس فیض کا معدن ہے بارگاہِ حسینؑ
صلے خدا کی عنایت سے بے حساب ملے

(38)

صورتِ آئینہ استغنا کے جوہر کھل گئے
ایک در، ہم پر ہُوا گر بند، سو در کھل گئے

مسکرانے میں جو دندانِ پیمبرؐ کھل گئے
صاف گویا عرشِ نورانی کے اختر کھل گئے

مہرِ حیدرؑ جب ہوئی، فردوس کے در کھل گئے
بابِ رحمت ہم پہ مثلِ بابِ خیبر کھل گئے

چرخ سے بہرِ رسولؐ اُتری تھی بیشک ذوالفقار
آئی قبضہ میں علیؑ کے جب، تو جوہر کھل گئے

آج کچھ کھلتا نظر آتا ہے، جوبن مہر کا
غالباً، بندِ نقابِ روئے اکبر کھل گئے

کیا بیاں ہوسکتی ہے شہ کی مصیبت اے انیس
جب پڑھے ہم نے مصائبِ غم کے دفتر کھل گئے

(39)

غبارِ رہِ کربلا ہو گئی
مری خاک بھی کیمیا ہو گئی

صبا لے کے آئی جو بوئے نجف
گرہ غنچۂ دل کی وا ہو گئی

ردائیں بھی سر پر نہیں اے فلک
یہ توقیر آلِ عبا ہو گئی

الٰہی مجھی میں نہ تھی کچھ وفا
کہ دنیا ہی سب بے وفا ہو گئی

یہ عقدہ نہ کھلتا کبھی حشر تک
عنایاتِ مشکل کشا ہو گئی

خوشا تُربۂ کربلا کا اثر
گرہ واں کھلی، یاں شفا ہو گئی

☆

نجف میں شراب آ کے سرکہ بنی
وہ کیفیتِ نشہ، کیا ہو گئی

زہے سطوتِ عدلِ شیر خدا
کہ بنت العنب پارسا ہو گئی

کہا شہ نے زینب سے اکبر کے بعد
بہن، روح تن سے جدا ہو گئی

کلیجوں پہ چلنے لگی تیغِ ہجر
بنی، جب بنے سے جدا ہو گئی

یہ دولہا نے دستِ تاسف ملے
کہ ہاتھوں کی مہندی حنا ہو گئی

نہ گُل میں محبت نہ بلبل میں اُنس
الٰہی یہ کیسی ہوا ہو گئی

یہ صدمہ ہُوا وقتِ جنگ و جدل
کہ غش، بنتِ مشکل کشا ہو گئی

خزاں کا جو گلشن میں جھونکا چلا
تو بس جانِ بُلبل ہوا ہو گئی

وہ تعریف ہے جس میں سازش نہ ہو
وہ رقت ہے، جو بے ریا ہو گئی

☆

تلاطم سے نکلا ہمارا جہاز
مناسب، موافق ہوا ہو گئی

بہت ڈر سمندر کی لہروں سے تھا
طبیعت مگر آشنا ہو گئی

کیا ابرِ رحمت نے ایسا کرم
کہ پانی رہِ کربلا ہو گئی

نگہبانِ کشتی جو تھا فخرِ نوح
ہر اک موج خود ناخدا ہو گئی

مجھی پر نہیں کچھ علی کا کرم
ہزاروں کی حاجت روا ہو گئی

کہا شہ نے نکلا، جو اصغر کا دم
مرے پھول سے بو، جدا ہو گئی

فلک کیوں نہ پھٹ کر زمیں پر گرا
علی کی بہو، بے ردا ہو گئی

☆

دمِ نزع کس کس کا شکوہ کریں
نہ اک تاب و طاقت جدا ہو گئی

رہا مدتوں ساتھ، جس روح کا
وہ دم بھر میں ناآشنا ہو گئی

گھلا یہ غمِ شہ میں عابد کا جسم
قبا تھی جو تن میں، عبا ہو گئی

☆

سکینہ یہ کہتی تھی زندان میں
محبت، عنایت، وہ کیا ہو گئی؟

گلا میرا باندھا، نہ پوچھی خبر
چچا، بس میں تم سے خفا ہو گئی

کئی دن نہ پانی کا قطرہ ملا
مسافر پہ کیا کیا جفا ہو گئی

کسی نے نہ پوچھا لعینوں سے آہ
کہ معصوم سے کیا خطا ہو گئی؟

انیس آ چکے تھے تہِ تیغ مرگ
سپر مومنوں کی دعا ہو گئی

(40)

غمِ شہ کا گر داغ دل پر رہے
سلامی! لحد بھی منور رہے

اک افسانۂ بیکسی رہ گیا
نہ قاتل رہا اور نہ سرور رہے

صبا لے کے جا میرے پھولوں کی بُو
دماغِ عدو بھی معطر رہے

فقیروں کی کیا موت، کیا زندگی
جگہ جس جگہ مل گئی، مر رہے

بدن کھل گیا، مثلِ تیغ اصیل
نہ کس بل رہا اور نہ جوہر رہے

پسر گو تھے زینب کے چھوٹے بڑے
لڑائی میں دونوں برابر رہے

قیامت ہے، کفار سیراب ہوں
جگر تشنہ، مختارِ کوثر رہے

وہ ہے آدمی جس سے ہو کارِ خیر
بشر وہ، جو دنیا میں بے شر رہے

پئیں گے شرابِ طہورا کے جام
اگر حبِ ساقیِ کوثر رہے

جنازہ اُٹھانا ہے احباب کو
مناسب ہے گر جسم لاغر رہے

چڑھائیں عدو اس کو نیزے پہ آہ
محمدؐ کے زانو پہ جو سر رہے

نہ کھائی برس دن بھی یاں کی ہوا
بہت کم زمانے میں اصغر رہے

کبھی لاش اٹھائی، کبھی رو دیے
اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے

زمانے میں یکساں گزرتی نہیں
مشقت کی بھی طبع خُوگر رہے

کہا شہ نے سر ہو گئی، راہِ عشق
جو ثابت قدم زیرِ خنجر رہے

☆

عمر سے کہا فوج نے خوب ہے
اگر پردۂ آلِ اطہر رہے

محمدؐ کی حرمت کا لازم ہے پاس
محافے میں زہراؑ کی دختر رہے

کہا شمر نے اس طرح لوٹیو!
کہ سر پر کسی کے نہ چادر رہے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیس
فقیری میں بھی دل توانگر رہے

(41)

فقیری میں دل بادشا چاہیے
سلامی! توکل سدا چاہیے

سلامی! تجھے اور کیا چاہیے
غم شہ میں ہر دم بکا چاہیے

ہوئے قتل اکبر تو شہ نے کہا
ولا، تجھ کو شکرِ خدا چاہیے

مجھے دردِ عصیاں سے تا ہو نجات
لحد میں بھی خاکِ شفا چاہیے

☆

سرِ شہ سے زینبؑ کو آئی صدا
نہ شکوہ، نہ لب پر گلا چاہیے

مناسب یہی ہے کہ ہر رنج میں
بہن، عاصیوں کو دعا چاہیے

سکینہ نے رو کر کہا شمر سے
یتیموں پہ خوفِ خدا چاہیے

☆

دُلہن نے کہا رو کے صندل چھڑاؤ
بس اب خاک افشاں کی جا چاہیے

بڑھائے مری ناک سے نتھ کوئی
مجھے سرخ پوشاک کیا چاہیے

☆

دمِ قتل شہ نے کہا شمر سے
ترس مجھ پہ او بے حیا چاہیے

اگر کاٹنا ہے گلے کو مرے
تو اک بوند پانی دیا چاہیے

☆

سرِ شہ سے زینب نے رو کر کہا
چھپانے کو منہ، اک ردا چاہیے

گلے سے لگا کر یہ شہ نے کہا
ملا خلد، اب اور کیا چاہیے

دعا کر یہ خالق سے ہر دم انیس
مجھے شہ سے اس کا صلا چاہیے

کودکی، پیری، جوانی، دیکھ لی
تین دن کی زندگانی دیکھ لی

برق تھی گویا کہ چمکی چھپ گئی
تیری مدت، اے جوانی دیکھ لی

دانہ زد لوگوں سے پالا پڑ گیا
جنسِ راحت کی گرانی دیکھ لی

نیک بد ٹھہرے، بُرے اچھے ہوئے
منصفوں کی قدردانی دیکھ لی

روتے، ہنستے، کٹ گئے دن زیست کے
رنج دیکھے، شادمانی دیکھ لی

مثلِ شبنم شب کی شب مہماں رہے
رونقِ گلزارِ فانی دیکھ لی

اب زمیں کا پیار باقی ہے فقط!
آسماں کی مہربانی دیکھ لی

موت بھی ٹکرا کے سر کو پھر گئی
ہم نے اپنی سخت جانی دیکھ لی

شاہ پر فاقوں میں گزرے تین دن
کوفیوں کی میہمانی دیکھ لی

گھٹ گیا جب قید میں کبرا کا دم
اپنے دولہا کی نشانی دیکھ لی

کہتے تھے عابد کٹا زہرا کا باغ
ظالموں کی تیغ رانی دیکھ لی

کہتے تھے سجاد غم میں باپ کے
دیدۂ تر کی روانی دیکھ لی

طوق کا بھی بوجھ اٹھایا، شکر ہے
بیڑیوں کی بھی گرانی دیکھ لی

اُٹھ گیا لو! شعر نو پڑھ کر انیس
کیوں؟ طبیعت کی روانی دیکھ لی

(43)

کوئی انیس، کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسینؑ، واہ رے صبر
یہ داغ، ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے

کسی کو کیا ہو، دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

حسینؑ کہتے تھے سونے کو پاؤں پھیلا کر
سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے

سوائے کوثر و تسنیم و خلد و باغِ بہشت
یہ اشک ہیں وہ گہر، جو بہا نہیں رکھتے

ابوتراب سے جو پیشوا کے پیرو ہیں
قدم بھی خاک پہ وہ بے رضا نہیں رکھتے

یہ غل تھا دیکھ کے رخسارۂ علی اکبر
فلک پہ شمس و قمر یہ ضیا نہیں رکھتے

قناعت و گہر آبرو و دولتِ دیں
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

فشارِ قبر کا ڈر ہو تو ان کو ہو، جو لوگ
کفن میں صُرّۂ خاکِ شفا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیرِ منتِ خلق
وہی سوال کریں، جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو، ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش، بجز بوریا نہیں رکھتے

☆

غمِ حسینؑ کے داغوں سے دل کرو روشن
خبر لحد کے اندھیروں کی کیا نہیں رکھتے

مسافرو! شبِ اوّل بہت ہے تیرہ و تار
چراغِ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

وہ لوگ کون سے ہیں، اے خدائے کون و مکاں
سخن سے کان کو جو آشنا نہیں رکھتے؟

نبیؐ کے حکم سے سر پھیرنا، معاذاللہ
وہ کون ہیں، جو یہ ماتم بپا نہیں رکھتے؟

خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا
پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے

مسافرانِ عدم کا پتہ ملے کیوں کر
وہ یوں گئے کہ کہیں نقشِ پا نہیں رکھتے

نہ لوٹو آل کو، اعدا سے کہتی تھی فضہ
نبیؐ کی روح سے بھی تم حیا نہیں رکھتے

سکینہ کہتی تھی، کیوں کر نہ دم گھٹے، اماں!
وہاں ہیں بند، جو حجرے ہوا نہیں رکھتے

غش آتا راہ میں جس دم تو کہتے تھے عابد
وہ درد ہیں جو اُمیدِ شفا نہیں رکھتے

تپِ دروں، غمِ فرقت، ورم، پیادہ روی
مرض تو اتنے ہیں اور کچھ دوا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا، کٹتا ہے حلقِ پاکِ رسولؐ
حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

جہاز آلِ نبیؐ کیا بچے تباہی سے
تلاطم ایسا ہے اور ناخدا نہیں رکھتے

حسینؑ تیغوں کے نیچے سے کس طرح ہٹتے
بڑھا کے پیچھے قدم، پیشوا نہیں رکھتے

گلوئے اصغرِ معصوم و تیر، واویلا
یہ ظلم وہ ہیں کہ جو انتہا نہیں رکھتے

شہادتِ پسرِ فاطمہؑ کا ہے یہ الم
کہ تابِ ضبط، رسولِؐ خدا نہیں رکھتے

فقط حسینؑ پہ، یہ تفرقہ پڑا، ورنہ
کسی کی لاش سے سر کو جدا نہیں رکھتے

پہنا کے بیڑیاں کہتا تھا شمر، عابد سے
میانِ حلقۂ آہن، گلا نہیں رکھتے

سویم تو باپ کا کرنے دو، کہتے تھے سجاد
یہ پھول وہ ہیں، کہ جن کو اُٹھا نہیں رکھتے

کھلے گا حال اُنہیں، جبکہ آنکھ بند ہوئی
جو لوگ، الفتِ مشکل کشا نہیں رکھتے

جہاں کی عزت و خواہش سے ہے بشر کا خمیر
وہ کون ہیں؟ کہ جو حرص و ہوا نہیں رکھتے؟

انیس، بچ کے جاں اپنی ہند سے نکلو
جو توشۂ سفرِ کربلا نہیں رکھتے

(44)

گرد ہے اکسیر، خاکِ کربلا کے سامنے
زرد مٹی کی حقیقت کیا، طلا کے سامنے

فاصلہ کیسا؟ اِدھر پہنچے، اُدھر داخل ہوئے
کربلا جنت کے، جنت کربلا کے سامنے

جسم کو اک دن فنا کر دیں گے جھونکے آہ کے
بات کیا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے

پردہ پوشِ عاصیاں ہے ان کا دامانِ وسیع
کیا گنہ کا ڈھانپنا، آلِ عبا کے سامنے

کہتے تھے حضرت، علی اکبر کا مرنا ہے غضب
ہم نہ دنیا سے گئے، اُس دلربا کے سامنے

حلق سے اُتری کہ آنکھیں سرد، دل ٹھنڈا ہوا
گرد ہو جاتی ہے تپ، خاکِ شفا کے سامنے

جب سکینہ کی زباں میں پیاس سے کانٹے پڑے
سر جھکا کر مشک لے آئی، چچا کے سامنے

فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے شرف
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے شرماتی ہے برق
ابرِ نیساں تر ہے زہراؑ کی ردا کے سامنے

خوف کیا ہے بہرِ پرسش آئیں گر منکر نکیر
بندۂ حیدر ہوں، کہہ دوں گا خدا کے سامنے

عقدۂ دل جلد حل ہوتے ہیں، گھبراتا ہے کیوں؟
کیا گرہ کا کھولنا، مشکل کشا کے سامنے

تارکِ دنیا کو اسبابِ حشم سے کیا غرض
تختِ شاہی خاک سے کم ہے گدا کے سامنے

☆

کہتے تھے خولی سے عابد، چادرِ زینب نہ چھین
ہاتھ باندھے جائیں گے، مشکل کشا کے سامنے

یاد رکھ ظالم، پریشاں ہو گا مجمع حشر کا
فاطمہؑ جب بال کھولیں گی خدا کے سامنے

فصلِ پیری میں ہوسِ دنیا کی، توبہ کر انیس
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

کنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے منہ چھپا کے چلے

مقام یوں ہوا، اس کارگاہ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر، سرا میں آ کے چلے

خیال آ گیا، دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہاں سے جو اصغر، تو مسکرا کے چلے

طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کبھی جو ہو گیا پھیرا، صدا سنا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

خرامِ اسپ شہ دیں سے دیں گے ہم تشبیہ
کہاں ہے کبکِ دری، چال تو بنا کے چلے؟

جنھیں ملا، انھیں افتادگی سے اوج ملا
انھوں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

حسین کہتے تھے، واحسرتا! علی اکبر
بہارِ باغ جوانی ہمیں دکھا کے چلے

ملک پکارے کہ الٹا زمین کا طبقہ
حسین فوج پہ جب آستیں چڑھا کے چلے

ملی نہ پھولوں کی چادر تو اہل بیت انام
مزارِ شاہ پہ لختِ جگر چڑھا کے چلے

چلے وطن کو جو عابد تو کہتے تھے رو کر
علی کے چاند کو ہم خاک میں چھپا کے چلے

رہی غرور سے نفرت خجستہ کاروں کو
قلم کی طرح چلے جب، تو سر جھکا کے چلے

تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے

اٹھا تھا شور کہ بچھ جائیں گی صفیں دس بیس
جو دو ہی ہاتھ ادھر سیف مرتضیٰ کے چلے

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں، سامنے ہوا کے چلے

(46)

مثالِ بدر جو حاصل ہُوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کمال شوقِ زیارت ہے اب کے سال مجھے
کریم، ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

برنگِ سبزۂ بے گانہ باغِ دہر میں تھا
ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے

کریم! جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے
فقیر ہوں، یہ نہیں عادتِ سوال مجھے

نگاہ نامۂ اعمال پر جو کی پسِ مرگ
گناہگار نظر آیا، بال بال مجھے

جو خضرِ بخت مجھے کربلا میں پہنچا دے
نہ آئے خواب میں بھی ہند کا خیال مجھے

یہ الفتیں بھی ہیں دنیا میں یادگار، اے مرگ
مرا خیال تجھے، اور ترا خیال مجھے

فلک میں سبزۂ بیگانہ اس چمن میں نہیں
یہ کیا روش ہے جو کرتا ہے پائمال مجھے

کبھی خوشی سے جو دُنیا میں ایک پل گزرا
وہ صدمہ کش ہوں کہ برسوں رہا ملال مجھے

غمِ حسینؑ میں کہتا ہے زخمِ دل ہر دم
لہو جگر کا بہے گر ہو اندمال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے، بے سوال مجھے

پھڑک پھڑک کے مروں گا، وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

بھلا میں دوں قدِ اکبر سے کس طرح تشبیہ
چمن میں سرو دکھائے تو اپنی چال مجھے

لہو بدن کا عرق ہو کے بہ گیا سارا
ہوا یہ اپنے گناہوں سے انفعال مجھے

تری مدد کا فقط یا علیؑ بھروسا ہے
کسی کی آس نہیں وقتِ انتقال مجھے

یہ فخر ہو کہ ملی بادشاہی دنیا کی
غلام سمجھیں اگر قنبر و بلال مجھے

اجل قریب ہے جلدی نجف میں پہنچا دے
بس اے نصیب، نہ اگلے برس پہ ٹال مجھے

جواں وہ ہوں کہ نہ آؤں گا دامِ دنیا میں
فریب دیتی ہے ناحق یہ پیر زال مجھے

☆

جب آئیں بیٹوں کی لاشیں تو کہتی تھیں زینب
کچھ ان کے مرنے کا مطلق نہیں ملال مجھے

فدا کروں گہرِ بے بہا یہ، زہرا پر
دیے تھے حق نے اسی واسطے یہ لال مجھے

وغا میں تیغوں کے پھل کھائے پھول سے تن پر
نہال کر گئے یہ دونوں نونہال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پروردگار رہیو گواہ
کہ قتل کرتے ہیں ناحق یہ بدخصال مجھے

اُلجھتا راتوں کو جب دل، تو کہتی تھی بانو
دکھا دے اے علی اصغر جھنڈولے بال مجھے

حسینؑ کہتے تھے، اک ذوالفقار کافی ہے
نبرد میں نہ زرہ چاہیے، نہ ڈھال مجھے

☆

چڑھا یہ کہہ کے جو سینہ پہ شاہ کے قاتل
ملے گا آج بہت سا متاع و مال مجھے

پکارا خنجرِ براں کہ الغیاث اے شمر!
نہ کر نبیؐ کے نواسے کے خوں سے لال مجھے

چلی جو شام کو بانو، تو کہتی تھی رو کر
اکیلے رہنے کا اصغر کے ہے ملال مجھے

☆

جدا جو کرتے تھے اعدا، مزارِ اصغر سے
تو بانو کہتی تھی، اتنا نہ دو ملال مجھے

خدا کے واسطے مقتل میں مجھ کو رہنے دو
کہ شب کو چونک کے ڈھونڈے گا میرا لال مجھے

حسینؑ کہتے تھے، پشتِ فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے، اے بیکسی سنبھال مجھے

رہِ حسینؑ میں لازم ہے سر کے بل چلنا
پسند آئی کمیتِ قلم کی چال مجھے

حسینؑ کہتے تھے، زینب سے سب کا غم ہے مگر
بہت تمھاری تباہی کا ہے ملال مجھے

اندھیری قبر میں مشکل، انیس کو ہے بہت
دکھاؤ، یا علیؑ! اب چاند سا جمال مجھے

(47)

مجرائی! بزمِ شاہ میں آہ و بکا رہے
گلشن میں بلبلوں کی فغاں کی صدا رہے

انساں کو چاہیے کہ خیالِ قضا رہے
ہم کیا رہیں گے، جب نہ رسولؐ خدا رہے

مرنے کو ہم بھی آتے ہیں جلد، اے مجاورو!
نزدیک کفش کُن کے ہماری بھی جا رہے

چھٹتا ہے اُن سے کب کوئی مضمونِ گریہ خیز
جو مدتوں شناورِ "بحر البکا" رہے

اُس کو کسی مرض سے نہ پہنچے جہاں میں رنج
بازو پہ جس کے صُرّۂ خاکِ شفا رہے

کیا قہر ہے، امام کو پہنائیں بیڑیاں
حبل المتین جو ہو، وہ رسن میں بندھا رہے

کشتی کو اُس کی موجِ حوادث سے خوف کیا
بحرِ جہاں میں جس کا علی ناخدا رہے

چکی وہ پیسے خلق میں، کیوں چرخ دانہ، رو
خدمت گزار جس کی سدا آسیا رہے

کرتے ہیں مدح گوہرِ دندانِ شاہ ہم
کچھ دن صدف میں اور دُرِ بے بہا رہے

بھٹکے جنابِ حُر بھی بہت راہ راست سے
ہر پھر کے پھر نجات کے رستے پہ آ رہے

دنیا کا بھی محل ہے عجب عاریت سرا
ہم آج رہ کے اُٹھ گئے، کل اور آ رہے

یارب! ہو بیچ میں لحدِ ذاکرِ حسین
ہو اِس طرف نجف تو اُدھر کربلا رہے

زینب کو آ رہی تھی صدا شہ کی، بعدِ قتل
اب تا بہ حشر تم سے بہن، ہم جدا رہے

بحرِ جہاں میں قطروں نے کیا سر اٹھائے ہیں
دیکھیں کہ ان حبابوں کی کب تک ہوا رہے

اللہ! کیا نمک ہے کلامِ انیس میں
دشمن بھی گر پڑھے تو زباں پر مزا رہے

(48)

ہُوا جو عشق ثنائے ابوترابؑ مجھے
خدا نے کر دیا ذرّے سے آفتاب مجھے

تہِ زمیں نظر آئے ہیں بوتراب مجھے
ملا ہے قبر کی ظلمت میں آفتاب مجھے

زمینِ ہند میں مٹی مری خراب نہ ہو
کرو نجف میں طلب یا اباترابؑ مجھے

بہت کھلے گا ادھر سے جو ہو گی بارشِ اشک
برس کے جوش میں لاتا ہے کیوں سحاب مجھے؟

خزانۂ گہرِ بے بہا تھا، پردوں میں
دکھائے چشم نے کیا کیا دُرِ خوش آب مجھے

کبھی نہ دوں عرقِ روئے شاہ سے نسبت
ہزار طرح سے چھینٹے جو دے گلاب مجھے

غمِ حسینؑ میں ندی چڑھی یہ اشکوں کی
کہ آسماں نظر آنے لگا حباب مجھے

پدر کے غم میں تڑپتی ہوں، کہتی تھیں صغریٰ
نہ چین آتا ہے اے بیبیو، نہ خواب مجھے

چھلکتے جام رہیں، میکدہ رہے آباد
خمِ غدیر کی دے ساقیا شراب مجھے

گلِ حدیقۂ زہرا نے آبرو دے کر
کلی سے پھول کیا، پھول سے گلاب مجھے

غریب و بیکس و مظلوم و تشنہ کام و شہید
ملے ہیں خلق میں سر دے کے یہ خطاب مجھے

صدا یہ آتی تھی مقتل سے بعد قتلِ حسینؑ
کسے خبر ہے، جو حاصل ہوئے ثواب مجھے

بندھی رسن میں جو گردن تو بولے عابدِ زار
خدا نے آج کیا مالک الرقاب مجھے

☆

حسینؑ کہتے تھے، اے تیغ! سب فنا ہو جائیں
ستم کی فوج پہ آئے اگر عتاب مجھے

ترا نظیر ہے دنیا میں اور نہ کوئی مرا
تجھے ہلال بنایا ہے، آفتاب مجھے

رخِ حسینؑ سے دعوائے ہمسری، کیا خوب
دکھائے زلف تو چہرے پہ آفتاب مجھے

نقاب رُخ سے الٹ دیجے یا علی اکبر!
چمک دکھا کے جلاتا ہے آفتاب مجھے

کیے جو آ کے نکیرین نے سوال انیس
بتا دیے مرے مولا نے سب جواب مجھے

# سلامِ سوز
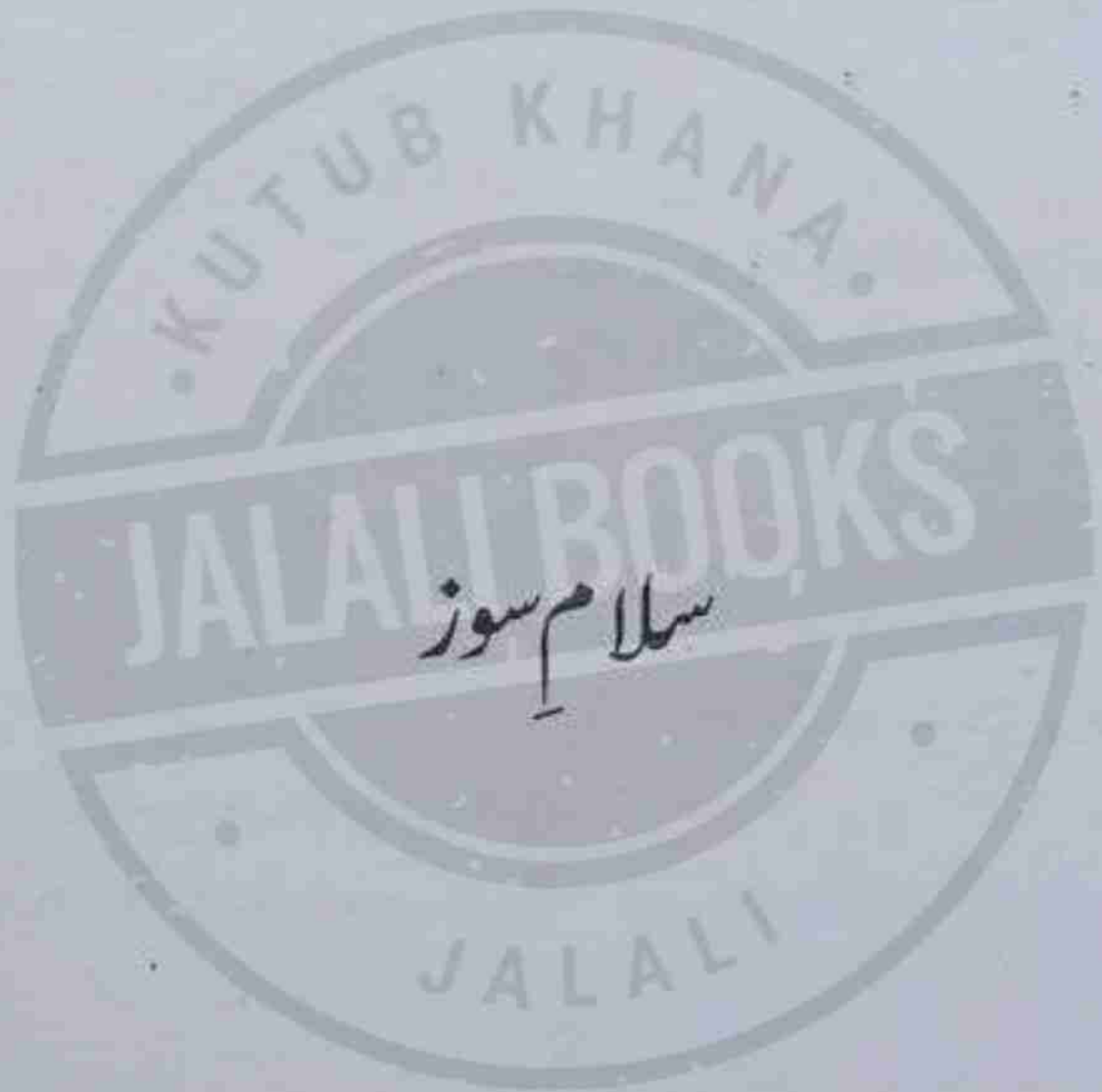
(49)

آبِ خنجر سے گلا جب شاہ کا تر ہو گیا
پانی پانی اے سلامی! غم سے کوثر ہو گیا

نہر پر جب قتل، عباسِ دلاور ہو گیا
رو کے شہ چلائے میں اب بے برادر ہو گیا

حیف ہے، یارو، نہ دی اک بوند پانی کی اُسے
جس کی خاطر کے لیے، دو ٹکڑے گوہر ہو گیا

حلق پر بے آب خنجر پھیر کر کہتا تھا شمر
کیوں، حسینؑ ابنِ علیؑ! اب تو گلا تر ہو گیا

کہتی تھی بانو مری قسمت کی گردش دیکھنا
گھٹنیوں چلنے نہ پایا قتل اصغر ہو گیا

دیکھ کر خیمے کی جانب رو دیا عباس نے
مشک میں پیوست جب تیرِ ستم گر ہو گیا

☆

زعفرِ جن نے کہا، اے بادشاہِ کم سپاہ
کیا شہیدِ ظلم، سب آقا کا لشکر ہو گیا

رو کے فرمایا شہِ دیں نے کہ لشکر اک طرف
تیر اصغر کے لگا، اور قتل اکبر ہو گیا

ہو کے غش جب حضرت شبیر گھوڑے سے گرے
مستعد تب قتل پر شمرِ ستم گر ہو گیا

دیکھ کر لاشے کو اکبر کے یہ بانو نے کہا
حیف ہے، پیاسا تو بے جاں، میرے دلبر ہو گیا

پوچھتی تھی راہ گیروں سے سکینہ شام میں
کربلا میں دفن، فرزندِ پیمبر ہو گیا؟

☆

روزِ عاشورہ ہلی قبرِ نبیؐ جب وقتِ عصر
جابجا یثرب میں برپا شورِ محشر ہو گیا

آئی صغریٰ قبر پر، اور عرض کی اے نانا جان
کیا سفر میں حادثہ کچھ شاہِ دیں پر ہو گیا

آئی مرقد سے ندا، اللہ تجھ کو صبر دے
گھر لٹا، خیمہ جلا، شبیر بے سر ہو گیا

شمر نے سر شاہ کا جب نذرِ حاکم کر دیا
دیکھ کر اس کو بہت شاداں ستمگر ہو گیا

فاطمہ لاشے پہ سرور کے یہ رو رو کہتی تھیں
ہائے پیاسا ذبح دریا پر تو، دلبر ہو گیا

☆

تیر اصغر کو لگا کر بولا شہ سے حُرملہ
دُور اب تو دل سے سرور، داغِ اکبر ہو گیا

شہ نے فرمایا، رضائے حق پر راضی ہے حسینؑ
زخم کا اکبر کے مرہم، داغِ اصغر ہو گیا

دیکھ کر گود اپنی خالی سب سے بانو کہتی تھی
لوگو بتلاؤ مجھے، کیا میرا دلبر ہو گیا؟

جو ہوا بیمارِ اندوہ شہِ دیں اے انیس
اوجِ اصحابِ مسیحؑ، اس کو میسر ہو گیا

(50)

اے مجرئیؔ! ہے سب کا مقدر جدا جدا
رُتبے میں ہیں گدا و توانگر جدا جدا

کیا کیا لڑے تھے رن میں بہتر جدا جدا
مجرائی، شہ پہ صدقے کیے سر جدا جدا

کہتے ہیں جمع کر کے ملک، اشکِ مومنین
شیشوں میں رکھتے جاؤ، یہ گوہر جدا جدا

رن میں ہر اِک نے ابنِ شہِ ذوالفقار کو
دکھلائے اپنی تیغ کے جوہر جدا جدا

آتی، جراحتِ تنِ سرور شمار میں
ہوتے جو زخمِ نیزہ و خنجر جدا جدا

سب منزلِ جہاں میں مسافر عدم کے ہیں
سب کا وطن ہے ایک ہی، اور گھر جدا جدا

اس طرح سر شہیدوں کے تھے، شہ کے سر کے ساتھ
جس طرح ہوویں ماہ سے اختر جدا جدا

بہرِ تصدقِ گلِ زہراؑ چمن میں ہیں
سب غنچے مٹھیوں میں لیے زر جدا جدا

تھے وقتِ ذبح وا، لب زخم تنِ حسینؑ
آتی تھی صوتِ ''اللہ اکبرؐ'' جدا جدا

مقتل سے شہر شہر گئے طائرانِ دشت
سبطِ نبی کے خوں میں بھرے پر جدا جدا

حوریں علیؑ سے کہتی تھیں، پیاسوں کے واسطے
رکھے ہیں بھر کے ساغرِ کوثر جدا جدا

ہوتے جو اُن کے واسطے ستر دو تن شہید
ماتم سبھوں کا کرتے پیمبرؐ جدا جدا

☆

زینب یہ بولیں بیٹوں سے ''باہم چلے تو ہو
لڑیو سپاہِ شام سے جا کر جدا جدا

''جرأت میں ایک سے ہو، یہ جی چاہتا ہے آج
دکھلاؤ شانِ حیدر و جعفر جدا جدا''

کہتی تھی بانو چھاتی سے لگ جاؤ آن کر
پھرتے ہو ماں سے کیوں علی اکبر جدا جدا

☆

صغریٰ نے نامہ بر سے کہا، خط نہ لکھنے کا
شکوہ تو کر چکی ہوں میں بے پر جدا جدا

بہر خدا زبانی بھی میری طرف سے تُو
کچھ گلہ ہر ایک سے جا کر جدا جدا

جیسے خزاں سے باغ میں بکھرے پڑے ہوں پھول
رن میں شہید خوں سے تھے یوں تر جدا جدا

کہتے تھے شاہ فوج ہماری قلیل ہے
باندھو پرے سپاہ کے اکبر جدا جدا

فوجِ یزید کی تھی، چڑھائی حسینؑ پر
آ کر اُترتے جاتے تھے لشکر جدا جدا

رسّی میں یوں بندھے تھے یتیمانِ اہل بیت
ہوں جیسے ایک رشتے میں گوہر جدا جدا

☆

کہتے تھے شاہ، کل تلک اک جا تھے اور آج
ٹکڑے پڑے ہیں خویش و برادر جدا جدا

اعدا کی تیغ ظلم نے ڈالا یہ تفرقہ
سر تن سے اور سروں سے ہیں پیکر جدا جدا

عابد نے جمع کر کے کیے دفن زیرِ خاک
پائے جو پارۂ تنِ سرور جدا جدا

مہلت ملی نہ بات کی دولہا دلہن کو ہائے
رویا کیے جھکائے ہوئے سر جدا جدا

یہ حکمِ شمر تھا کہ ہر اک بی بی اونٹ پر
بازارِ شام میں ہو کھلے سر جدا جدا

ہنگامِ ذبح ہر رگِ گردن نے شاہ کی
شکرِ خدا کیا تہِ خنجر جدا جدا

☆

دربار میں یزید کے شمرِ لعیں نے جب
دکھلائے سر شہیدوں کے لا کر جدا جدا

غارت گروں نے نذر دیا فخر جان کر
ہر ایک رانڈ کا زر و زیور جدا جدا

☆

مکریں گے کیا بروزِ جزا قاتلِ امام
تعذیر پائیں گے وہ ستم گر جدا جدا

حضرت کی بے گناہی پہ دیں گے گواہیاں
تیغ و سنان و دشنہ و خنجر جدا جدا

فیضِ غمِ حسینؑ سے ہوتے ہیں اے انیس
ہر سال ایک حال کے دفتر جدا جدا

(51)

بھرا ہے غمِ شہ سے سینہ ہمارا
سلامی! یہی ہے خزینہ ہمارا

دلِ صاف رکھتے ہیں ہم پاک طینت
نہیں جرم رکھتا نگینہ ہمارا

☆

پکارے نبیؐ قبرِ سرور پہ آ کے
اسی خاک میں ہے دفینہ ہمارا
ہوئی سخت ایذا زمانے کے ہاتھوں
گرا سنگ پر آبگینہ ہمارا

☆

لپٹتی جو بیٹی، تو کہتے تھے سرور
بس اب ساتھ چھوڑو، سکینہ ہمارا
نہ چھاتی سے لپٹو کہ اب شمر رن میں
دبائے گا زانو سے سینہ ہمارا
بجز پنجتن، کچھ نہیں نقش دل پر
اِن اسموں کا گھر ہے نگینہ ہمارا

☆

چلے شہ وطن سے تو کہتے تھے رو کر
اب اس سال مشکل ہے جینا ہمارا
یکایک صدا قبرِ احمدؐ سے آئی
ہُوا آج خالی مدینہ ہمارا
ازل سے ہے نامِ علیؑ نقش دل پر
وہ دُرِ نجف ہے نگینہ ہمارا

☆

کہا شہ نے قاتل سے، زانو ہٹا لے
کہ زخموں سے ہے چور سینہ ہمارا

عبث بے گنہ قتل کرتا ہے ظالم
زمانے کی زینت ہے جینا ہمارا

علیؑ ہیں دُرِ شہرِ علمِ نبوت
شقی! دین کا گھر ہے سینہ ہمارا

کہا وقتِ مرگِ پسر، رو کے شہ نے
ترے بعد ہے موت جینا ہمارا

حرم کہتے تھے، تھا یہ امت میں طوفاں
کہ خشکی میں ڈوبا سفینہ ہمارا

☆

عمر سے کہا حُر نے، ناجی ہمیں ہیں
پسندِ خدا ہے، قرینہ ہمارا

تجھے حبِّ دنیا، ہمیں حُبِّ حیدر
وہ کشتی تری، یہ سفینہ ہمارا

☆

کہا شہ نے بھائی نہ چھوڑے گا ہم کو
وہ دولت سمجھتا ہے جینا ہمارا

بہائے لہو اپنا عباس اُس جا
گرے جس جگہ پر پسینہ ہمارا

نگہباں ہے علیؑ، ناخدا نوحؑ امت

نہیں ڈوبنے کا سفینہ ہمارا

خدا نے عطا کی ہیں رونے کو آنکھیں

بنایا ہے ماتم کو سینہ ہمارا

انیس آپ کا ہے تہی دست کب سے

ملے یا حسینؑ، اب مدینہ ہمارا

(52)

بینا جو ہر اک دیدۂ بینا ہے ہمارا

ہر اشک، سلامی! دُرِ یکتا ہے ہمارا

شہ کہتے تھے سیراب تری تیغ نہ ہو گی

اے شمر! گلا آہ وہ سوکھا ہے ہمارا

قاتل سے بھی کہتے تھے، کر قتل نہ اس کو

اے شمر! یہ شبیرؑ نواسا ہے ہمارا

باندھا گیا سجاد کا بازو تو وہ بولے

اے شیرِ خدا! حال یہ پہنچا ہے ہمارا

شہ ناریوں سے کہتے تھے، اصغر کو دکھا کر

بچہ یہ کئی روز کا پیاسا ہے ہمارا

لاشِ علی اکبر پہ کہا شہ نے کہ بابا!

سینے سے کلیجہ نکل آیا ہے ہمارا

زعفر سے کہا شہ نے، دکھا کر کئی لاشے

یہ بھائی، یہ بیٹا، یہ بھتیجا ہے ہمارا

جب عذرِ گنہ کرتا تھا حُر، کہتے تھے شبیر
اے حُر! تو ہمارا ہے، ہمارا ہے، ہمارا

کیا خوف ہے محشر کا انیسِ جگر افگار
اب نام غلامِ شہِ والا ہے ہمارا

(53)

حسینؑ یوں ہوئے، اے مجرئی، وطن سے جدا
کہ جیسے بلبلِ ناشاد ہو چمن سے جدا

جناں میں پائیں گے گھر، اہلِ بیت کے مداح
صلہ خدا سے جدا لیں گے، پنجتن سے جدا

پھنسے ہوئے تھے بلاؤں میں، سیدِ سجاد
چھلی تھی طوق سے گردن جدا، رسن سے جدا

گلے میں دیکھ کے طوقِ حدید کہتے تھے لوگ
یہ آفتاب کہیں جلد ہو گہن سے جدا

وطن میں پھر کے سفر سے نہ جیتے جی آئے
عجب گھڑی تھی کہ اکبر ہوئے بہن سے جدا

جہاں سے اٹھ گئے، حسرت بھرے، بنے قاسم
جہاں میں کوئی بھی دولہا نہ ہو دلہن سے جدا

گھرے رہے شہِ والا، ستم کے نیزوں میں
نہ آفتاب ہوا دوپہر گہن سے جدا

گھڑک کے شمرِ لعیں گر نہ کھینچتا بازو
سکینہ ہوئی نہ لاشِ شہِ زمن سے جدا

حرم میں شور ہوا، شمر نے کہا جس دم
کہ باندھو بازو سے زینب کو اک رسن سے جدا

شہیدِ ظلم ہیں دونوں نبیؐ کے لختِ جگر
غمِ حسینؑ نہیں، ماتمِ حسنؑ سے جدا

نکالا گردنِ اصغر سے تیر جب شہ نے
گلے سے بہنے لگا خوں جدا، دہن سے جدا

سحر سے ظہر تلک کربلا میں جنگ ہوئی
سرِ حسینؑ ہوا، وقتِ عصر تن سے جدا

سپاہِ شام سے نکلا جو حُر تو بولے ملک
وہ آفتابِ درخشاں ہُوا گہن سے جدا

سکینہ مر گئی قیدِ ستم میں گُھٹ گُھٹ کر
مگر نہ چاند سی گردن ہوئی رسن سے جدا

رسولؐ حق کو نواسے سے یہ محبت تھی
کہ منہ نہ کرتے تھے شبیر کے دہن سے جدا

زمیں پہ گر کے پکارے شہِ اُممؑ "ہیہات"
نظر جو آ گئے بھائی کے ہاتھ تن سے جدا

کڑی ہے مرگ کی منزل، مسافرو ہشیار!
کُھلے گا حال یہ جب روح ہو گی تن سے جدا

فشارِ قبر کا گر خوف ہے تجھے تو انیس
رہے نہ صُرّۂ خاکِ شفا کفن سے جدا

(54)

دل سیر ہے گدائے جنابِ امیر کا
خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا

مطلب یہی ہے ہاتھ کی ہر اک لکیر کا
دامن نہ چھٹنے پائے جنابِ امیر کا

کیا پوچھتے ہو نام مرے دستگیر کا
بازو نبیؐ کا، ہاتھ خدائے قدیر کا

حافظ اگر ہو عدل جنابِ امیر کا
شعلہ پہن لے جسم میں کرتا حریر کا

تھا حق پسند فقر جنابِ امیر کا
اب تک ہے مسجدوں میں بچھونا حصیر کا

کرسی نبیؐ کی، عرش جنابِ امیر کا
وہ شاہ کی جگہ، یہ محل ہے وزیر کا

کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا
شیشہ بغل میں ہے مے خُمِ غدیر کا

عاشق ہوں روئے پاکِ جنابِ امیر کا
کعبے کی سرزمیں میں ہے بستر فقیر کا

گلشن میں سُن کے زمزمہ پردازیاں مری
دم بند ہو گیا ہے مرے ہمصفیر کا

معصوم سب ہیں، جوشن بازوئے مصطفےٰؐ
یاں ایک مرتبہ ہے صغیر و کبیر کا

خیبر کا در اکھاڑ لے، وہ جلِّ شانہٗ
ٹکڑا نمک سے کھائے جو نانِ شعیر کا

یوں شش جہت میں قاتلِ شبیرؑ خوار ہے
ہفتے میں جیسے روز ہے منحوس پیر کا

پیاسا ہوں ساقیا، مےِ کوثر کا، خُم کی خیر
بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا

احسانِ بوترابؑ کا گردن پہ بوجھ ہے
سر کس طرح جھکا نہ رہے چرخِ پیر کا

اشکوں سے لب بھگو دے مرے اے فراتِ چشم
عادی ہوں میں طہارتِ آبِ کثیر کا

وسعتِ خیالِ حُور نہ پہنچا کبھی جہاں
اس دوش پر تھا پاؤں میرے دستگیر کا

پیری تو آ چکی ہے مگر مہلت، اے اجل!
کر لوں طواف، قبرِ جناب امیرؑ کا

حکمِ خدا سے قاسم و رزاقِ خلق ہیں
سب ہاتھ دیکھتے ہیں مرے دستگیر کا

سبطینِ مصطفیٰؐ کے سمجھتے ہیں جو شنین
تیغوں میں ہے یہ حرز صغیر و کبیر کا

مومن دلوں میں سوچ لیں، پردے کی بات ہے
نکلا کہاں سے ہاتھ جنابِ امیرؑ کا

کیا رحم تھا کہ شیرِ الٰہی نے رو دیا
جب آ گیا خیال یتیم و اسیر کا

اس کے پسر کو پانی کا قطرہ ملے نہ ہائے
قاتل کو جس نے بھیج دیا جام شیر کا

☆

جب مر گئے علیؑ تو مدینہ میں شور تھا
آج اٹھ گیا شفیق یتیم و اسیر کا

حیدرؑ کے حلم و رحم پر رونے لگے حسینؑ
کاسا دیا جو آپ نے قاتل کو شیر کا

پوچھے کوئی پتہ تو یہ کہہ دیجیو انیس
ہے وادی السلام میں بستر فقیر کا

(55)

صبر کرتے تھے، سلامی! شہِ والا کیا کیا
اہلِ کیں دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

بانو کہتی تھی کہ سہرا بھی نہ دیکھا، افسوس!
تھی مجھے بیاہ کی اکبر کے تمنا کیا کیا

تیر کھاتے ہی گلے میں جو دم اصغر کا رُکا
شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپا ہے وہ بچا کیا کیا

دیکھتا جو سرِ قاسم کو وہ کہتا رو رو
حسرتیں لے گیا دنیا سے یہ دُلہا کیا کیا

لاشِ عباس پہ آنے جو نہ دیتے تھے عدو
تشنہ لب شاہ لڑے ہیں لبِ دریا کیا کیا

منع جو رونے کو کرتا، تو یہ کہتے سجاد
کیوں نہ روؤں ستم ان آنکھوں نے دیکھا کیا کیا

☆

بانو کہتی تھی تصور میں علی اصغر کے
دُودھ بن تڑپا ہے، ہے ہے مرا بچا کیا کیا

پانی دو دن نہ ملا، تیر گلے پر کھایا
اتنی سی زندگی میں سہہ گیا ایذا کیا کیا

☆

شاہ دیں کے حرم آئے تھے وطن سے جس دم
خاک پر پیٹ کے سر، روتی تھی صغریٰ کیا کیا

اور ایک ایک سے کہتی تھی، بتاؤ لوگو!
کہہ گئے ہیں مجھے مرتے ہوئے، بابا کیا کیا

دیکھ کر ہاتھ کٹے باپ کے عابد نے کہا
بعد مرنے کے بھی پہنچی تھی ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے، پانی نہیں ملتا ہم کو
سامنے آنکھوں کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سینۂ شہ سے نہ بے ذبح کیے اُترا شمر
گرد بیٹے کے تڑپتی رہی زہراؑ کیا کیا

دشتِ پُر خار سے جاتے تھے جو پیدل سجاد
پھوٹ کر روتا تھا ہر آبلۂ پا کیا کیا

دیکھ کر شہ کے عزیزوں کو عدو کہتے تھے
صاحبِ حُسن خدا نے کیے پیدا کیا کیا

لاشِ اصغر پہ کہا بانو نے، اماں صدقے
ننھی سی جان پہ گزری، کہو بیٹا کیا کیا

☆

سرِ شبیر سے کہتے تھے یہ رو رو سجاد
رنج دیتے ہیں مجھے راہ میں اعدا کیا کیا

طوق و زنجیر سنبھالوں کہ مہار اونٹوں کی
کام اتنے ہیں، کروں میں تنِ تنہا کیا کیا

☆
دھوپ میں لاش جلی، ہاتھ کٹے پہنچوں سے
بعدِ مُردن بھی ملی شاہ کو ایذا کیا کیا

شاہ کہتے تھے سکینہ سے، مرے مرنے کے بعد
کیا کہوں تم پہ ستم ہوئیں گے بیٹا کیا کیا

دفن کا لاشۂ شبیر کے جب وقت آیا
دفعتاً ہو گئے اسباب مہیا کیا کیا

باغ میں دیکھتے جب سرو کو، عابد کہتے
کٹ گئے تیغِ ستم سے قدِ رعنا کیا کیا

سر جھکا لیتی تھی صغریٰ، کوئی کہتا تھا گر
کہو، کوفے سے پدر نے تمھیں بھیجا کیا کیا

قید خانے میں سکینہ کو جو یاد آئے پدر
رات بھر سینے میں دل ننھا سا تڑپا کیا کیا

دیکھا مرنے پہ کمر باندھتے جب بابا کو
سر اُٹھا تکیے پہ سجاد نے پٹکا کیا کیا

بانو کہتی تھی، اب آ کر مجھے سمجھاتے نہیں
یاد مادر تری باتیں کرے بیٹا، کیا کیا

رو رو کہتی تھی یہ صغریٰ کہ کہے جا قاصد
تُو نے کیا کیا کہا، اور بابا نے پوچھا کیا کیا؟

بولے عابد، شہِ قتلِ عزیزاں ہو کر
اپنی بیماری کا ہوتا ہے مداوا کیا کیا

خط لیے لاشۂ اکبر پہ یہ کہتے تھے امام
دیکھو بیٹا، تمھیں صغریٰ نے ہے لکھا کیا کیا

دیکھ کر فوجِ حسینی کو، عدو کہتے تھے
ساتھ لائے ہیں جواں، سید والا کیا کیا

باندھے صف دانۂ تسبیح سے ہیں بعد امام
رفقائے شہِ مظلوم ہیں دانا کیا کیا

ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عملِ نیک انیس
اس پہ انسان کو ہے خواہشِ دُنیا کیا کیا

(56)

کسی کو مجرئی! ہمدم نہ ہنگامِ اجل پایا
علی جب آئے، جب مشکل کو جاں کندن کی حل پایا

کہا شبیر نے، اکبر گلِ باغِ جوانی تھا
اسے نیزہ لگا کر کچھ لعینوں نے نہ پھل پایا

لگایا تیر جس کج باز نے وقتِ وغا شہ پر
جوابِ براءت اس نے تیغِ شہ سے برمحل پایا

لعیں کہتے تھے، روکیں وار کیوں کر تیغِ حیدر کا
کبھی سر پہ، کبھی بر میں، کبھی زیرِ بغل پایا

پس از قتلِ شہِ دیں گھر لٹا، قیدی ہوئیں رانڈیں
نہ ماتم کی صفیں بچھیں نہ رونے کا محل پایا

ہوا گھر چھوڑ کر قرباں جو حُر، فرزندِ زہراؑ پر
قریبِ قصرِ حیدرؑ باغِ جنت میں محل پایا

اٹھایا داغ فرزندِ جواں کا، عین پیری میں
شہِ دیں نے گلستانِ ریاضت کا نہ پھل پایا

رفیقوں کی طرف دیکھا، جو ہنگامِ وغا شہ نے
ہر اک جاں باز کو آمادۂ جنگ و جدل پایا

وطن میں کہتی تھی صغرٰی، مصیبت کچھ ہے بابا پر
بہت میں نے دلِ غمگیں کو مضطر آج کل پایا

غضب تڑپے شہِ دیں رکھ کر سر اکبر کے لاشے پر
جگر میں اس کے جب ٹوٹا ہوا برچھی کا پھل پایا

سرِ حُر اپنے زانو پر رکھا شاہِ دوعالم نے
جری نے رتبۂ معراج، ہنگامِ اجل پایا

عمر سے کہتا تھا حُر، سایۂ طوبیٰ ملا مجھ کو
ہوا خواہی میں سروِ باغِ زہرا کی یہ پھل پایا

فرس سے ہو کے زخمی خاک پر گرنے لگے جس دم
شہِ والا نے دستِ فاطمہؑ زیرِ بغل پایا

چڑھا جو منہ پہ، اس کا سر اتارا تیغِ حیدر نے
مٹا آئی اُسے، جس کے ذرا ابرو پہ بل پایا

گیا نارِ سقر کو چھوڑ کر، جنت کے گلشن میں
مقدر کی طرف سے، حُر نے یہ حُسنِ عمل پایا

☆

کہا اکبر نے وقتِ نزع یہ رو رو کے حضرت سے
چلے ہم اب، نفس کی آمد و شد میں خلل پایا

یہ حسرت تھی کہ نکلے دم ہمارا ماں کی گودی میں
اجل کے ہاتھ سے وقفہ نہ لیکن ایک پل پایا

کیا جب شاہ نے حملہ، اجل نے آ کے میداں میں
تپاں بسمل کو بسمل پر دمِ جنگ و جدل پایا

تڑپ کر ذوالفقارِ حیدری خود میان سے نکلی
علیؑ کے لال کے ابرو پہ جب غصے میں بل پایا

سہے صدمے پہ صدمے، دکھ پہ دکھ، اعدا کے ہاتھوں سے
نبیؐ کے بعد زہراؑ نے نہ آرام ایک پل پایا

برابر چار ٹکڑے کر کے چھوڑا اس کو میداں میں
جسے تیغ دو پیکر نے دمِ جنگ و جدل پایا

انیس، آخر نہ دولت کام آئی، اہل دولت کے
بجز نقدِ تہی دستی نہ کچھ وقتِ اجل پایا

(57)

کیا کیا نہ زمانے میں سنا، کیا نہیں دیکھا
اے مجرئی شبیر سا آقا نہیں دیکھا

حُر کہتا تھا، حضرت کی طرف دیکھ لے آ کر
جس شخص نے فردوس کا رستا نہیں دیکھا

جو دیکھتا اکبر کے سراپا کو یہ کہتا
یہ حسن، یہ ترکیب، یہ نقشا نہیں دیکھا

☆ کہتے تھے عدو بھائی پہ آنچ آنے نہ دی، واہ
عباس سا شبیر کا شیدا نہیں دیکھا

مسلم کے پسر کہتے تھے، حیراں ہیں کدھر جائیں
جنگل کا تو ہم نے کبھی رستا نہیں دیکھا

کہتی تھی سکینہ، مجھے صورت تو دکھاؤ
میں نے کئی دن سے تمھیں بابا نہیں دیکھا

☆

کہتے تھے عدو دیکھ کے حضرت کے لب خشک
اس طرح کا صابر کوئی پیاسا نہیں دیکھا

چوبیس پہر گزرے ہیں، پایا نہیں پانی
پر آنکھ اُٹھا کر لبِ دریا نہیں دیکھا

☆

فرماتے تھے سجاد، کہ جو ہم پہ ہُوا ظلم
دنیا میں کسی نے ستم ایسا نہیں دیکھا

سر ننگے انھیں دیکھتی ہے کوفہ کی خلقت
جن کا کبھی خورشید نے سایا نہیں دیکھا

ماں کہتی تھی اکبر سے کہ مرنے کو نہ جاؤ
بیٹا! ابھی میں نے ترا سہرا نہیں دیکھا

پانی نہ ملا بیاہ میں، شربت کا تو کیا ذکر
قاسم سا بھی بیکس، کوئی دولہا نہیں دیکھا

کہتی تھی سکینہ، مجھے مارا جو طمانچہ
ظالم نے مرے باپ کا منہ کیا نہیں دیکھا

عابد نے کہا، تیغ سے نکلی نہیں کیوں جان؟
کیا دکھ نہ سہے، کون سا صدمہ نہیں دیکھا

ماں، بہنوں کا غم، داغِ پدر، رنجِ اسیری
بیمار کا اب تک، یہ مداوا نہیں دیکھا

ماں کہتی تھی دولہا کی، دلہن نے رخِ قاسم
اس طرح سے دیکھا ہے کہ گویا نہیں دیکھا

☆

عابد سے یہ کہتا تھا سناں پر سرِ شبیر
کیوں روتے ہو؟ کچھ میں نے تو صدمہ نہیں دیکھا
(8c)
یہ جلوۂ معشوق سے ہوں محو کہ واللہ
جو ظلم و ستم دیکھا، وہ گویا نہیں دیکھا

شہ کہتے تھے اصغر پہ [illegible]
یوں تیر سے مرتے کوئی بچہ نہیں دیکھا

☆

☆

کہتے تھے عدو شہ کے سوا لاکھ جواں سے
اک پیاسے کو لڑتے ہوئے تنہا نہیں دیکھا

یہ ضرب نہیں دیکھی، یہ جرأت نہیں دیکھی
یہ دل نہیں دیکھا، یہ کلیجا نہیں دیکھا

☆

شہ لاشۂ اکبر سے یہ کہتے تھے، لکھوں کیا
قاصد نے تو اکبر تمھیں جیتا نہیں دیکھا

میں نے تو پڑھی، لکھی تھی جو اپنی مصیبت
افسوس کہ تم نے خطِ اصغر نہیں دیکھا

زنداں میں حرم کہتے تھے، دم گھٹ گئے لوگو!
ہم نے کسی گھر میں یہ اندھیرا نہیں دیکھا

کہتے تھے عدو، ہو گا نہ شبیر سا صابر
سر کٹ گیا، پر جسم تڑپتا نہیں دیکھا

کیا روضۂ سرور پہ انیس آنکھوں کو ملتے
افسوس مزارِ شہِ والا نہیں دیکھا

(58)

مجرائی! جب کہ شہ نے سر اپنا کٹا دیا
تب ظالموں نے خیمۂ اقدس جلا دیا

ہمشکلِ مصطفےٰ کو لعینوں نے، حیف ہے
گھوڑے سے برچھی مار کے نیچے گرا دیا

☆

کہتی تھی صغریٰ کھیلنے کہتیں جو لڑکیاں
بابا کی یاد نے مجھے سب کچھ بھلا دیا

واللہ جیتے جی نہیں ہونے کی میں جدا
گر، اب کے حق نے مجھ کو پدر سے ملا دیا

جب شہ کو دفن کر چکے سجاد کہتے تھے
زہراؑ کا چاند خاک میں مَیں نے چھپا دیا

پیچھے ہٹے نہ جنگ میں حضرت کے جاں نثار
تیغوں سے دوڑ دوڑ گلوں کو ملا دیا

کیا آبدار تیغ، علم دارِ شہ کی تھی
دریا کے پاس خون کا دریا بہا دیا

پیاسے کو یاد پیاس جو آئی سکینہ کی
چلّو میں لے کے نہر سے پانی گرا دیا

کس درجہ اشتیاقِ شہادت تھا شاہ کو
خنجر گلے پہ چلتے ہوئے مسکرا دیا

کہتے تھے رن میں شامی کہ اکبر کے حُسن نے
ہم کو خدا کے نور کا جلوہ دکھا دیا

لب پر زباں پھرا کے یہ کہتے تھے رن میں شاہ
زخموں نے بھوک پیاس میں کیا کیا مزا دیا

عابد جو دفن کر چکے قاسم کی لاش کو
تربت پہ اس کی پھولوں کا سہرا چڑھا دیا

ماتم میں اس کے روتے رہو، مومنو! مدام
شبیرؑ نے تمھارے لیے سر کٹا دیا

یہ کیا الامان بی بیوں میں تلاطم تھا اس گھڑی
جب ناریوں نے شاہ کا خیمہ جلا دیا

اللہ! کیا حسین کو امت کا پاس تھا
سر کو کٹا کے عاصیوں کو بخشوا دیا

خنجر کو لے کے شمر جب آیا تو شاہ نے
کس بیکسی سے سر کو زمیں پر جھکا دیا

یہ کیا عشق تھا حسین سے زینب کے بیٹوں کو
دونوں نے کس خوشی سے سروں کو کٹا دیا

اصغر کو بوند بھر نہ پلایا کسی نے آب
لشکر کو حُر کے شاہ نے پانی پلا دیا

بستر سے اٹھ نہ سکتا تھا جو مارے ضعف کے
طوقِ گراں لعینوں نے اس کو پہنا دیا

اس کا ادائے شکر ہو کس طرح اے انیس
جس نے اٹھا کے خاک سے انساں بنا دیا

(59)

مجرائی! رن میں شہ پہ ستم بے حساب تھا
نایاب گھر میں ساقیِ کوثر کے آب تھا

دریا کی سمت رُخ بھی نہ کرتے تھے وقتِ جنگ
پانی سے تشنہ کاموں کو یہ اجتناب تھا

اللہ رے حُر کا مرتبہ، گھوڑے پہ جب چڑھا
تھامے رکاب کو خلفِ بوترابؑ تھا

قاسم نے بعدِ عقد کہا ماں سے صبح دم
یہ بیاہ بھی، خیال جو کیجیے تو خواب تھا

اکبر ہوئے شہید تو گھر میں نہ آتے تھے
بانو کے منہ سے یہ شہِ دیں کو حجاب تھا

زینب کے بیٹے ایسے تھے حسن و جمال میں
اک آفتاب اگر تھا، تو اک ماہتاب تھا

خیمے میں ابنِ ساقیِ کوثر کے ہے غضب
جُز اشک دیکھنے کو میسر نہ آب تھا

قاسم کے وقتِ نزع یہ جاری زباں پہ تھا
دُلہن بنی خیال کی تھی، بیاہ خواب تھا

☆

گھر لوٹنے کو شمر جو آیا حسینؑ کا
ناموسِ مصطفیٰؐ کو عجب اضطراب تھا

زینب یہ کہتی تھی، مرے بھائی کے قتل میں
کوشاں زیادہ سب سے یہ خانہ خراب تھا

سجاد غرق تھے عرقِ شرم میں انیس
کنبہ نبیؐ کا بلوے میں جب بے نقاب تھا

(60)

مجرئی! جس نے مزارِ شہِ ذیشاں دیکھا
اس نے دنیا ہی میں بس روضۂ رضواں دیکھا

ہو گیا نظروں میں شبیرؑ کی تاریک جہاں
خاک و خوں میں علی اکبر کو جو غلطاں دیکھا

جس کی مادر کا اٹھا شب کو جنازہ، افسوس!
دن کو خلقت نے اسے باسرِ عُریاں دیکھا

اس قدر روئیں کہ غش کر گئیں بانوئے حزیں
شاہ کی گود میں اصغر کو جو بے جاں دیکھا

عمر بھر باپ کے ماتم ہی میں سجاد رہے
جس نے دیکھا اُنہیں بادیدۂ گریاں دیکھا

رکھ کے زانو پہ سرِ حُر کو کہا حضرت نے
اپنے رتبے کو بھی کچھ اے مرے مہماں دیکھا

تھا یہ نزدیک نکل جائیں تنوں سے جانیں
دور سے قیدیوں نے جب درِ زنداں دیکھا

عمر بھر وہ شبِ تاریک کو سمجھا شبِ ماہ
جس نے نیزے پہ سرِ شاہِ شہیداں دیکھا

لاشوں پہ بیٹوں کی کہتی تھیں یہ زینب رو رو
بہت ارماں تھا، کہو قتل کا میداں دیکھا

خاک پر سینہ و سر پیٹ کے اونٹوں سے گرے
حرمِ شاہ نے جب گنجِ شہیداں دیکھا

اور بھی حال پریشان ہوا بانو کا
زلفِ اکبر کو جو نیزے پہ پریشاں دیکھا

باپ کو روتے تھے سجاد تو کہتی تھی یہ خلق
دیکھ لے، جس نے نہ ہو نوحؑ کا طوفاں دیکھا

شہ کا سر پڑھتا جو قرآن تو کہتے کوئی
سر بے تن کو نہیں حافظِ قرآں دیکھا

کبھی زینب گئے عباس اور اکبر مارے
شہ کو جب پکڑے کمر، چاک گریباں دیکھا

پیٹتی سینہ و سر خیمے سے نکلی زینب
حلقِ شہ پر جو رواں خنجرِ بُرّاں دیکھا

بیاہ کے دن جو ستم قاسمِ نوشہ پر ہوئے
کسی شادی میں نہ ماتم کا یہ ساماں دیکھا

☆

کہتا سجاد کو جو یہ کہ "نہ حضرت کو کبھی
قائلِ سیرِ گل و سنبل و ریحاں دیکھا"

اس سے فرماتے تھے "وہ خاک کرے سیرِ چمن
جس نے تاراج محمدؐ کا گلستاں دیکھا"

قید میں جو حرمِ شہ نے اذیت کھینچی
کس نے دنیا میں ہے یہ رنجِ فراواں دیکھا

کوئی لڑکی نہ یہ غم دیکھے کبھی، صغریٰ نے
باپ کی یاد میں جو صدمۂ ہجراں دیکھا

لڑکیاں کہتی تھیں صغریٰ سے کہ ہم نے تم کو
آ کے جب دیکھا، تو منہ پر لیے داماں دیکھا

☆

شمر کہتا تھا: "میں جب شاہ کی چھاتی پہ چڑھا
سامنے فاطمہؑ کو باسرِ عریاں دیکھا

جب لگا پھیرنے خنجر میں گلوئے شہ پر
احمدِ پاکؐ کو انگشت بدنداں دیکھا"

کیسے ہر دوست کے کام آتے ہیں مشکل میں انیس
کس نے شبیرؑ سا آقائے غریباں دیکھا

(61)

مجرئی! ڈیوڑھی پہ زینب نے جو آ کر دیکھا
حلقِ شبیر کو زیرِ دمِ خنجر دیکھا

خیمے سے پیٹتی سیدانیاں نکلیں باہر
گود میں شاہ کی جب لاشۂ اصغر دیکھا

شہ نے فرمایا "یہی حلق میرا کاٹے گا"
جس گھڑی شمر کو لاتے ہوئے خنجر دیکھا

بولے احمدؐ کہ "مرے قوتِ بازو شاباش!"
جس گھڑی دستِ علیؑ میں درِ خیبر دیکھا

پاس بیٹے کے جگر تھام کے غش ہو گئے شاہ
زخمی جب برچھیوں سے سینۂ اکبر دیکھا

تیغ گردن پہ چلی اور نہ تڑپے شہِ دیں
ایسا صابر نہیں کوئی تہِ خنجر دیکھا

تہِ خنجر شہِ مظلوم نے کس غُربت سے
طرفِ خیمہ کئی مرتبہ مڑ کر دیکھا

بس وہیں کٹنے لگی گردن پُرنور تو وہ
سر کُھلے زینب دلگیر کو باہر دیکھا

لاشِ اکبر پہ یہ چلاتی تھی بانوئے حزیں
تم کو دولہا نہ بنے اے مرے دلبر دیکھا

شُبہ ہر اک کو ہوا، ہے یہی سر احمدؐ کا
شام میں نیزے پہ جس نے سرِ اکبر دیکھا

☆

شمر کہتا تھا، چڑھا شاہ کی جب چھاتی پر
میں نے زہراؑ و پیمبرؐ کو کھلے سر دیکھا

کہا چلا کے یہ زہراؑ نے کہ "ہے ہے مرے لال"
حلقِ شبیر جو زیرِ دمِ خنجر دیکھا

بعد قتلِ شہِ دیں شور یہ تھا شہر بہ شہر
ہم نے کنبے کو محمدؐ کے کھلے سر دیکھا

☆

رو رو چلاتی تھی زینب کہ "دہائی بابا
مجھ کو سب نے سرِ بازار کھلے سر دیکھا"

"سخت جاں رکھتی ہوں" کہتی تھی یہ بنتِ زہراؑ
"حلق پر شاہ کے چلتے ہوئے خنجر دیکھا

"مال و اسباب لٹا، بیڑیاں عابد کے پڑیں
"آتشِ ظلم سے پھر جلتے ہوئے گھر دیکھا

"ہائے میں ہو نہ گئی کور کہ ان آنکھوں نے
"سرِ پُرخوں ترا نیزے پہ برادر دیکھا"

ایک سا حال زمانے کا نہیں رہتا انیس
انقلاب فلک پیر مکرر دیکھا

(62)

مجرئی! شاہ کا ہوں، خلد میں ہے گھر میرا
منتظر حوریں ہیں، مشتاق ہے کوثر میرا

شاہ کہتے تھے، لعینو! نہ ستاؤ مجھ کو
ماں ہے زہراؑ مری، نانا ہے پیمبرؐ میرا

کٹ گئے ہاتھ تو بولا یہ علم دارِ حسینؑ
مرتبہ ہو گیا جعفر کے برابر میرا

گر کے لاشِ علی اکبر پہ کہا عابد نے
"ہائے غم خوار مرا، ہائے برادر میرا"

کہتا تھا شمر کہ زہراؑ کی صدا آتی تھی
پکڑے لیتا تھا کوئی ہاتھ سے خنجر میرا

شاہ کہتے تھے، نہ سوجھی مجھے عباس کی لاش
لے گئے ہاتھ پکڑ کر علی اکبر میرا

کہتی تھی بالی سکینہ کہ "بچاؤ بابا!
بد گہر چھینے لیے جاتا ہے گوہر میرا"

جو کوئی پوچھتا، کیا سن تھا، تو کہتی بانو
چھ مہینے سے بھی کم تھا علی اصغر میرا

شمر سے کہتے تھے عباس میں کیونکر بہکوں
خضر کو راہ بتا دیتا ہے رہبر میرا

بانو کہتی تھی کہ "جنگل میں ڈرے گا، لوگو!
کبھی تنہا نہیں سویا علی اصغر میرا"

قبر اکبر پہ یہ بانو نے کہا، بیٹا واہ
گور آباد کی، ویران کیا گھر میرا

شاہ فرماتے تھے، کیا قتل کروں امت کو
میں ہوں شمشیرِ خدا، صبر ہے جوہر میرا

☆

لاشِ شبیر پہ جبرئیل نے آ کر یہ کہا
"خاک پر سوؤ نہ، حاضر ہے یہ شہپر میرا"

شہ نے فرمایا "نہیں فرش سے کچھ کام مجھے
سنگ بالش ہے اب اور خاک ہے بستر میرا"

کہتی تھی روحِ محمدؐ یہ تماشائیوں سے
"بند آنکھیں کرو، کنبہ ہے کھلے سر میرا"

فاطمہؑ کہتی تھیں، بے چین نہ کیجو اے قبر!
سو گیا ہے تری آغوش میں دلبر میرا

شاہ فرماتے تھے، خاتمۂ جنگ ہے آج
عصر کے بعد نہ میں ہوں گا نہ لشکر میرا

رو کے بانو نے کہا پچھلے پہر زنداں میں
دودھ پینے کو نہ چونکا علی اصغر میرا

☆

کہتی تھی رو رو کے بانو یہ توقع تھی مجھے
''کہ اٹھائے گا جنازہ، علی اکبر میرا

میں تو جیتی رہی اور اٹھ گئے وہ دنیا سے
ان کی تقصیر نہیں کچھ، ہے مقدر میرا''

شمر کہتا تھا، یہ تھا خشک گلوئے شبیر
کہ ذرا تر نہ ہوا خون سے خنجر میرا

شاہ فرماتے تھے، اب کون کرے کوششِ آب
ہائے سوتا ہے ترائی میں غضنفر میرا

شاہ کہتے تھے کبھی چین نہ جی پر آوے
راہِ خالق میں جو سو بار کٹے سر میرا

☆

کہا عابد نے شہادت کی خوشی تھی مجھ کو
پر کروں کیا، جو اُلٹ جائے مقدر میرا

تن پہ زخم ان کے ہیں، آہن میں مسلسل میں ہوں
بھائی بندوں کا وہ زیور ہے، یہ زیور میرا

رو رو کہتی تھی سکینہ کہ بھرے لاتے تھے مشک
کٹ گئے ہاتھ چچا کے، یہ مقدر میرا

سر شہ سے کہا عابد نے کہ دیکھو بابا
تازیانوں سے ہے زخمی تنِ لاغر میرا

بانو کہتی تھی میں زہراؑ کی بہو ہوں اے شمر!
چھین سر سے نہ ردا، لے زر و زیور میرا

شمر کہتا تھا، پدر کو جو سکینہ روتی
''نام بابا کا نہ لے، تجھ کو نہیں ڈر میرا''

لاش سرور سے صدا آئی تھی، عابد تو ہے قید
کون جنگل سے اٹھائے تنِ بے سر میرا

بانو کہتی تھی، لعیں کیوں نہ ستائیں مجھ کو
اٹھ گیا خلق سے وارث مرا، سرور میرا

کہتے تھے تھامے کمر لاشِ علمدار پہ شاہ
ہائے رستم مرا، حمزہ مرا، جعفر میرا

گر فلک مجھ سے ہے برگشتہ تو کیا غم ہے انیس
پنجتن حامی ہیں، اللہ ہے سر پر میرا

(63)

مجرئی! شہ کے عوض رن میں جو تھا سر دیتا
اس کو گھر خلد میں تھا خالقِ اکبر دیتا

بانو کہتی تھی، تلف ہوتی نہ جاں اصغر کی
پانی تھوڑا سا اگر شام کا لشکر دیتا

جوں جوں کٹتی تھیں رگیں، کہتے تھے شہ، شکرِ کریم
لطف ہے پیاس میں آبِ دمِ خنجر دیتا

تین دن تک اسے قطرہ نہ ملا پانی کا
منہ میں تھا جس کے زباں اپنی پیمبرؐ دیتا

رکھ کے کاندھے پہ علم بھائی کا بولے عباس
آج خالق ہے مجھے رتبۂ جعفر دیتا

شاہ کہتے تھے، مری بیٹی سے کیا الفت ہے
جان پانی پہ ہے عباسِ دلاور دیتا

☆

شاہ فرماتے تھے اعدا سے کہ اصغر کے لیے
آج اگر ہم کو کوئی پانی کا ساغر دیتا

کل جو وہ تشنگیِ حشر سے ہوتا مضطر
جام کوثر کا اُسے ساقیِ کوثر دیتا

لاشۂ شہ پہ اُڑھا دیتی میں، زینب نے کہا
شمرِ ملعون، مرے سر کی جو چادر دیتا

باپ سے کہتے تھے مُومُو کے وغا میں اکبر
پانی ملتا تو میں اس جنگ کو سر کر دیتا

خولی سے کہتی تھیں زینب سرِ شہ گر نہ پڑے
کیوں تکاں نیزے کو ہر دم ہے ستمگر دیتا

خاک وخوں میں وہ بھرا ہائے غضب مقتل میں
مشک کی بُو، تھا جو گیسوئے معنبر دیتا

عرش سے مرتبہ اس شخص کا ہوتا تھا بلند
شاہ کے زیرِ قدم رن میں جو تھا سر دیتا

ننگے سر بلوے میں شرماتی تھیں بنتِ زہرا
منہ چھپانے کو بھی تھا کوئی نہ چادر دیتا

حلق کٹواتے تھے سوکھے ہوئے، حضرت کے رفیق
تھا مزا پیاس میں آبِ دمِ خنجر دیتا

کہا عباس نے، اک جام سے اے اہل جفا!
خالی ہو جاتی اگر نہر تو میں بھر دیتا

جا کے خنجر سے دمِ ذبح لپٹ جاتی وہ
قسمیں زینب کو نہ گر نائبِ حیدر دیتا

شاہ کہتے تھے، مرے بچے کو مارا ناحق
تھا اذیت نہ کسی کو علی اصغر دیتا

کہا سجاد نے "فریاد ہے بابا صاحب!
مجھ کو دم لینے نہیں شمر بداختر دیتا"

بانو کہتی تھیں کہ "پانی نہیں ملتا لوگو!
ہچکیاں لے لے کے جاں ہے علی اصغر دیتا"

چھین لیتے تھے ستمگار دکھا کر نیزے
کوئی زینب کو ترس کھا کے جو چادر دیتا

شاہ کہتے تھے یہ ہے ملک مری مادر کی
مجھ کو پانی نہیں کیوں شمرِ بداختر دیتا

☆

چھن گئے کانوں سے موتی تو سکینہ نے کہا
"ہے عجب داغ مجھے شمرِ ستمگر دیتا

"میرے بابا کی نشانی تھے یہ موتی ہے ہے
اور زیور مرا لے لیتا، یہ گوہر دیتا"

شاہ بیٹے کو نہ تھے حرب کی رخصت دیتے
واسطے فاطمہ کے تھا علی اکبر دیتا

☆

کہا حاکم نے یہ زینب سے دیت لیتیں جو تم
بخوشی میں تمھیں لعل و زر و گوہر دیتا

کہا سر پیٹ کے زینب نے کہ "اماں آؤ
خوں بہا بھائی کا میرے ہے ستم گر دیتا"

شاہ فرماتے تھے "امت ہے پیمبرؐ کی عزیز
ورنہ اک آن میں غارت میں انھیں کر دیتا"

شاہ فرماتے تھے، مرتے ہیں عطش سے بچے
صبح سے پانی نہیں شام کا لشکر دیتا

شمر سے کہتی تھی زینب: "اُتر آ چھاتی سے
کیوں مرے بھائی کو ایذا ہے ستم گر دیتا؟"

خنجرِ ظلم سے کرتا ہے جسے تو بے جان
اُسی مظلوم پہ تھا جان پیمبرؐ دیتا

شاہ فرماتے تھے "میں تشنہ دہن ہونگا شہید
یہ گواہی ہے مرے خون کا محضر دیتا"

کہا عباس نے لڑتے نہ کسی سے پھر ہم
خالی مشکیزہ جو دریا سے کوئی بھر دیتا

شاہ فرماتے تھے "امت کی شفاعت کے لیے
اپنا سرِ راہِ خدا میں ہوں میں خواہر دیتا"

اپنے کُرتے میں چھپا رکھتی، سکینہ نے کہا
شمر اظلم مجھے بابا کا اگر سر دیتا

کہتے تھے شہ "مرا سر کاٹتے کیا اہلِ ستم
مُہر اگر خون کے محضر پہ نہ میں کر دیتا"

کہا زینب نے کہ "میں بھائی کا ماتم کرتی
حاکم شام اگر ایک مجھے گھر دیتا"

اپنے بھائی پہ تصدق کیے عباس نے ہاتھ
حق تعالیٰ نہ اسے لعل کے کیوں پر دیتا

شمر کہتا تھا کہ کیا شاد تھے سرور دمِ ذبح
زیرِ خنجر نہیں یوں حلق کوئی دھر دیتا

☆

شاہ فرماتے تھے "وہ تیغ ہے قبضے میں مرے
"دیں کو تھا جس سے جلا فاتحِ خیبر دیتا

"صاف ہوتی کمرِ گاوِ زمیں دو ٹکڑے
"نیچے اس تیغ کے جبرئیل نہ گر پر دیتا

"پر مجھے نانا کی امت کا یہ ہے پاس کہ میں
کیسی مظلومی سے اس راہ میں ہوں سر دیتا"

صدفِ طبع سے گوہر تو اگلتا ہے انیس
قدرداں ہوتا تو منہ موتیوں سے بھر دیتا

(64)

ہے تخت پر جلوس جنابِ امیر کا
ڈنکا ہے اب جہاں میں نبیؐ کے وزیر کا

کیفیتیں اٹھائے نہ کیوں دل فقیر کا
نشہ چڑھا ہوا ہے شرابِ غدیر کا

واقف خمارِ غم سے نہیں دل فقیر کا
پیمانہ کش ہوں بادۂ خُمِ غدیر کا

شہرہ ہے شش جہت میں حدیثِ غدیر کا
بیعت کو ہاتھ اٹھا تھا صغیر و کبیر کا

چھد جائے دل چمن میں نہ کیوں ہمصفیر کا
میری ہر اک زفیر میں عالم ہے تیر کا

ہو جائے اوج پست نہ کیوں ہمصفیر کا
طوبیٰ کے سر پہ شور ہے میری زفیر کا

غُل سن کے عندلیبِ قلم کی صریر کا
رنگ اُڑ گیا ہے صاف مرے ہمصفیر کا

دولت سے فقر کی ہے غنی دل فقیر کا
محتاج بادشاہ کا ہوں نہ وزیر کا

جاری ہے کیا ہی فیض جنابِ امیر کا
دامن دُروں سے بھرتے ہیں ابرِ مطیر کا

دیکھا ہے منہ جو تیغِ جنابِ امیر کا
بجلی بنا ہے آئینہ مہرِ منیر کا

جلوہ ہے اُس طرف بھی جنابِ امیر کا
مُنہ ہے جدھر پھرا ہوا مہرِ منیر کا

بعد از نبیؐ ہے تخت جنابِ امیر کا
سلطاں کی مملکت ہے، عمل ہے فقیر کا

اللہ رے فقر، حیدرِ گردوں سریر کا
رہتا تھا خواب گاہ میں بستر حصیر کا

دیکھو کرم رسولؐ خدا کے وزیر کا
قاتل کو بھی تخی نے دیا جام شیر کا

کرتے تھے شکر پھانک کے آردِ شعیر کا
کیا حوصلہ تھا، دیکھو جنابِ امیر کا

اثنا عشر کے گھر کا گدا ہوں، پتہ ہے یہ
بارہ دری میں رہتا ہے بستر فقیر کا

یاں اُن دنوں سے شہدِ مضامیں زباں پہ ہے
چکھا تھا جب مزہ بھی نہ مادر کے شیر کا

اک پل میں پُل صراط سے گذریں گے مومنین
جس وقت لیں گے نام جنابِ امیر کا

اے باغباں! میں بلبلِ گلزارِ قدس ہوں
سدرہ پہ آشیاں ہے مرے ہمصفیر کا

☆

اصحاب سے یہ صاحبِ معراج کہتے تھے
کیا مرتبہ ہے بادشہِ قلعہ گیر کا

پائی کسی نبی نے رسالت نہ اس قدر
دیکھا خدا سے قُرب وہ اپنے وزیر کا

پہنچا جہاں جہاں میں، نظر کی جدھر جدھر
تھا ہر جگہ ظہور جنابِ امیر کا

دو انگلیوں سے کلّہ اژدر کیا ہے دو
حیدرؑ نہ کیوں لقب ہو مرے دستگیر کا

کعبے میں دوشِ پاک نبیؐ پر رکھے قدم
اے چرخ دیکھ اوج مرے دستگیر کا

مختار عرش و فرش تھے ہر چند بوترابؑ
لیکن پسندِ طبع تھا بستر حصیر کا

☆

اس زور سے لگائی تھی قاتل نے ضربِ تیغ
شق ہو گیا تھا فرق جنابِ امیر کا

تھرا رہے تھے مسجدِ کوفہ کے بام و در
پُرخوں تھا رخ رسولؐ کے مہرِ منیر کا

سر پیٹتے تھے گرد نمازی کھڑے ہوئے
زخمی پڑا تھا شیر خدائے قدیر کا

آئی مہِ صیام کی اکیسویں جو رات
بے جاں ہُوا امام صغیر و کبیر کا

زہراؑ کی دونوں بیٹیاں سر پیٹنے لگیں
منہ ڈھانپ کر ردا سے شہِ بے نظیر کا

فرزند غُسل دے چکے جس دم تو جبرئیل
لائے کفن جناں سے شہِ قلعہ گیر کا

پوچھا حسینؑ نے یہ حسنؑ سے کہ بھائی جان
کیوں رخ ہے سبز خسروِ گردوں سریر کا

منہ پھیر کر وہ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے
تھا زہر میں بجھا ہوا تیغا شریر کا

آہ و بکا سے حشر تھا کوفہ کی راہ میں
تابوت لے چلے جو نبیؐ کے وزیر کا

قیدی دُہائی دیتے تھے، روتے تھے سب فقیر
لے لے کے نامِ پاک جناب امیر کا

رانڈیں پکارتی تھیں کہ ہے ہے غضب ہوا
وارث اٹھا جہاں سے یتیم و اسیر کا

پوچھے کوئی پتہ تو یہ کہہ دیجیو انیس
ہے وادی السلام میں بستر فقیر کا

(65)

سنبلِ تر ہے پریشاں زلفِ اکبر دیکھ کر
کٹ گیا ہے ماہِ تاباں روئے انور دیکھ کر

آب ہو جائے گا حسنِ روئے اکبر دیکھ کر
سامنے آئینہ لانا، اے سکندر دیکھ کر

جب چلی اعدا پہ تیغِ شہ، پکارے جبرئیل
یا حسینؑ ابنِ علیؑ! خادم کے شہپر دیکھ کر

حشر تھا اہلِ حرم میں وقتِ قتلِ شاہِ دیں
روتے تھے دشمن بھی شہ کو زیرِ خنجر دیکھ کر

خم ہوئی شہ کی کمر، ہاتھوں کی طاقت گھٹ گئی
دونوں شانوں سے قلم، دستِ برادر دیکھ کر

کی رسائی بختِ حُر نے جب، تو پہنچا شہ کے پاس
آ گیا خود راہ پر جنت کا رہبر دیکھ کر

جب جھپٹ کر بابِ خیبر کو اُکھاڑا آپ نے
ہو گئے کفار ششدر، زورِ حیدرؑ دیکھ کر

کربلا کے بن میں جا پہنچے جو شاہِ بحر و بر
خوش ہوئے مقتل کو سب انصار و یاور دیکھ کر

مسکرائے دیکھ کر صحرا کو ہم شکلِ نبیؐ
تن گئے دریا کو عباسِ دلاور دیکھ کر

ہو چکیں جس وقت مُہریں فردِ قتلِ شاہ پر
رو دیے خود شاہ اپنے خوں کا محضر دیکھ کر

خاک پر بیدم پڑے ہیں سب عزیز و اقربا
روتے ہیں شبیرؑ لاشوں کو برابر دیکھ کر

کہتے تھے یہ حلق ہے نانا کا میرے حلق پر
پھیرنا شمشیر او شمرِ ستم گر دیکھ کر

خلد میں یاد آئی جب عباس کو بچوں کی پیاس
رو دیا وہ باوفا بھی سوئے کوثر دیکھ کر

بے ردا بلوے میں اس کی بیٹیاں در در پھریں
ہو گئے کافر مسلماں جس کی چادر دیکھ کر

پیشِ خالق سب ہیں یکساں، رشک او غافل نہ کر
آپ کو کم دیکھ کر، اوروں کو برتر دیکھ کر

آسماں پر شرم سے برقِ درخشاں چھپ گئی
ذوالفقارِ حیدرِ صفدر کے جوہر دیکھ کر

صرۂ خاکِ شفا سے یوں کھلا تربت میں دل
جس طرح بلبل ہو بالیدہ گُلِ تر دیکھ کر

کربلا کو ہند سے جاتے اگر ہم اے انیس
شاد ہو جاتے وہ صحرائے منور دیکھ کر

(66)

مجرئی! صدقے ہوں اُس درگاہ پر
فوق ہے جس کے گدا کو شاہ پر

خاصگانِ کبریا ہیں پنجتن
ہے انھیں بندوں کا حق اللہ پر

مدتوں حُرِ جری بھٹکا پھرا
مل گئی جنت تو آیا راہ پر

بخشش و ہمت، عطا و عدل و داد
ختم ہے آلِ رسولؐ اللہ پر

چہرۂ اکبر سے کیا تشبیہ دوں
چھائیاں ہیں صاف روئے ماہ پر

☆

لاشۂ بے سر پڑا ہے قبلہ رو
دھوپ ہے خیرالنسا کے ماہ پر

طائرانِ کربلا و نینوا
سایۂ شہپر کیے ہیں شاہ پر
جب بندھا سہرا تو قاسم نے کہا
موت ہنستی ہے ہمارے بیاہ پر

☆

جب بڑھے شہ بہرِ استقبالِ حُر
غل تھا، صدقے سیدِ ذیجاہ پر
حُر نے بیٹے سے کہا، اے نورِ عین
سر کو رکھ دے جا کے پائے شاہ پر
چاہ پیاسے تک کبھی آتا نہیں
دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر
دھوپ میں روکی جو حضرت نے سپر
آ گیا بدلی کا ٹکڑا ماہ پر

☆

شاہ کہتے تھے کہ فانی ہے جہاں
لوگ کیوں مرتے ہیں حُبِّ جاہ پر
مال کیا ہے گر کوئی مانگے تو ہم
جان دیتے ہیں خدا کی راہ پر
پیاس، فاقے، بیکسی، ایذائے قید
ظلم تھے آلِ رسولؐ اللہ پر

☆

جب سر بیرالعلم آئے علی
طعنہ زن تھا روئے روشن ماہ پر
کہتی تھیں پریاں سلیماں کی قسم
حضرتِ یوسف کھڑے ہیں چاہ پر
اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیس
یاں توکل ہے سدا اللہ پر

(67)

ہر چشم ہے بحرائی کی دریا کے برابر
ہے اشک ہر اک گوہر یکتا کے برابر
جو جنگ میں آیا شہِ والا کے برابر
دو ٹکڑے ہوا تیغِ علی کھا کے برابر

شبیر کو رو لیں کہ ہمیں بحرِ جہاں میں
مہلت ہے حبابِ لبِ دریا کے برابر
عابد نے کہا گور بھی پائی نہ چہل روز
مظلوم نہ ہو گا کوئی بابا کے برابر

زینب نے کہا رن سے مرے لاڈلے آئے
زخمِ تبر و تیر و سناں کھا کے برابر
حُر آیا جو ملنے کو تو انصار کھڑے تھے
صف باندھے ہوئے مرکب مولا کے برابر

بابا سے جو بچھڑی تو ہوئی پھر نہ ملاقات
دکھیاری نہ ہو گی کوئی صغریٰ کے برابر

سجادِ حزیں کہتے تھے، بہتر تھا جو بنتی
جنگل میں مری قبر بھی مولا کے برابر

کہتا تھا ہر اک دیکھ سرِ شہ کو سروں میں
نکلا ہے قمر عقدِ ثریا کے برابر

سب مل کے لعیں کرتے تھے شبیرؑ پہ حملہ
تنہا نہ کوئی آتا تھا، تنہا کے برابر

جاری تھا جو آبِ دمِ شمشیر گلوں پر
پیاسوں کا لہو بہتا تھا دریا کے برابر

کانٹوں پہ وہ شہزادہ پیادہ چلے افسوس
جس کے کفِ پا ہوں یدِ بیضا کے برابر

زینبؑ نے کہا شمر! نہ ہاتھ اس کو لگانا
ہے میری رِدا چادرِ زہراؑ کے برابر

☆

پڑھتے تھے رجز یوں شہِ ابرار بہ تکرار
جا جا کے صفِ لشکرِ اعدا کے برابر

سلطانِ رسالتؐ کے میں کاندھے پہ چڑھا ہوں
رتبہ ہے مرا عرشِ معلا کے برابر

محبوبِؐ خدا، ختمِ رسلؐ، صاحب معراجؐ
ہے کون جہاں میں مرے نانا کے برابر

ماں فاطمہؑ زہرا سی ہے عالم میں کسی کی
بابا ہے کسی کا مرے بابا کے برابر

کہتی تھی سکینہ کو ملے تھوڑا سا پانی
قطرہ بھی ہے اس پیاس میں دریا کے برابر

لاکھوں ہی اُدھر تھے پہ نہ تھا ایک جواں بھی
عباسِ علی کے قدِ بالا کے برابر

شہ تیغ تلے کہتے تھے امت کو الٰہی!
محشر میں ہو راحت، مری ایذا کے برابر

☆

حاکم نے کہا شمر سے، صورت مجھے دکھلا
زینب کی مرے تخت کے تو لا کے برابر

عابد نے کہا، شان و بزرگی میں یہ بی بی
ہے پیشِ خدا حضرتِ زہراؑ کے برابر

باپ اس کا ہے آفاق میں فخرِ بنی آدم
رتبے میں یہ ہے مریمؑ و حواؑ کے برابر

دم لے لے کے کیونکر نہ چلوں، کہتے تھے سجادؑ
دل میں بھی پھپھولے ہیں کفِ پا کے برابر

شہ کہتے تھے، ریتی میں کیا بھائی نے آرام
مجھ کو بھی سُلا دو، مرے شیداؑ کے برابر

جب رانڈ ہوئی، زوجۂ عباس تو بولی
جا بیٹھتی ہوں فاطمہ کبریٰ کے برابر

کبریٰ نے کہا لاشۂ نوشاہ پہ ہے ہے
دلہن کی بنی قبر نہ دلہا کے برابر

☆

چھوٹے نے کہا کتنا کہ پہلے مجھے کر قتل
واللہ بڑا بھائی ہے بابا کے برابر

کچھ بچوں پہ مسلم کے نہ قاتل نے کیا رحم
سر کاٹ لیے دونوں کے بٹھلا کے برابر

عباس گئے نہر پہ اکبر سے یہ کہہ کر
شمر آنے نہ پائے مرے آقا کے برابر

دیر اُس کے کرم کی ہے انیس جگر افگار
ادنیٰ ابھی ہو جاتا ہے اعلیٰ کے برابر

(68)

کچھ اور جز سخن نہیں، اہلِ سخن کے پاس
مجرائی! کیا زباں کے سوا ہے، دہن کے پاس

مجرائی! گھر ملے گا امامِ زمن کے پاس
ہوتا ہے آشیانۂ بلبل چمن کے پاس

کس کو فشارِ قبر کی دہشت ہے قبر میں
آنسو ہمارے ساتھ ہیں صَرّے کفن کے پاس

کہتے تھے دیکھ کر لب و دندان شہ کو لوگ
ثمرن دُرِ عدن کی ہے لعلِ یمن کے پاس

چلائی بانو دیکھ کے صغریٰ کو قبر میں
مجھ کو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عون و محمد ہوئے شہید
روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

قاسم جو مر گئے تو کہا رو کے شاہ نے
پہنچی حسنؑ کی آج امانت، حسنؑ کے پاس

سو فار جس کا تر نہ ہو خونِ حسینؑ سے
ایسا نہ تیر تھا کسی ناوک فگن کے پاس

صدمے سے کانپنے لگے عابد کے ہاتھ پاؤں
جس وقت بیڑیاں نظر آئیں رسن کے پاس

شہ پڑھ چکے جو عقد تو آئے سلام کو
دلہا کے پاس موت، رنڈاپا دلہن کے پاس

زینب یہ بولیں، صدقے میں کرتی ہوں اپنے لال
بھائی نہیں ہے اس کے سوا کچھ بہن کے پاس

صغریٰ یہ بولیں، آیا نہ اب تک جواب خط
کیا نامہ بر نہیں گیا، شاہِ زمن کے پاس

دریا پر حرملہ نے لگایا لبوں پہ تیر
چلو بھی لائے تھے نہ شہِ دیں دہن کے پاس

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں
یا رب لحد انیس کی ہو کفش کن کے پاس

(69)

شہ کو ستایا مجرئی! اعدا نے یاں تلک
فریادِ اہلِ بیت گئی لامکاں تلک

سینہ سپر کیے رہے عباس وقتِ جنگ
آنے دیے نہ تیر شہِ انس و جاں تلک

کیا شہ کو اپنے نانا کی اُمت کا پاس تھا
شکوے کا حرف دل سے نہ آیا زباں تلک

تیروں نے چھانی مشک تو عباس نے کہا
کس منہ سے جاؤں سرورِ تشنہ دہاں تلک

شبیرؑ پر فدا ہوئے کھا کھا کے تیغ و تیر
کیا جاں فشاں تھے پیر سے لیکر جواں تلک

شہ کے رفیق کہتے تھے، پائیں جو اذنِ جنگ
سود، اپنا ہم سمجھتے ہیں جی کے زیاں تلک

شہ مُنہ کو دیکھ دیکھ کے اکبر کا کہتے تھے
اپنی تو زندگانی ہے اس نوجواں تلک

اصغر ہوا شہید تو اعدا سے بولے شاہ
سبطِ نبیؐ پہ ظلم کرو گے کہاں تلک

صغریٰ یہ کہتی تھی کہ مری جان جاتی ہے
پہنچا دے اب تو کوئی مجھے بابا جاں تلک

مسلم کے لاڈلوں کی اجل تھی جو سدِ راہ
دوڑے، ولے پہنچ نہ سکے کارواں تلک

فضہ سے بانو کہتی تھی، اکبر سے جا کہ کہہ
صدقے گئی، کھڑے ہو جاؤ ماں تلک

یوں غازی ہنستے جاتے تھے، مقتل کو جس طرح
جائے برائے سیر کوئی گلستاں تلک

کہتا تھا شمر ہووے گی راحت مجھے کمال
پہنچے گا رنج، سبطِ نبیؐ کو جہاں تلک

وعدے نے طول کھینچا تو صغریٰ یہ کہتی تھی
اکبر کے راہ آنے کی دیکھوں کہاں تلک

تھیں بیڑیاں بھی گوشت میں پیوست ہو گئی
عابد کے پاؤں سوج گئے تھے یہاں تلک

شبیرؑ کو نہ چین ملا بعدِ قتل بھی
پہنچوں سے ہاتھ کاٹ گیا سارباں تلک

باندھی تھی پیشوائیِ شبیرؑ کے لیے
مقتل سے صف فرشتوں نے باغِ جناں تلک

کہتے تھے شہ حرم سے کہ اس طرح روئیو
باہر کوئی سُنے نہ صدائے فغاں تلک

سجاد مقتلِ شہدا پر یہ کہتے تھے
آئی نہ کس لیے اجل اس ناتواں تلک

جس نے بہار دیکھی ہو باغِ رسولؐ کی
اس کو تو خار خار ہے جینا خزاں تلک

خیمہ جلا تو کہتے تھے عابد کہ تپ میں بھی
پہنچی گدازِ آتشِ غم استخواں تلک

بھاری تھا اس قدر کہ لعیں لے نہ جا سکے
عابد کو لائے کھینچ کے طوقِ گراں تلک

زنداں میں رو رو ماں سے سکینہ یہ کہتی تھی
پہنچوں گی کس طرح پدر مہرباں تلک

دو نہریں آنسوؤں کی بہا کرتی تھیں مدام
ہجر پدر میں روتے تھے سجاد یاں تلک

آ کر سنا جو ہند نے زینب سے شہ کا حال
زنداں سے پیٹتی گئی اپنے مکاں تلک

دیکھیں گے ہم بھی روضۂ شبیر کو انیس
پہنچائے گا نصیب گر اس آستاں تلک

(70)

اشکوں کا شور ہے مری چشم پُرآب میں
دریا بھرے ہوئے ہے سلامی! احباب میں

مومن کو کچھ نہیں ہیں خطر منکر و نکیر
حیدرؑ شریک ہوں گے، سوال و جواب میں

مظلومیِ حسینؑ کا مجلس میں ذکر ہے
یارو بُکا کرو، کہ ہو داخل ثوابؔ میں

کرتا جو ابنِ ساقیِؑ کوثر سوالِ آب
آتے تھے تیرِ ظلم، اِدھر سے جواب میں

اکبر کے رُخ کو دیکھ کے، کہتے تھے اہلِ شام
دیکھا نہیں یہ نور کبھی آفتاب میں

روتا ہوں جب کہے کوئی ''مظلومِ کربلا''
کیا بیکسی بھری ہوئی ہے اس خطاب میں

سہرا نہ دیکھا بانو نے اکبر کے بیاہ کا
ارماں یہ رہ گیا دلِ پُر اضطراب میں

پیری میں اُس پدر کے کلیجے کو دیکھیے
فرزند جس کا قتل ہو عینِ شباب میں

اکبر جہاں سے اُٹھ گئے ناشاد و نامراد
برچھی ستم کی سینے پہ کھائی شباب میں

ہنگامِ ذبح کہتے تھے شہ "شکر اے کریم
کیا کیا مزے ملے مجھے خنجر کی آب میں"

سجاد کے گلے میں تھا یوں طوقِ آہنی
لگتا ہے جس طرح سے گہن آفتاب میں

☆

کہہ کر چلا یہ حُرِ جری جانبِ امام
دشتِ خطا سے جاتا ہوں راہِ صواب میں

آئی ندائے غیب کہ گھوڑے سے جلد اُتر
ہے پا پیادہ فاطمہؑ تیری رکاب میں

زینب یہ کہتی تھیں، نہ بچے گا علی کا لال
اماں برہنہ سر نظر آتی ہیں خواب میں

☆

مرنے کو جب چلے تو بجز بیکسی نہ تھا
کوئی رکابِ سبطِ رسالت مآبؐ میں

اک بار آئی عالمِ بالا سے یہ صدا
کس شوق سے چلا ہے تو راہِ صواب میں!

ہاں اے سوارِ دوشِ محمدؐ! سوار ہو
روح الامیں کا ہاتھ ہے تیری رکاب میں

ڈھالوں میں یوں در آتی تھی شمشیرِ شاہِ دیں
جیسے چمک کے گرتی ہے بجلی سحاب میں

☆

سجاد سے جو پوچھتا زخموں کا شہ کے حال
کہتے تھے، درد ہے دلِ پُر اضطراب میں

تن پر ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے
زخمِ گلو نہیں ہے مگر اس حساب میں

☆

زنداں میں کہتی تھی یہ سکینہ کہ تم بغیر
کٹتا ہے دن قلق میں تو شب اضطراب میں

ظاہر میں تم گر آ نہیں سکتے تو بابا جان!
بیٹی کو آ کے شکل دکھا جاؤ خواب میں

زینب نے شمر سے کہا: بیٹی نبیؐ کی ہوں
مُنہ تو مجھے چھپانے دے ظالم! نقاب میں

جب زخمِ شہ نہ گن سکے عابد تو یہ کہا
"اِن کا شمار ہووے گا روزِ حساب میں"

شام و سحر دعا ہے خدا سے یہی انیس
ہوں خاک روضۂ خلفِ بوترابؑ میں

(71)

تحریر کی جو مجرئی! شہ کے علَم کی شان
راقم کے ہاتھ میں ہوئی دُونی قلم کی شان

عباس نے جو دوش پہ رکھا دمِ نبرد
پرچم سے اور شاہِ شہیداں کی چمکی شان

خورشید شرم سے کئی دن تک چھپا رہا
نیزے پہ دیکھ کر سرِ شاہِ اُمم کی شان

روئیں نہ کیوں ہلالِ محرم کو دیکھ کر
ناخن بدل ہے، سبطِ پیمبرؐ کے غم کی شان

ہو کر سوار گھوڑے پہ، لڑنے کو جب چلے
حیراں ملک تھے دیکھ کے شاہِ اُمم کی شان

ہے کثرتِ ہلال سے رشکِ فلک زمیں
دیکھو سمندِ شاہ کے نقشِ قدم کی شان

چھینیں جو سر کی چادریں، یہ کہہ کے شمر نے
بس ہو چکی حسینؑ کے جاہ و حشم کی شان

سجاد بولے، مالکِ تطہیر ہیں یہ لوگ
موقوف چادروں پہ نہیں ہے حرم کی شان

قاسم چلے جو رن کو تو ماں بولی بیبیو!
دیکھو مرے مسافرِ ملکِ عدم کی شان

سوئے فرات مشک و عَلَم لے کے جب چلے
شہ بولے "کوئی دیکھے سکینہ کے عم کی شان"

ہو جائے غرق جوئے خجالت میں اے انیس
دیکھے اگر سحاب مری چشمِ نم کی شان

(72)

جب شہ کا حلق، مجرئی! پانی سے تر نہ ہو
کس طرح آب آب صدف میں گہر نہ ہو

جو غم میں شہ کے، اشکوں سے دامن کو تر رکھے
نارِ جحیم کا کبھی اُس پر اثر نہ ہو

کہتی تھی فوجِ شام، سخی تھے بہت حسینؑ
گھر میں عجب نہیں ہے اگر مال و زر نہ ہو

کہتی تھی بانو، کور ہوں آنکھیں تو خوب ہے
تصویر جب حسینؑ کی پیشِ نظر نہ ہو

فوجیں اُدھر کمک کو جو آئیں تو بولے شاہ
کافی مدد خدا کی ہے، کوئی ادھر نہ ہو

اکبر چلے جو مرنے تو بانو نے یہ کہا
آنکھوں سے اوجھل اے مرے رشکِ قمر نہ ہو

زینب یہ رو رو کہتی تھی، جُز ذات کبریا
فریادی کس سے ہوں، جو کوئی داد گر نہ ہو

آیا جو خوان، دل میں یہ گزرا سکینہ کے
اس خوان میں کہیں مرے بابا کا سر نہ ہو

شبیرؑ کہتے تھے کہ مجھے غم ہے میرے بعد
عابد کا حال اور بھی زیر و زبر نہ ہو

کہتے تھے شہ سے بھانجے، ہم چاہتے ہیں یہ
قربان تم پہ ہم سے کوئی پیشتر نہ ہو

عباس بولے تیروں سے چھاتی چھدے چھدے
سوراخ دار مشکِ سکینہ مگر نہ ہو

کہتے تھے شامی، حُر کی طرح ہم بھی جا ملیں
گر ابنِ سعد کا ہمیں خوف و خطر نہ ہو

مسلم کے بیٹے کیوں نہ بھٹکتے پھریں، کہ جب
تاریک شب ہو اور کوئی راہبر نہ ہو

تو جس کی ماں کے مہر میں ہوائے شطِ فرات
کیا قہر ہے کہ پانی سے حلق اس کا تر نہ ہو

کہتی تھی بانو، میں پیوں پانی ہزار حیف
اور آب سے زباں علی اصغر کی تر نہ ہو

آئے حرم تو کوفہ کے حاکم کا تھا یہ حکم
آتا ہے سر حسینؑ کا کچھ شور و شر نہ ہو

سجاد کہتے تھے کہ اٹھا لے اب، اے خدا!
کیا لطفِ زندگی ہے جو سر پر پدر نہ ہو

کہتی تھی بنتِ ہند یہ بنتِ حسینؑ سے
لو مجھ سے تم پہننے کو زیور اگر نہ ہو

''سر کو جھکا کے شرم سے، دیتی تھی وہ جواب
کیوں کر کہوں کہ تجھ کو مفصل خبر نہ ہو

تیرے پدر نے باپ کا میرے کیا ہے خوں
کس طرح خستہ حال یہ تشنہ جگر نہ ہو

سجاد رن میں کہتے تھے رو کر کہ کیوں فلک
بابا تو ٹکڑے تیغوں سے ہو اور پسر نہ ہو

خنجر کے نیچے شاہ یہ کہتے تھے اے خدا!
مجھ کے بعد پھر زینب خستہ جگر نہ ہو

ہیں گال زخمی، کان طمانچوں سے لال ہیں
ایسے صغیر سن میں کوئی بے پدر نہ ہو

صغریٰ ہر اک سے کہتی تھی، کیونکر نہ روؤں میں
مادر تو پاس ہووے جو سر پہ پدر نہ ہو

کیوں کر گناہ گاروں کی ہو مغفرت انیس
حامی جو روز حشر شہ بحر و بر نہ ہو

(73)

سلامی! کہتے تھے اعدا، رلاؤ زینب کو
سر حسین سناں پہ دکھاؤ زینب کو

جلا کے خاک کرو جلد خیمہ ہائے حسین
برہنہ سر، سر اشتر بٹھاؤ زینب کو

حسین امام کو جس سے کیا ہے رن میں شہید
وہ خوں بھرا ہوا خنجر دکھاؤ زینب کو

نہ نکلے دختر زہرا جو خیمے سے باہر
پکڑ کے ہاتھ ابھی کھینچ لاؤ زینب کو

ردا جو آپ سے دیوے نہ دخترِ زہرا
برہنہ تیغ دکھا کر ڈراؤ زینب کو

حسینؑ جیتا نہیں، جو حمایت اس کی کرے
ستایا جائے جہاں تک ستاؤ زینب کو

پکڑ کے لائے ہیں خیبر شکن کی بیٹی کو
یہ کہہ کے شام میں در در پھراؤ زینب کو

☆

وہ بنتِ فاطمہ، افسوس جس کے حق میں حسینؑ
حرم سے کہتے تھے، سمجھا کے لاؤ زینب کو

ہمارا نام لو، بیبیوں کو گر وہ روتی ہو
اٹھا بٹھاؤ اگر غش میں پاؤ زینب کو

برہنہ سر جو پڑی خاک پر تڑپتی ہو
ردائے حضرتِ زہراؑ اڑھاؤ زینب کو

جو بنتِ فاطمہ کو ڈھونڈیں لوٹنے والے
تمھیں یہ چاہیے، اُس دم بچاؤ زینب کو

ہمارے پیچھے، نہ میداں میں وہ چلی آوے
حسینؑ جاتا ہے مرنے، چھپاؤ زینب کو

سر اپنا پیٹ کے مر جائے گی بہن میری
دکھائیو نہ مرے تن کے گھاؤ زینب کو

بہن کا حال عجب تھا دمِ وداعِ حسینؑ
پکارتی تھی کہ چھوڑے نہ جاؤ زینب کو

صدائے فاطمہ آئی کہ اے مرے شبیر!
تڑپ رہی ہے گلے سے لگاؤ زینب کو
کہو! نہ روؤ کہ زہرا کی چھاتی پھٹتی ہے
خدا رسولؐ کی قسمیں دلاؤ زینب کو

☆

امام ہوتے تھے زخمی تو کہتے تھے اعدا
جو خیمے سے نکل آئے، دکھاؤ زینب کو
وہ کہتی تھی درِ خیمہ پہ بھائی کے بدلے
خدا کے واسطے نیزے لگاؤ زینب کو

☆

کہا عمر نے یہ: بھائی کو چھوڑے گی نہ بہن
بزور، لاشۂ شہ سے چھڑاؤ زینب کو
دیا یزید نے جلاّد کو یہ طیش میں حکم
بہ ظلم قتل کرو، کھینچ لاؤ زینب کو
پکارے اہلِ حرم رو کے، یا شہِ مرداں!
یہی ہے وقت مدد کا، بچاؤ زینب کو
حسینؑ زخمی ہوئے جب بہت، تو دل سے کہا
پھر ایک بار چلو، دیکھ آؤ زینب کو

☆

لپٹ کے لاشۂ شہ سے یہ بولی بنتِ علی
خدا کے واسطے بھیا بلاؤ زینب کو

بہن کے جینے کا دنیا میں اب مزا نہ رہا
پدر سے، نانا سے، ماں سے ملاؤ زینب کو

گلا کٹانے دیا کیوں نہ اپنے بدلے مجھے
میں تم سے روٹھ گئی ہوں، مناؤ زینب کو

جب آئی کوفہ کے بازار میں تو چلائی
علی کی قبر کا رستہ بتاؤ زینب کو

اُترنے پائی نہ جب اونٹ سے تو رو کے کہا
تم آ کے قید سے بابا چھڑاؤ زینب کو

☆

کہا یزید نے جب شمر سے سرِ دربار
کدھر ہے دخترِ زہراؑ، دکھاؤ زینب کو

چھپا کے ہاتھوں سے منہ کو یہ بولی شہ کی بہن
خدا کے واسطے لوگو چھپاؤ زینب کو

چلے وطن کو سجادؑ، بعدِ دفنِ امام
کہا سوار ہوں پہلے، بلاؤ زینب کو

لپٹ کے بھائی کی تربت سے بولی وہ رو رو
نہ جاؤں گی میں، یہیں چھوڑ جاؤ زینب کو

میں ایک دم کبھی جس بھائی سے جدا نہ ہوئی
مزار سے تو نہ اُس کے اٹھاؤ زینب کو

کتنا عرصہ ہوا؟ کوفہ ہیں، خدا خیر کرے
کیا یہ تقدیر سنائے گی، سنانی مجھ کو

شاہ کہتے تھے کہ اس دشت میں ہوں گا میں شہید
یہ خبر پہنچی ہے نانا کی زبانی مجھ کو

شاہ کہتے تھے کہ ہوتا ہے جگر سو ٹکڑے
یاد جب آتی ہے اکبر کی جوانی مجھ کو

[illegible] آہ اے دلِ محزوں
یاد جب آتی غمِ شہ کی کہانی مجھ کو

(75)

سر گئے نیزوں پہ [illegible] سرِ شبیر کے ساتھ
بیبیاں قید میں تھیں زینبِ دلگیر کے ساتھ

فوج سے شمر و عمر کہتے تھے ہشیار رہو!
ہیں جوانانِ عرب حضرتِ شبیر کے ساتھ

بانو کہتی تھی کہ بیٹے تھے مرے لے لے کر
کیا محبت تھی انہیں اصغرِ بے شیر کے ساتھ

طوق بھاری ہے یہ اعدا سے کہا عابد نے
تھامنے والے چلیں، طوق کو زنجیر کے ساتھ

کہا صغریٰ نے کہ یہ بھی مری قسمت کا لکھا
سب تو ہوں اور میں نہ ہوں حضرتِ شبیر کے ساتھ

پیشوائی کے لیے آئے نبیؐ جنت سے
حُر گیا خلد میں کس عزت و توقیر کے ساتھ

رن میں اس درد سے مظلومی بیاں کی شہ نے
رو دیا ظالموں نے شاہ کی تقریر کے ساتھ

شہ نے سینے سے جو کھینچا تو یہ بولے اکبر
نکلا آتا ہے کلیجہ بھی مرا تیر کے ساتھ

☆

کیا عابد نے سرِ شاہ سے رو رو کے بیاں
قید ہو کر میں چلا لشکرِ بے پیر کے ساتھ

آپ کے ساتھ گئے بھائی، چچا سب مارے
کوئی ہمدرد نہیں عابدِ دل گیر کے ساتھ

نکلے شہ خیمے سے تنہا، تو پکاری زینب
آج مرنے کوئی جاتا نہیں شبیر کے ساتھ

شاہ پھر پھر کے ہر اک بی بی کو سمجھاتے تھے
رہیو ہر حال میں صابر، مری ہمشیر کے ساتھ

آئی جب یادِ پدر، چوم لیا قبضے کو
اُنس تھا شاہ کو کیا حیدری شمشیر کے ساتھ

چلتے تھے کانوں پہ سجاد تو آ جاتی تھی
آہِ زہراؑ کی صدا، نالۂ زنجیر کے ساتھ

میں نے کاٹا سرِ شہ، شمر نے حاکم سے کہا
مجھ کو خلعت بھی ملے منصب و جاگیر کے ساتھ

سن کے غش آ گیا صغریٰ کو کسی نے جو کہا
روتے آتے ہیں حرم عابدِ دل گیر کے ساتھ

شہ نے عباس کا اک ہاتھ علم پر پایا
دوسرا ہاتھ ملا قبضۂ شمشیر کے ساتھ

بانو کہتی تھی، بھری خون سے ہے ہے اکبر
اُنس تھا مجھ کو تری زلفِ گرہ گیر کے ساتھ

حاکمِ شام نے چھنوایا سکینہ سے جو سر
تخت تک دوڑی گئی، باپ کی تصویر کے ساتھ

لکھا صغریٰ نے، مجھے لینے نہ آئے اکبر
بھائی شاید تمھیں الفت نہیں ہمشیر کے ساتھ

سر کو کٹوا کے لیا ملکِ شہادت شہ نے
فتح کی جنگ، عجب طرح کی تدبیر کے ساتھ

شمر سے ہر گھڑی اس فوج میں کہتا تھا عمر
"سامنا کیجیو عباس کا، تدبیر کے ساتھ"

شام میں خطبہ وہ منبر پر فصاحت سے پڑھا
مدعی روتے تھے، سجاد کی تقریر کے ساتھ

رفقا تھے شہِ بیکس کے وفادار ایسے
شام تک سر گئے جن کے سرِ شبیر کے ساتھ

رن میں اصغر پہ چلا تیر، ادھر بانو کا
رنگِ رُخ اُڑ گیا آوازِ پرِ تیر کے ساتھ

شہ نے عباس سے فرمایا کہ لڑیو نہ کہیں
پانی ہاتھ آئے تو لے آئیو تدبیر کے ساتھ

حاکمِ شام نے خولی سے کہا جب آ کر
قیدی آئے ہیں حرم بھی سرِ شبیر کے ساتھ

حُر کو آتی تھی صدا، کیوں کانپتا ہے مثلِ بید
نار کا ڈر ہے تو چل نورِ خدا کے سامنے

واہ ری رحمت کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈا کر دیا
آگ پانی ہو گئی خاکِ شفا کے سامنے

☆

معجزے سے آپ نے عفریت کے باندھے جو ہاتھ
مدتوں روتا پھرا وہ انبیا کے سامنے

پر کسی سے اس کی مشکل کا نہ عُقدہ حل ہوا
وہ گرہ آخر کھلی مشکل کُشا کے سامنے

دے گا شہ کی بے گناہی پر شہادت روزِ حشر
خنجرِ قاتل، زباں بن کر خدا کے سامنے

☆

کہتے تھے عباس، بہکاتا ہے کیا او شمرِ شوم
دم بھی نکلے گا تو شاہِ کربلا کے سامنے

مجھ سے کہتا ہے کہ آقا کی رفاقت چھوڑ دو
یہ دغا بازی کی باتیں، باوفا کے سامنے

اُس سے زر بنتا ہے اور اِس سے گنہ ہوتے ہیں پاک
قدر کیا اکسیر کی خاکِ شفا کے سامنے

تن میں رعشہ پڑ گیا، پیری سے گردن خم ہوئی
اب تو جھک سجدے میں او سرکش! خدا کے سامنے

عرش پر دستِ علیؑ نکلا حجابِ نور سے
شیر کا کاسہ جب آیا مصطفےٰؐ کے سامنے

کور باطن تھا حُرِ غازی، مگر اللہ رے فیض
قلب روشن ہو گیا، نورِ خدا کے سامنے

تیرے بندے اور امامِ بت شکن کے ہیں غلام
حشر کے دن ہم یہ کہہ دیں گے خدا کے سامنے

روضۂ شہ میں صدا آتی ہے یہ زوّار کو
دیکھ یاں بابِ اجابت ہے دُعا کے سامنے

حُر نے بیٹے سے کہا، ہاتھوں کو اپنے باندھ کر
یوں چلو لختِ دلِ مشکل کشا کے سامنے

کیا سخاوت تھی کہ چھپ چھپ کر علیؑ ہنگامِ شب
آپ لے جاتے تھے کھانا ہر گدا کے سامنے

حشر میں اک اور ہوگا حشر جس دم فاطمہؑ
لائے گی شہ کا سرِ پُرخوں خدا کے سامنے

روضۂ سرور پہ پہنچا دے، ہماری روح کو
ملتجی رہتا ہوں میں بادِ صبا کے سامنے

☆

جب چڑھا جلّاد سینے پر تو حضرت نے کہا
روک لے اپنی ردا، آلِ عبا کے سامنے

دوڑی آئے گی وہ مقتل میں کہ عاشق ہے مری
ذبح کر مجھ کو نہ بنتِ مرتضےٰ کے سامنے

شیرِ خدا ہوں، تیغ کا قبضہ ہے ہاتھ میں
ضربِ خدا کی کس کو زمانے میں تاب ہے؟

ماں میری فاطمہؑ ہے، علیؑ ہے پدر مرا
نانا مرا جنابِ رسالت مآبؐ ہے
کہتے تھے شاہ، نہر سے پانی دو ظالمو!
اصغر کی جان آنکھوں میں مثلِ حباب ہے

☆

دکھلاتے بچے خشک زبانیں تو کہتے شاہ
کیا بے گناہوں پر ستمِ بے حساب ہے
کانٹے ہر ایک گل کے دہن میں ہیں پڑ گئے
اس درجہ باغِ فاطمہؑ میں قحطِ آب ہے
سجاد کہتے تھے، رخِ اکبر کے دھیان میں
دل کو بسانِ قبلہ نما اضطراب ہے

☆

کہتے تھے لوگ دیکھ کے زینب کو شام میں
یہ نورِ چشمِ بنتِ رسالت مآبؐ ہے
اُٹھا تھا جس کی ماں کا جنازہ بھی رات میں
افسوس، دن کو بلوے میں وہ بے نقاب ہے
کہتے تھے شاہ، جا کے پھر آتے ہیں خشک لب
یہ آب میرے لوگوں کی خاطر سراب ہے

کی صف شکنی جو شہ نے تو اعدا میں تھا یہ شور
تھوڑا سا لشکرِ شہِ عالی جناب ہے

پر کیسے یہ دلبر ہیں، کیسے حسیں ہیں یہ
ہے کوئی آفتاب، کوئی ماہتاب ہے

کس کس جری کے شکل و شمائل کو دیکھیے
واللہ ایک ایک جواں انتخاب ہے

☆

آئی صدا یہ چرخ سے شہ کو دمِ وغا
حملے کی تیرے کس کو زمانے میں تاب ہے

حیدر کی ذوالفقار کو جلدی غلاف کر
ورنہ بنائے، ہستیِ عالم خراب ہے

تجھ کو جلال ہے، تو ہمیں بھی جلال ہے
غصہ ترا حسینؑ! ہمارا عتاب ہے

روزِ شمار سے تو ہراساں ہے کیوں انیس
آقا ترا تو شافعِ یوم الحساب ہے

(79)

اے مجرئی! فریاد و فغاں کر کے نہ روئے
افسوس ہے شبیرؑ کو جی بھر کے نہ روئے

حیرت ہے کہ ان لوگوں نے کیا آنکھوں سے دیکھا
ماتم میں جو فرزندِ پیمبرؐ کے نہ روئے

دم مارا نہ شہ نے غمِ عباس میں ورنہ
ممکن ہے، کوئی غم میں برادر کے نہ روئے

کیا قہر ہے، مقتل میں تھا رانڈوں پہ بھی یہ حلم
لاشے پہ کوئی سبطِ پیمبرؑ کے نہ روئے

شہ روئے بہت، مر گئے جب عون و محمد
خیمے میں مگر سامنے خواہر کے نہ روئے

اکبر گئے رن میں تو عجب حال تھا دل کا
پر اہلِ حرم خوف سے سرور کے نہ روئے

کہتی تھی یہ بانو کہ مجھے آتا ہے وسواس
لوگو! کوئی پیچھے علی اکبر کے نہ روئے

بے چین ہوں، بانو سے یہ کہتا تھا سرِ شاہ
بیٹی سے کہو، واسطے گوہر کے نہ روئے

گودی میں سکینہ کو چھپائے رہو بانو!
تا شمرِ سیہ رو سے یہ ڈر ڈر کے نہ روئے

☆

زینب نے کہا، لاشوں سے بیٹوں کی لپٹ کر
کس طرح یہ ماں آہ و بکا کر کے نہ روئے

جس طرح سے میں لاشوں پہ روتی ہوں وہ اسطرح
''صدقے گئی، تابوت پہ مادر کے نہ روئے''

☆

دربار میں لائے تھے جو شہ کا سرِ اقدس
قدغن تھا کہ قیدی کوئی غل کر کے نہ روئے

بولا یہ سکینہ کی طرف دیکھ کے حاکم
یہ لڑکی قریب آن کے اس سر کے نہ روئے

زینب کے دلیروں نے رضا رن کی نہ پائی
جب تک قدمِ شاہ پر سر دھر کے نہ روئے

جب بیبیاں سمجھاتی تھیں تو کہتی تھیں زینب
کس طرح بہن، غم میں برادر کے نہ روئے

ماں کہتی تھی، اصغر کبھی سویا نہیں تنہا
لوگو مرا بچہ کہیں ڈر ڈر کے نہ روئے

اس رونے پہ فرماتے تھے سجاد دمِ مرگ
حسرت ہے کہ ہم باپ کو جی بھر کے نہ روئے

شبیر وہ بیکس ہے انیسِ جگر افگار
احوال پہ اس کشتۂ خنجر کے نہ روئے

(80)

بُکا میں کٹی شب، سحر ہو گئی
یونہی عمر اپنی بسر ہو گئی

ہُوا ماتمِ شاہ دیں کا یہ جوش
کہ دریا مری چشم تر ہو گئی

یہ قاسم پہ میداں میں تیغیں چلیں
کہ ٹکڑے قبا سر بسر ہو گئی

شبِ قتل دم بھر نہ سوئے حسین
عبادت میں شہ کو سحر ہو گئی

سرِ شہ سے کہتی تھی زینب یہی
بہن آپ کی در بدر ہو گئی

دہائی ہے، فریاد ہے، اے اخی!
کہ بلوے میں مَیں ننگے سر ہو گئی

تجلی سے حضرت کے رخسار کی
زمیں دُور تک جلوہ گر ہو گئی

ہمیں کچھ نہیں تیغِ عصیاں کا ڈر
علی کی محبت، سپر ہو گئی

تہِ خاک چمکا جو داغِ عزا
لحد صاف بُرجِ قمر ہو گئی

☆

یہ کہتی تھی صغریٰ شبِ ہجر میں
لبِ گور میں نوحہ گر ہو گئی

نہ آتے ہیں بابا، نہ آتی ہے موت
مری آہ کیوں بے اثر ہو گئی

یہ کہتی تھی اصغر کے لاشے پہ ماں
نہ چونکے تم، اور دوپہر ہو گئی

درِ شہ پہ پہنچو گے تم بھی انیس
طلب اُس طرف سے اگر ہو گئی

(81)

بین اے مجرئی! قاسم کی دلہن کیا جانے
بیاہی اک شب کی، رنڈاپے کا چلن کیا جانے

دم جو گھٹتا تو یہی کہتی تھی کبریٰ رو رو
کیوں مجھے چھوڑ گئے، ابن حسن کیا جانے

چین رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہ
مجھ سا غربت زدہ، آرامِ وطن کیا جانے

لاشِ شبیرؑ سے آتی تھی صدا مقتل میں
کب میسر مجھے ہوئے گا کفن کیا جانے

رات کو بیاہ ہُوا صبح کو کٹوایا گلا
لطف شادی کا بھلا ابنِ حسن کیا جانے

عمر بھلا جس نے نہ دیکھی غل و زنجیر کی شکل
وہ بھلا سلسلہ و طوق و رسن کیا جانے

باغ چلنے کو کوئی کہتا، تو کہتے سجاد
مرغِ بے بال، بھلا سیرِ چمن کیا جانے

کہتی تھی پیاس کی شدت میں سکینہ رو رو
ہو گا کب پانی سے تر، خشک دہن کیا جانے

داغ اصغر کا کوئی بانو کے دل سے پوچھے
چھد گیا کس کا جگر، تیر فگن کیا جانے

کہا زینب نے کہ شبیر سا بھائی نہ رہا
کیوں سلامت رہی دنیا میں بہن، کیا جانے

تیر کے درد کو کیا باپ سے کہتا اصغر
بے زباں ہوئے جو بچے، وہ سخن کیا جانے

☆

قتل کے وقت یہی کہتے تھے دل سے مسلم
کیا کریں شاہ سے یہ عہد شکن کیا جانے

ردِ دعوت نہیں کرنے کا پسرِ زہراؑ کا
اس عداوت کو وہ سلطانِ زمن کیا جانے

زخمی اکبر کو جو شبیرؑ نے دیکھا تو کہا
ٹکڑے کب تیغوں سے ہوگا مرا تن، کیا جانے

قیدِ زنداں کی سکینہ، متحمل نہ ہوئی
ناز پروردہ، غم و رنج و محن کیا جانے

شہ نے ملبوس جو مانگا تو یہ زینب نے کہا
زیبِ تن ہوتا ہے کیوں رختِ کہن کیا جانے

بولے شہ پانی تو ملتا نہیں مرنے کے بھی بعد
کوئی دے گا کہ نہ دیوے کفن کیا جانے

دم خفا ہوتا تو کہتی سکینہ رو رو
کب کٹے گی مری گردن سے رسن کیا جانے

اہلِ کیں کہتے تھے ہنس ہنس کے ہیں مرتے جاتے
کیا جگر رکھتے ہیں ہفتاد و دو تن کیا جانے

ظلم جب ہوتے تھے، فرماتے تھے سجادِ حزیں
ہم سے برگشتہ ہے کیوں چرخِ کہن کیا جانے

لاشِ شبیرؑ پہ زہرا نے کہا رو رو کر
قبلہ رُو خاک پہ کس کا ہے یہ تن کیا جانے

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیس
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

(82)

چشموں میں اشک ہیں جو سراسر بھرے ہوئے
دامن میں مجرئی کے ہیں گوہر بھرے ہوئے

مشرق سے داد خواہ نکلتا ہے ہر سحر
منہ کو لہو سے خسروِ خاور بھرے ہوئے

صرفِ خزاں ہُوا تھا جو گلزارِ فاطمہؑ
جھولی میں تھے اجل کی گلِ تر بھرے ہوئے

برسائے تھے یہ ظالموں نے شہ پہ تیرِ ظلم
پیکاں تھے جسمِ پاک کے اندر بھرے ہوئے

کہتے تھے شاہ، جاؤں گا نانا کے سامنے
اصغر کے خوں سے روئے منور بھرے ہوئے

شہ کہتے تھے، ہیں تشنگی میں میرے منتظر
کوثر کا نام، ساقیِ کوثر بھرے ہوئے

کہتے تھے شاہ شیرِ خدا ہوں میں ظالمو!
ہیں مجھ میں ذوالفقار کے جوہر بھرے ہوئے

مقتل میں لوٹتے تھے طیورانِ کربلا
خونِ تنِ حسینؑ سے شہپر بھرے ہوئے

جنت میں حوریں کہتی تھیں پیاسوں کے واسطے
کوثر کے گرد رکھے ہیں ساغر بھرے ہوئے

صغریٰ کا رنگ اڑ گیا، دل کانپنے لگا
آیا جو بال خوں میں کبوتر بھرے ہوئے

اکبر کی لاش ڈھونڈتے پھرتے تھے ہر طرف
آنکھوں میں اشک سبطِ پیمبرؐ بھرے ہوئے

پیشِ امیرِ شام گئے کس غرور سے
تلواریں شہ کے خوں سے ستمگر بھرے ہوئے

عابد کو لے گئے تھے جو ظالم برہنہ پا
تھے آبلوں میں خار برابر بھرے ہوئے

بچوں سمیت گرمی میں گھٹتے تھے اہل بیت
زنداں کے ایک حجرے کے اندر بھرے ہوئے

سجاد کے جو گل سے کفِ پا فگار تھے
تھے خوں سے خار صورتِ نشتر بھرے ہوئے

یوں جلوہ گر تھے ظلمتِ زنداں میں اہلِ بیت
دامانِ شب میں جیسے ہوں اختر بھرے ہوئے

ٹکراتی تھیں جو رو رو کے سر اپنا بیبیاں
تھے خوں سے قیدخانے کے سب در بھرے ہوئے

پہچانیں لاشیں بھانجوں کی شہ نے دیر میں
تھے خاک و خوں میں دونوں دلاور بھرے ہوئے

تِل دھرنے کی نہ جا تھی، شہیدوں کے جسم پر
تھے زخمِ تیغ و تیر سے پیکر بھرے ہوئے

جیسے شفق میں مہرِ منور ہو جلوہ گر
تھے خوں میں اس طرح علی اکبر بھرے ہوئے

اک دم میں فوجِ ظلم کے خالی کیے پرے
غصے میں تھے زبسِ شہِ صفدر بھرے ہوئے

نیزوں پہ مثلِ ماہِ دو ہفتہ تھے جلوہ گر
ہر چند تھے غبار میں سب سر بھرے ہوئے

کوٹھوں سے زخمی کرتے تھے مسلم کو سنگدل
جھولی میں تھے ہر ایک کی پتھر بھرے ہوئے

عابد وطن میں کہتے تھے ظلمِ یزید سے
افسوس، خالی ہو گئے کیا گھر بھرے ہوئے

ماتم میں شاہ کے ہمہ تن درد ہوں انیس
رگ رگ میں جائے خون ہیں نشتر بھرے ہوئے

(83)

خاکِ درِ شبیرؑ ہے جاگیر ہماری
اے مجرئی! کیا خوب ہے تقدیر ہماری

صحرا میں رُکا اسپ تو شہ رو کے پکارے
تربت بھی یہیں ہوئے گی تعمیر ہماری

☆

شہ کہتے تھے اعدا سے، پلاؤ ہمیں پانی
حالت ہے بہت پیاس سے تغییر ہماری

وہ کہتے تھے، پانی کا تو مذکور نہیں ہے
ہے تشنہء خوں آپ کی، شمشیر ہماری

☆

کہتی تھی سکینہ، ہمیں لا دیجیے پانی
ہے خشک زباں، یا شہِ دلگیر ہماری

شہ نے کہا مجبور ہیں، ناچار ہیں بیٹا!
سنتا نہیں یہ لشکرِ بے پیر ہماری

کبریٰ نے کہا، بیاہ کے دن رانڈ ہوئے ہم
کیا سو گئی اے صاحبو! تقدیر ہماری

مسلم نے کہا سر تو قلم کرتے ہو اعدا!
پر لاش نہ تم کیجیو تشہیر ہماری

شہ کہتے تھے، اعدا ہمیں مجبور نہ سمجھیں
چلتی ہے تو رکتی نہیں شمشیر ہماری

آوازِ نبیؐ آتی ہے، امت کو نہ مارو
خاطر ہے جو یا حضرتِ شبیرؑ ہماری

کہتے تھے نبیؐ، لاشہء اکبر پہ یہ رو رو
افسوس کہ اب مٹ گئی تصویر ہماری

کہتی تھی سکینہ کہ چچا منہ نہ چھپاتے
گر مشک نہ ہوتی ہدفِ تیر ہماری

تھا دھیان دمِ ذبح بھی یہ شاہِ اُمم کو
خیمے سے نکل آئے نہ ہمشیر ہماری

عابد نے کہا ہم کو نہیں طاقتِ رفتار
اور اس پہ کئی من کی ہے زنجیر ہماری

شہ کہتے تھے، کیوں ذبح ہمیں کرتا ہے ظالم
ثابت ہے بتا، کون سی تقصیر ہماری

☆

آتی تھی صدا رن میں گلوئے شہِ دیں سے
گردن تو نہ تھی لائقِ شمشیر ہماری

سمجھے نہ ہمیں اپنے پیمبرؐ کا نواسہ
کاٹی گئی گردن، دمِ تکبیر ہماری

ہوتی ہے جو مشکل تو انیسِ جگر افگار
کرتے ہیں مدد حضرتِ شبیرؑ ہماری

(84)

ذکرِ شہ کر کے محبوں کو رُلایا میں نے
اپنا گھر مجرئی! جنت میں بنایا میں نے

شاہ کہتے تھے، مرے بھائی کے بازو کاٹے
اس پہ بھی ہاتھ نہ امت پہ اٹھایا میں نے

دیکھ کر سینے میں پھل برچھی کا، اکبر نے کہا
ثمرِ باغِ جوانی بھی نہ پایا میں نے

آبرو رہ گئی، عباس نے دریا پہ کہا
شکر ہے، پانی نہ ہونٹوں سے لگایا میں نے

بانو کہتی تھی، نہ دیتی میں رضا میداں کی
ہائے اکبر! تمھیں ہاتھوں سے گنوایا میں نے
کوئی حسرت مرے دل کی نہ نکلنے پائی
تم کو دولہا بھی نہ اے لال، بنایا میں نے
شاہ کہتے تھے، کروں گا نہ گلہ امت کا
پانی، دو روز نہ پایا، تو نہ پایا میں نے

☆

شہ نے قاصد سے کہا، بیٹی کو خط کیا لکھتا
آ کے یاں ایک گھڑی چین نہ پایا میں نے
کہیو صغرٰی سے کہ مشکل ہے وطن میں آنا
اب تو بی بی! اسی جنگل کو بسایا میں نے

☆

بانو کہتی تھی، میں جیتی رہی، ہے ہے قسمت
تیر، بدلے علی اصغر کے نہ کھایا میں نے
جلتی ریتی پہ کیا آج انھوں نے آرام
چھ مہینے، جنھیں چھاتی پہ سلایا میں نے
مارا اکبر کو، تو کہتا تھا یہی ابنِ نمیر
آج تصویرِ محمدؐ کو مٹایا میں نے
سرِ بے تن سے یہ حضرت کے صدا آتی تھی
نیزے پر مرتبہ معراج کا پایا میں نے

حرملہ کہتا تھا تڑپا ہی نہ وہ طفلِ صغیر
تیر ایسا علی اصغر کے لگایا میں نے

شمر کہتا تھا، دکھایا کیا وہ خشک زباں
اور پانی نہ دمِ ذبح پلایا میں نے

نام زہراؑ و محمدؐ کا تھا جس سے روشن
آج اس شمعِ ہدایت کو بجھایا میں نے

☆

خولی کہتا تھا کہ زینب کو رُلانے کے لیے
مسندِ سبطِ پیمبر کو جلایا میں نے

جو کہ کاندھے پہ محمدؐ کے چڑھا تھا اکثر
اس کا سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھایا میں نے

شاہ کہتے تھے کہ پیاسا مرا مہماں ہُوا قتل
حُر کے مرنے کا بڑا رنج اُٹھایا میں نے

آئی آواز علی کی، نہ کُڑھو، اے بیٹا!
آبِ کوثر ترے مہماں کو پلایا میں نے

کام عقبیٰ کا نہ کچھ کر چلے دنیا میں انیس
ہائے کیا عمر کو غفلت میں گنوایا میں نے

(85)

سلامی! در شہ پہ گر جائیں گے
تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے

ہر اک آن یاں زندگی موت ہے
جییں گے جو واں جا کے مر جائیں گے

☆

کہا فوجِ اعدا سے عباس نے
سرک جاؤ، ہم نہر پر جائیں گے

نہ پہنچے گا گر اب بھی پانی انھیں
پھڑک کر کئی طفل مر جائیں گے

گلوں سے جو اُترے گا اک گھونٹ بھی
تو اکھڑے ہوئے دم ٹھہر جائیں گے

سکینہ کی ننھی سی اک مشک سے
جو ہو نہر خالی، تو بھر جائیں گے

چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

☆

کہا شہ نے اکبر سے ٹھہرو جو تم
تو ہم بھی کوئی دم ٹھہر جائیں گے

تمھارا سہارا ہے ہم کو فقط!
جو چھوڑو گے تنہا تو مر جائیں گے

لعینوں سے کہتے تھے زینب کے لال
جو کچھ ہم سے ہو گا، وہ کر جائیں گے

نہ دکھلاؤ تیغیں، سمجھ کر صغیر
ہم ایسے نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے

پہن کر کہا شہ نے رختِ کہن
یہ کپڑے بھی تن سے اُتر جائیں گے

حرم سے شبِ قتل کہتے تھے شاہ
دمِ صبح ہم کوچ کر جائیں گے

مصیبت کی راتیں بسر ہوئیں گی
نہ روؤ، یہ دن بھی گزر جائیں گے

یہ کہتی تھی بانو خبر کس کو تھی؟
کہ اکبر جواں ہو کے مر جائیں گے

عدو رنج دیتے تو کہتے تھے شاہ
ہم اب پھر کے یاں سے نہ گھر جائیں گے

خدا تو ہے شاہد کہ بے جرم ہوں
چھپیں گے کہاں اور کدھر جائیں گے

ملے گی قیامت میں اس خوں کی داد
فدک تو نہیں جو مکر جائیں گے

خدا بات رکھے جہاں میں انیس
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

(86)

سلامی! خلق کا آغاز و انجام اُس پہ ظاہر ہے
کہ جو اوّل ہے ہر اوّل سے، ہر آخر سے آخر ہے

الٰہی بخش دے اپنے کرم سے میرے عصیاں کو
کہ میں ہوں بندۂ محتاج، تو ہر شے پہ قادر ہے

دو عالم، دو ورق ہیں اک کتابِ وصفِ حیدر کے
یہ مجموعہ وہ ہے، جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر ہے

کہا عباس نے پانی تو پینے دو مسلمانو!
تمھارا میہماں سید ہے، بیکس ہے مسافر ہے

جو اچھے ہیں، انھیں ملتا ہے مر کر قُربِ اچھوں کا
قریبِ قبرِ سرور تربتِ ابنِ مظاہر ہے

کہا حضرت نے حُر سے تیسرا فاقہ ہے بچوں پر
مرے احوال سے رزّاقِ عالم خوب ماہر ہے

حسین ابنِ علیؑ کہتے تھے، گرامت کے کام آئے
یہ بچے بھی مرے موجود ہیں، یہ سر بھی حاضر ہے

بھلا ان کی ثنا کیوں کر کرے کج مج بیاں مجھ سا
فرشتوں کی زباں، مداحیِ حیدرؑ میں قاصر ہے

پیادہ سید سجاد سوئے شام جاتے ہیں
نہ محمل ہے، نہ ہودج ہے، نہ اشتر ہے، نہ قاطر ہے

☆

پکارا خولیِ ملعوں، صف آرا جب ہوئے حضرت
نبیؐ مجھ کو برہنہ سر نظر آئے یہ کیا سر ہے

حصین ابنِ نمیرِ روسیہ نے تب کہا ہنس کر
یہ اولادِ نبیؐ کا سحر ہے، جو تجھ پہ ظاہر ہے

حبیب ابنِ مظاہر تب پکارے، او شقی چپ رہ
خدا لعنت کرے، بے دیں ہے تو مرتد ہے، کافر ہے

نبیؐ کے لال کے رتبے سے تُو واقف نہیں شاید
یہ اعلیٰ ہے، یہ اتقیٰ ہے، یہ طیب ہے، یہ طاہر ہے

یہ وہ شبیرؑ ہے، ماں ہے جنابِ فاطمہؑ جس کی
یہ وہ سید ہے جو قبرِ محمدؐ کا مجاور ہے

اگر ہو شبہ تجھ کو، پوچھ لے اوروں سے لشکر میں
ارے او کور باطن! اس کا رتبہ سب پہ ظاہر ہے

کلیدِ قفلِ جنت ہے ولا آلِ محمدؐ کی
خدا کو جس نے پہچانا ہے، وہ ان سے بھی ماہر ہے

کسی کا کچھ گلہ کرتا نہیں، دو دن کے فاقے میں
خدا کا دوست ہے، دیندار ہے، صابر ہے، شاکر ہے

جو اندھا ہے تو آنکھیں چل کے مل، نعلینِ سرور پر
نبیؐ کے لال کی خاکِ قدم کحلِ جواہر ہے

سخی ایسا ہے یہ سید کہ بہرِ امتِ عاصی
لٹا دینے کو گھر موجود ہے، مرنے کو حاضر ہے

مدینہ سے سوئے کعبہ گیا، کعبہ سے یاں آیا
یہ رہبر ہے، یہ سید ہے، یہ سرور ہے، یہ صابر ہے

ہزاروں مل کے لڑنے آئے ہو بیکس سے، مہماں سے
نہ کچھ اسلام کا ہے پاس، نہ ایماں کی خاطر ہے

چڑھائی کس پہ ہے فوجوں کی، کس کو قتل کرتے ہو
کوئی اس ماجرے کو پوچھنے والا بھی آخر ہے

یہ ہر افضل سے افضل ہے، یہ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہے
یہ ہر بہتر سے بہتر ہے، یہ ہر نادر سے نادر ہے

کیے ہیں پا پیادہ بیس حج اُس نے مدینے سے
یہ حق کا برگزیدہ ہے، یہ حاجی ہے، یہ زائر ہے

زباں جل جائے گی تیری، معاذ اللہ، توبہ کر
شقی، تو صاحبِ اعجاز کو کہتا ہے، ساحر ہے

خبر لینا انیسِ زار کی یا احمدِ مرسلؐ!
تمھاری آل کا مداح ہے، سید ہے، ذاکر ہے

(87)

سنگِ خارا ہے، جو اس غم سے نہ ہو دل پانی
مجرئی شہ نے نہ پایا دمِ بسمل پانی

کس طرح غم سے نہ مجرائی کا ہو دل پانی
نہ ملا شہ کو تہِ خنجرِ قاتل پانی

جانِ عباس لگی تن سے کنارا کرنے
بہہ گیا مشک کا جس دم لبِ ساحل پانی

بیبیاں بچوں کا منہ تکتی تھیں، جب کہتے تھے شاہ
اس سفر میں نہ ملے گا کئی منزل پانی

شاہ فرماتے تھے، کیا نہر پہ جائیں پیاسے
جان دینے پہ بھی ہوتا نہیں حاصل پانی

چلتا تھا ذبح میں رُک رُک کے زبس خنجرِ شمر
حلق سرور سے صدا آتی تھی قاتل پانی

نہر پر مر گئے عباس تو کہتے تھے حرم
اب ہے پیاسوں کے لیے زہر ہلاہل پانی

شمر کہتا تھا، نہ سجاد کو دینا ہرگز
مانگے بھی گر یہ گرفتار سلاسل پانی

شانے بھی کٹ گئے، دی جان بھی عباس نے ہائے
ایسی محنت پہ نہ قطرہ ہُوا حاصل پانی

شاہ کہتے تھے، ہمیں پیاس میں ملتا ہے مزا
ورنہ دریا سے تو لانا نہیں مشکل پانی

شہ نے مرتے ہوئے دریا کو نہ دیکھا، ورنہ
مانگتے مانگتے مر جاتا ہے گھایل پانی

غش میں کہتی تھی سکینہ کہ چچا جلد آؤ
ورنہ پھر حلق سے اُترے گا بمشکل پانی

کہتے تھے شہ، ہمیں پانی نہیں دیتے اعدا
جانور پیتے ہیں آ کر لبِ ساحل پانی

بولے عابد کہ اگر معجزہ دکھلاؤں میں
موم ہو جائے ابھی طوق، سلاسل پانی

یہ ضیا حسن کی اس کے تھی کہ ہو جاتا تھا
آئینہ بھی رخِ اکبر کے مقابل پانی

شاہ فرماتے تھے، پیاسوں کا ہے خوں اس میں شریک
اے سکینہ! نہیں یہ پینے کے قابل پانی

شاہ کہتے تھے اسے مار نہ سکتا کوئی
خونِ عباس میں ہوتا جو نہ شامل پانی

چین کچھ ہوئے تو ہو عالمِ باقی میں انیس
راحت اس منزلِ فانی میں ہے مشکل پانی

(88)

صغریٰ کہتی تھی، جو بابا کی خبر ہاتھ لگے
مرہمِ زخمِ دل و زخمِ جگر ہاتھ لگے

سر جدا کرتا تھا شبیرؑ کا اور کہتا تھا شمر
عاقبت جائے، پہ دنیا میں تو زر ہاتھ لگے

شمر کو دیکھتے جب رن میں تو کہتے عباس
دو ہی ٹکڑے کروں شمشیر سے گر ہاتھ لگے

☆

بانو شبیرؑ سے کہتی تھی کہ جاؤ سرور
ڈھونڈ لاؤ مرے اکبر کو جدھر ہاتھ لگے

شاہ بولے، مری آنکھوں میں ہے تاریک جہاں
کس طرح دیکھیے، وہ نورِ نظر ہاتھ لگے

جس نے نتھ چھینی تھی کبریٰ کی، وہ یہ کہتا تھا
بیش قیمت مجھے یہ دونوں گہر ہاتھ لگے

چلتی تلوار تھی اور دل میں تھے کہتے قاسم
زیں سے ارزق کو اٹھا لوں جو کمر ہاتھ لگے

گھر گئے نہر پہ عباس تو بولے، یارب!
ہوں قلم بازو بھی، پانی مجھے پر ہاتھ لگے

منع جو رونے کو کرتا، تو یہ کہتے سجاد
شہر سے دور الٰہی مجھے گھر ہاتھ لگے

لے چلے شاہ جو اصغر کو تو بولی بانو
نذر دوں پھر جو سلامت یہ پسر ہاتھ لگے

شہ چلے چھوڑ جو صغریٰ کو تو منہ دیکھ اس کا
ملنے افسوس سے سب، وقتِ سفر ہاتھ لگے

کہا صغریٰ نے کہ آنے میں تمھارے بابا
دیر ہو تو مجھے کس طرح خبر ہاتھ لگے

آج کی صبح بھی کم شامِ مصیبت سے نہیں
پھاڑ ڈالوں جو گریبانِ سحر ہاتھ لگے

بانو کہتی تھی کہ اصغر کے نچوڑوں منہ میں
کوئی کپڑا بھی اگر پانی سے تر ہاتھ لگے

چل تو اب یاں سے سوئے روضۂ شبیرؑ انیس
اُن کا گھر خلد میں ہے جس کے وہ در ہاتھ لگے

(89)

عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے
سلامی! یہ مجلس علیؑ کا چمن ہے

سلامی! یہ آلِ نبیؐ پر محن ہے
کہ بارہ تو بازو ہیں اور اک رسن ہے

نہیں انگلیاں پانچ مصرعے ہیں گویا
مرے ہاتھ میں خمسۂ پنجتن ہے

یہ مٹی سے پرہیز، اے جسم کب تک
کہ آخر یہی خاک ہے اور کفن ہے

بہشت ان کا مول اور زر اس کی قیمت
تصدق ان آنکھوں پہ دُرِّ عدن ہے

کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی
یہ رنگِ حسینؑ اور یہ رنگِ حسنؑ ہے

گریبان کو چھوڑ اے حرصِ دنیا
مرے ہاتھ میں دامنِ پنجتن ہے

کہا ماں نے، جاتے ہو اصغر کہاں تم
اشارہ کیا قصدِ نہرِ لبن ہے

کہا حُر نے تیغیں نہ حضرت پہ کھینچو!
لعینو! یہ سید، غریب الوطن ہے

محمدؐ نے معراج میں جس کو پہنا
وہی یہ عمامہ، وہی پیرہن ہے

گلے میں رسن جب بندھی، بولے عابد
کہ ہم میں بھی مشکل کشا کا چلن ہے

☆

مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے
کہ ہر ایک جنت میں پر تو فگن ہے

محل ایک زمرد کا ہے رشکِ طوبیٰ
تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے

کہا سرخ اور سبز کیوں ہیں یہ دونوں
دل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے

کہا حاملِ وحی نے سر جھکا کر
یونہی مرضیِ حضرتِ ذوالمنن ہے

کروں مختصر عرض، ہے طول اس میں
یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے

صفیں توڑ کر رن میں کہتے تھے اکبر
مرا جدِ مرحوم خیبر شکن ہے

☆

اسیروں کو دکھلا کے خولی پکارا
کہ کنبہ علیؑ کا اسیرِ محن ہے

سرا جس کے بازو میں ہے ریسماں کا
یہ زہراؑ کی بیٹی ہے، شہ کی بہن ہے

منہ اپنا جو ہے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپے
یہی نامراد ایک شب کی دلہن ہے

کہا شہ نے قاتل سے، زانو ہٹا لے
کہ تیروں سے غربال سارا بدن ہے

پکارا شقی، حلق پر رکھ کے خنجر
یہی بوسہ گاہِ رسولؐ زمن ہے

☆

نظر آیا مقتل تو عابد پکارے
یہ لاشِ امامِ غریب الوطن ہے
نہیں جسم پر ایک چادر کا سایا
نئی گردشِ آسمانِ کہن ہے

صدا آئی لاشے سے، بیٹا! نہ روؤ
وہ خوش ہو، تو راحت یہ رنج و محن ہے
یہ نیزوں کی چوبیں ہیں تابوت اپنا
یہ دامانِ صحرا ہمارا کفن ہے
نہیں رنج کچھ اپنی عریاں تنی کا
یہ غم ہے کہ زینب اسیرِ محن ہے

☆

پکارے عدو دیکھ کر روئے اکبر
شبیہِ پیمبرؐ عجب گل بدن ہے
یہ دنداں ہیں یا دُرِ شہوار گویا
دہن ہے کہ دُرجِ عقیقِ یمن ہے
زہے نور و رخسار و گیسوئے مشکیں
یہ صبحِ حلب ہے، وہ شامِ ختن ہے

☆

یہ کہتے تھے آپس میں مرغانِ صحرا
کہ سادات پر کیا جفا و محن ہے

محمدؐ نے آغوش میں جس کو پالا
نہ اس کے لیے گور ہے نہ کفن ہے
گرد دھوپ میں اس پہ سایہ پروں کا
یہ فخرِ سلیماں کا زخمی بدن ہے

☆

چھڑی رکھ کے بولا یزیدِ سیہ رو
خجل شہ کے ہونٹوں سے لعلِ یمن ہے
پکاری یہ زینب، ہٹا چوب ظالم
کہ بے چین روحِ رسولِؐ زمن ہے
علیؑ کے یہ لب ہیں، نہ چھیڑ ان لبوں کو
ارے یہ رسولِؐ خدا کا دہن ہے

☆

کہا شہ نے قاصد کو لے جا کے رن میں
یہ لاشِ علی اکبرِ گلبدن ہے
انھیں کو لکھے ہیں نہ آنے کے شکوے
وہ ہجراں کشیدہ انھیں کی بہن ہے

وہ سوئے ہیں دریا پہ، عباسِ غازی
یہ پامال سروِ ریاضِ حسنؑ ہے
گیا رن میں دولہا تو عابد پکارے
حسیں، مثل یوسف یہ گل پیرہن ہے

مہِ نو ہے ابرو، جبیں ماہِ کامل
یہ چہرہ ہے خورشید، سہرا کرن ہے
انیسؔ اس قدر شور بختی کا شکوہ
یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے؟

(90)

غمِ حسینؑ میں رو، مجرئی! ثواب یہ ہے
سمجھ ہر اشک کو رشکِ دُرِ خوش آب یہ ہے
لحد میں دیکھیو داغِ غمِ حسینؑ کی ضو
زوال جس کو نہیں ہے، وہ آفتاب یہ ہے

حسینؑ کہتے تھے، کیوں کر رکھوں نہ حُر کو عزیز
خدا گواہ، کہ لاکھوں میں انتخاب یہ ہے
امامؑ کہتے تھے، مہماں تھا حُر، مگر افسوس
ضیافت اس کی نہ کچھ ہو سکی، حجاب یہ ہے

رگڑ کے ایڑیاں قاسمؑ نے وقتِ نزع کہا
عدم کے ہیں سفری، اپنا پاتراب یہ ہے
بنے کی لاش پہ روئی پکار کر نہ بنی
حیا و شرم اسے کہتے ہیں اور حجاب یہ ہے

زمیں کو جھاڑ کے بالوں سے کہتی تھی زہراؑ
چھبے نہ کچھ، مرے بچے کا فرشِ خواب یہ ہے
سوالِ خط کیا قاصد نے جب، تو شہ نے کہا
جوابِ زیست نے ہم کو دیا، جواب یہ ہے

ملا، نہ مالکِ کوثر کو ایک قطرۂ آب
ہنوز حلق میں دریا کے پیچ و تاب یہ ہے

سوالِ آب جو کرتے تھے شہ تو دشمن دیں
نظر کے تیر ستم کہتے تھے، جواب یہ ہے

دکھا کے حاکم کوفہ کو شمر کہنے لگا
بہن حسینؑ کی زینبؑ، جگر کباب یہ ہے

ملک فلک پہ یہ کہتے تھے وقت قتل امام
جفا و جور یہ ہے، ظلم بے حساب یہ ہے

سوارِ دوشِ رسولِؐ خدا کی چھاتی پر
چڑھا ہے شمر، زمانے کا انقلاب یہ ہے

پدر کو کھو کے پھرا زندہ، کہتے تھے سجاد
کہیں گے کیا مجھے اہلِ وطن حجاب یہ ہے

چھپا کے بالوں سے چہروں کو کہتی تھیں رانڈیں
ردا بس اب یہ ہے، پردہ یہ ہے، نقاب یہ ہے

صفائے حسن کو اکبر کے دیکھ، بولے عدو
نگہ ٹھہرتی نہیں رخ پہ، آب و تاب یہ ہے

نہ سمجھو نقطۂ خالِ سیاہ ابرو پر
کتابِ حسن کی اک بیت انتخاب یہ ہے

خجل ہے زلف کی خوشبو سے بوئے عنبر و مشک
عرق نہیں گلِ رخسار پر گلاب یہ ہے

لگا کے خونِ جبیں ریش پر، یہ شہ نے کہا
جہاں سے جاتے ہیں ہم، آخری خضاب یہ ہے

دمِ نبرد ندا شہ کو چرخ سے آئی
کدھر خیال ہے، کس فوج پر عتاب یہ ہے
حسینؑ! ضرب ہے تیری، ہمارے ہاتھ کی ضرب
علیؑ کے دل سے سر بر ہو کس میں تاب یہ ہے

☆

رسولؐ کہتے تھے بازو پکڑ کے حیدرؑ کا
مدینہ علم کا تو میں ہوں، اور باب یہ ہے
جسے پہنچنا ہو مجھ تک، وہ اس سے راہ رکھے
خطا کے اور ہیں رستے، رہِ صواب یہ ہے
سرِ حسینؑ کو نیزے پہ دیکھ، کہتی تھی خلق
قسم خدا کی، قیامت کا آفتاب یہ ہے
اسیر دیکھ کے عابد کو کہتے تھے کوئی
بندھا ہے جس کا گلا، مالکُ الرقاب یہ ہے

☆

یہ بانو کہتی تھی اصغر کی قبر پر رو رو
تڑپ رہی ہوں، مرے دل کو اضطراب یہ ہے
ہماری چھاتی پہ آرام کرتے تھے کل تک
زمیں پہ سوتے ہو تم آج، فرشِ خواب یہ ہے
نسب بیاں جو کیا اپنا شہ نے، بولے عدو
جواب کیا دیں کہ تقریر لاجواب یہ ہے

دعائے بخششِ امت جو شہ نے کی تہِ تیغ
ندائے غیب یہ آئی، کہ مستجاب یہ ہے

ہر ایک زخم کے اوپر لگے تھے سو سو زخم
جراحتِ تنِ شبیرؑ کا حساب یہ ہے

زمیں پہ دیکھ تنِ شہ کو کہتے تھے رہرو
اڑاؤ خاک کہ فرزندِ بوترابؑ یہ ہے

امام کہتے تھے، کیا اعتبار دنیا کا
اگر خیال سے دیکھے کوئی تو خواب یہ ہے

کہا یہ قاسم و اکبر کو دیکھ اعدا نے
وہ ماہ چار دہم ہے تو آفتاب یہ ہے

مروں تو رنج سے چھٹ جاؤں کہتی تھی صغریٰ
بدن سے جان نکلتی نہیں، عذاب یہ ہے

امام کہتے تھے، بن پانی بچے مرتے ہیں
فرات سامنے ہے اور قحط آب یہ ہے

فلک نے سر پہ رکھا ہے بنا کے جس کو ہلال
سمندِ صاحبِ معراج کی رکاب یہ ہے

حسینؑ کہتے تھے، کیا ہست و بود انساں کی
کہ موج خیز ہے بحرِ جہاں، حباب یہ ہے

فرس سے کہتے تھے عباس چل! برستے ہیں تیر
چھدے نہ مشک کہیں، مجھ کو اضطراب یہ ہے

جب آیا گھوڑا تو عابد نے آنکھیں مل کے کہا
قدم تھا شاہ کا جس میں، وہی رکاب یہ ہے

سوار دیکھ کے اکبر کو کہتے تھے اعدا
رسولؐ چڑھتے تھے جس پر، وہی عقاب یہ ہے

ستاتے کوئی جو سجاد کو تو کہتے حرم
ادب کرو کہ امامِ فلک جناب یہ ہے

سکینہ چونک کے روئی تو بانو کہنے لگی
کہاں حسینؑ ہیں، بیٹی! خیال و خواب یہ ہے

یزید تخت کے اوپر ہو اور تلے سرِ شاہ
انیس ، دیکھ زمانے کا انقلاب یہ ہے

(91)

غنچے ہیں اس چمن میں اگر زر لیے ہوئے
مجرائی! اپنی چشم ہے، گوہر لیے ہوئے

مجلس میں بہرِ نذرِ شہنشاہِ کربلا
دستِ مژہ ہے، سبحۂ گوہر لیے ہوئے

سر ننگے نکلیں بیبیاں، ڈیوڑھی پہ جب گئے
بیٹے کی لاش سبطِ پیمبر لیے ہوئے

بھائی کی لاش پر جو گئے سرورِ امم
گودی میں تھے سکینہ کو اکبر لیے ہوئے

عبرت کی ہے یہ جا، کہ گیا جانبِ عدم
دنیا سے خالی ہاتھ سکندر لیے ہوئے

عباس حُر سے کہتے تھے، دیکھ اپنا مرتبہ
ہیں تیرے سر کو زانو پہ سرور لیے ہوئے

کہتے تھے شاہ، دیکھیے کیا ہو مآلِ کار
جاتا ہے کربلا کو مقدر لیے ہوئے

بیٹے سے وقتِ جنگ یہ فرماتے تھے حسینؑ
گھوڑے کی باگ، اے علی اکبر لیے ہوئے

حُر وقتِ نزع کہتا تھا، مولا! ترے نثار
حوریں اشارے کرتی ہیں، ساغر لیے ہوئے

☆

اکبر گئے، جو رن میں تو بہرِ نظارہ تھے
ہاتھوں میں برچھیوں کو ستم گر لیے ہوئے

یوسف چھپا رہے تھے منہ اپنا نقاب میں
حیراں تھا آئینے کو سکندر لیے ہوئے

حوریں کھڑی ہیں منتظرِ حُرِ تشنہ لب
ہاتھوں میں اپنے ساغرِ کوثر لیے ہوئے

عباس بھر کے مشک پھرے جب تو بولے شاہ
بھائی ہیں آج دوش پہ کوثر لیے ہوئے

روتی تھی بنتِ فاطمہؑ بکھرائے سر کے بال
ہنستا تھا شمر، ہاتھوں میں چادر لیے ہوئے

مانندِ ابر روتے تھے دریا پہ شاہِ دیں
ہاتھوں میں اپنے دست برادر لیے ہوئے

کس کو ملے یہ صبر کے جوہر بجز حسینؑ
کھاتے تھے زخم، تیغِ دو پیکر لیے ہوئے

ہنستے تھے کس شکوہ سے زینب کے لاڈلے
ہاتھوں میں نیمچوں کو برابر لیے ہوئے

کہتے تھے شاہ، شوکتِ عباس دیکھ کر
گویا علم ہیں دوش پہ جعفر لیے ہوئے

آئے تھے بہرِ جنسِ شہادت پدر کے ساتھ
مٹھی میں نقدِ جاں علی اصغر لیے ہوئے

اللہ رے، زورِ بازوئے دستِ خدا کا زور
دو انگلیوں پہ تھے درِ خیبر لیے ہوئے

☆

آواز فاطمہؑ نے یہ دی شہ کو وقتِ ذبح
آئی ہوں لاشِ محسنِ بے پر لیے ہوئے

آنکھیں پھرا کے دیکھتے ہو کیا اِدھر اُدھر
اماں تو دیر سے ہے ترا سر لیے ہوئے

روحِ نبیؐ پکاری، بس اب ہاتھ تھام لو
نانا کھڑا ہے قتل کا محضر لیے ہوئے

نیزے پہ تھا جو دھوپ میں سبطِ نبیؐ کا سر
سورج مکھی تھا، مہرِ منور لیے ہوئے

کعبے میں بہرِ بت شکنی، واہ رے عروج
کاندھے پہ تھے علیؑ کو پیمبرؐ لیے ہوئے

چھیڑا سمندِ طبع کو تعریفِ شہ میں جب
مضموں خود آیا سامنے لشکر لیے ہوئے

(92)

قاسمِ نار و جناں قتل جو پیاسا ہوئے
مجرئی! حشر نہ کیوں خلق میں برپا ہوئے

اوج میں اوجِ سلیماں سے بھی بالا ہوئے
مجرئی! شاہ کا گر ہو تو یہ رتبہ ہوئے

واہ کیا روضۂ پُرنُور ہے اللہ اللہ
یاں پہ ادنیٰ بھی کوئی آئے تو اعلیٰ ہوئے

شہ نے صغریٰ سے کہا دیکھ لو جی بھر کے ہمیں
کربلا جاتے ہیں، شاید کہ نہ جانا ہوئے

حُر یہ کہتا تھا، مرے دل میں تمنا ہے یہی
قصرِ فردوس ہو اور سایۂ طوبیٰ ہوئے

حُرملہ شمر سے کہتا تھا کہ حسرت ہے مجھے
حلقِ اصغر، مرے ناوک کا نشانہ ہوئے

☆

گھر گئے فوج میں عباس تو بولا یہ عمر
لطف جب ہو کہ یہ تیروں کا نشانہ ہوئے

پھر یہ نوفل سے کہا بڑھ کے لگا اک تلوار
ایک ہی ہاتھ میں بیکار یہ شانا ہوئے

ہے غضب، اس کا پسر نہر پہ پیاسا ہو شہید
مہر میں جس کے ہر اک خلق کا دریا ہوئے

رات کو بیاہ ہوا، صبح بنی رانڈ بنی
حیف چوتھی کے عوض، شام کا چالا ہوئے

☆

ظلم کرتے تھے عدو شہ پہ تو کہتے تھے ملک
خلق میں صابر و شاکر ہو تو ایسا ہوئے
مرتے مرتے بھی پڑھی شہ نے نمازِ واجب
عابد و راکع و ساجد ہو تو ایسا ہوئے

☆

بعدِ قتلِ شہ دیں، فوج سے بولا یہ عمر
کہیں عابد بھی پئے جنگ نہ آتا ہوئے
لوٹ لو رانڈوں کو اور قتل کرو اس کو بھی
خیمۂ شاہ بھی جل جائے تو اچھا ہوئے

☆

دیر اصغر کو لگی رن میں تو بانو نے کہا
فوج اعدا نہ کہیں درپے ایذا ہوئے
علی اکبر تو ہوئے تیغوں سے ٹکڑے رن میں
کہیں اصغر بھی نہ تیروں کا نشانا ہوئے

رو کے زینب نے کہا، کیوں فلکِ ناانصاف!
شہر برباد ہو، آباد یہ صحرا ہوئے

اے انیس اپنی خوشی بس ہے یہی حشر کے دن
میں بھی اُس جا ہوں، جہاں پر مرا آقا ہوئے

(93)

کب بزمِ غم میں شہ کے سلامی کو کل پڑے
جب تک نہ آہ سرد کے ساتھ اشک ڈھل پڑے

سر کیوں نہ روزِ عقد کٹا دیوے وہ بنا
اس طرح جب غریب کے پیچھے اجل پڑے

عباس شہ سے کہتے تھے بھائی قبول ہے
گر مجھ پہ لاکھ تیغ تمھارے بدل پڑے

بانو نے جب سنا، علی اکبر ہوئے شہید
نزدیک تھا کہ منہ سے کلیجا نکل پڑے

سروِ چمن زمین میں گڑ جائے شرم سے
اکبر کا ذکر گر قد و قامت کا چل پڑے

خنجر کے نیچے کرتے تھے شبیرؑ یہ دُعا
امت کی مغفرت میں نہ یارب! خلل پڑے

یہ باغیوں نے کاٹے تھے، اشجارِ باغِ دیں
تھے رن میں لاکھوں خوں بھرے تیغوں کے پھل پڑے

میداں میں خوں بھرے ہوئے لاشے شہیدوں کے
کرتے تھے شکر نعمتِ عزوجل پڑے

آیا جو سر حسینؑ کا آگے یزید کے
جس کی نگاہ جا پڑی آنسو نکل پڑے

کھولے چھڑی سے ہونٹ جب اس نے حسینؑ کے
زینب پکار اٹھی کہ ترا ہاتھ گل پڑے

دریا سے دُور تک گئے منہ پھیرے اہل بیت
تا پانی کے لیے نہ سکینہ مچل پڑے

زنداں میں بیٹھیں زینب وکلثوم، کیوں فلک؟
اور ان کے ہوں مدینے میں خالی محل پڑے

فریاد سُن حرم کی، یہ کہتے تھے اہلِ شام
شاید یہ لوگ قید میں پہلے پہل پڑے

ایسا سلام نظم کیا تو نے اے انیس
جو اہلِ فہم اس کو سنے وہ اچھل پڑے

(94)

مجرا اسے جو کہتی تھی، بابا چلے گئے
صحت ہو گیا، کہ میرے مسیحا چلے گئے

صغریٰ یہ رو کے کہتی تھی کس بیکسی سے ہائے
پھر پھر کے دیکھتے مجھے بابا چلے گئے

کہتی تھی رو رو کے مادرِ قاسم کہ میرے لال
جی بھر کے بھی دُلہن کو نہ دیکھا چلے گئے

کہتی تھی بانو، جان چلی میری ان کی سمت
اصغر کو لے کے جب شہِ والا چلے گئے

کہتی تھی بانو، یاد جب آتے تھے شاہِ دیں
لونڈی کو دکھ میں چھوڑ کے آقا چلے گئے

اکبر جو گُم ہوئے تو یہ کہتے تھے شاہِ دیں
آزردہ ہو کے باپ سے بیٹا چلے گئے

اصغر کو دیکھتی نہ سکینہ تو پوچھتی
اماں تمھاری گود سے بھیا چلے گئے

☆

کہتی تھی بانو خواب میں اصغر کو دیکھ کر
مادر کو اپنی چھوڑ کے تنہا چلے گئے

تم تو کسی کی گود میں، اصغر نہ جاتے تھے
کیونکر اجل کی گود میں، بیٹا چلے گئے

منہ ڈھانپے بانو کہتی تھی رو رو کے میرے لال
کیا آئے ماں کی گود میں اور کیا چلے گئے

زنداں میں تنگ ہوتی سکینہ، تو کہتی تھی
اس دُکھ میں چھوڑ کر مجھے بابا چلے گئے

قسمت نے یاوری کی تو سن لیجیو، انیس
اک روز، کربلائے مُعلیٰ چلے گئے

(95)

مجرا اسے جو لاغر و رنجور تن بھی ہے
محبوسِ طوق بھی ہے اسیرِ رسن بھی ہے

پیدل تو آگے آپ ہے اور پیچھے اونٹ پر
عریاں سر پھپھی بھی ہے، ماں بھی، بہن بھی ہے

عابد سے شمر کہتا تھا، پہنا کے بیڑیاں
گردن کو خم کرو! ابھی طوق و رسن بھی ہے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے زینب کو ننگے سر
یہ بنتِ فاطمہؑ بھی ہے شہ کی بہن بھی ہے

لشکر میں غل تھا، آمدِ عباس ہے ڈرو
فرزندِ مرتضیٰ بھی ہے، اور صف شکن بھی ہے

قاسم یہ جائے رحم ہے، کہتے تھے اہلِ کیں
بیوہ کا یہ پسر بھی ہے، رشکِ چمن بھی ہے

رو رو سکینہ کہتی تھی، اکبر کی لاش پر
تیغوں سے ٹکڑے ہائے یہ نازک بدن بھی ہے

غلطاں ہیں خاک وخوں میں یہ رخسار چاند سے
ڈوبی لہو میں زلف شکن در شکن بھی ہے

قاسم کا سر دکھا کے، یہ حاکم سے بولا شہ
رانڈوں کے ساتھ قید میں اس کی دُلہن بھی ہے

زینب کا صبر دیکھ کے، فرماتے تھے یہ شاہ
زہراؑ کا جو چلن تھا، وہ اس کا چلن بھی ہے

دو بیٹے اپنے، راہِ خدا میں فدا کیے
قائم مقامِ فاطمہ، میری بہن بھی ہے

قاسم کا خیمہ دیکھ کے کہنے لگی قضا
شادی کا یہ مکاں بھی ہے، بیت الحزن بھی ہے

حُلے بہشت کے جو پہنتا تھا اس کی لاش
بے غسل بھی ہے، ہائے غضب بے کفن بھی ہے

قاسم چچا سے کہتے تھے، رخصت اگر ملے
امیدوار حرب کا ابن حسنؑ بھی ہے

وقتِ وداع کہتے تھے زینب سے رو کے شاہ
بھینا! بس آج خاتمۂ پنجتن بھی ہے

کہتے تھے زخم کھا کے لعینوں سے رن میں شاہ
جُز میرے کوئی سبطِ رسولؐ زمن بھی ہے؟

ملبوسِ مصطفےؐ کا کرو پاس، ظالمو!
دستار بھی وہی ہے، وہی پیرہن بھی ہے

☆

عابد نے جب کہا کہ نہ غسل و کفن ملا
بابا سا میرے کوئی غریب الوطن بھی ہے؟

یوں وقتِ دفن آئی سرِ شاہ سے صدا
بیٹا نہ روؤ! خاک سے بہتر کفن بھی ہے

پہنا شہانہ جوڑا تو قاسم نے یہ کہا
خلعت بھی بیاہ کا ہے یہی اور کفن بھی ہے

☆

کہتا تھا فوج سے عمرِ سعد ہر گھڑی
دیکھو تو کوئی یاورِ شاہِ زمن بھی ہے؟

سر اُس کا کاٹ سکتے نہیں تم کہ جو غریب
زخمی بھی فاقہ کش بھی ہے، تشنہ دہن بھی ہے؟

سب نے کہا، کہ قتل کریں اس کو کس طرح
سید بھی ہے، امام بھی ہے، بے وطن بھی ہے

☆

بولا یزید دیکھ کے دندانِ شاہِ دیں
بے قدر ان کے سامنے دُرِ عدن بھی ہے
چلائی بنتِ فاطمہ اس دم کہ او شقی!
کچھ تجھ کو پاس روحِ رسولِ زمن بھی ہے

جلدی ہٹا چھڑی کو ستم گر، کہ یہ دہن
زہراؑ کا بھی علیؑ ولی کا دہن بھی ہے
مقبول ہے انیس وہ جس کی زبان پر
حمدِ خدا بھی ہے، صفتِ پنجتن بھی ہے

(96)

مجرائی! گردشِ فلکِ پیر، دیکھیے
چوب و سنان و گیسوئے شبیرؑ دیکھیے
مجرائی! باغِ خلد کی تعمیر دیکھیے
چل کر بہارِ روضۂ شبیرؑ دیکھیے

سجاد رو کے کہتے تھے چہلم قریب ہے
ملتا ہے تن سے کب سرِ شبیرؑ دیکھیے
نکلے وطن سے شہ، تو یہ رو رو کے کہتے تھے
لے جائے کس طرف ہمیں تقدیر دیکھیے

حیراں ہوں میں کہ کیوں نہ قیامت بپا ہوئی
چوبِ یزید اور لبِ شبیرؑ دیکھیے

زنداں میں سر کو پیٹ کے کہتے تھے اہلِ بیت
کرتی ہے کب رہا ہمیں تقدیر دیکھیے

چہلم تلک یہ دشت میں زہرا کی تھی صدا
کب دفن ہووے لاشۂ شبیرؑ دیکھیے

دیکھا مہِ عزا تو یہ زینب سے بولے شاہ
کیا گزرے اس مہینے میں ہمشیر دیکھیے

شہ کہتے تھے عدم کو گئے سب رفیق و یار
ہم کارواں سے چھٹ گئے، تقدیر دیکھیے

☆

رو کر سرِ حسینؑ سے زینب نے یہ کہا
بھائی! جفائے لشکرِ بے پیر دیکھیے

فریاد ہے کہ شمر نے چھینی مری ردا
بلوے میں کھل گیا سر ہمشیر دیکھیے

کس یاس سے یہ کہتے تھے مولائے بیکساں
کب تک جفائے لشکرِ بے پیر دیکھیے

کافر کو بعدِ مرگ مسلمان کر دیا
معجز نمائی سرِ شبیرؑ دیکھیے

بانو پکاری، سب نے جو پوچھا پسر کا حال
دم توڑتا ہے اصغرِ بے شیر دیکھیے

جمّال نے قلم کیے مرنے پہ شہ کے ہاتھ
کیا سنگدل تھا، بدعتِ بے پیر دیکھیے

سجاد سے جو دردِ اسیری کو پوچھتا
کہتے تھے استخواں پہ ہے زنجیر دیکھیے

دانستہ حُرملہ نے خطا کی، ہزار حیف
حلقِ صغیر دیکھیے، اور تیر دیکھیے

☆

بانو بیاں یہ کرتی تھیں سرور کے لاش پر
یا شاہ! حالِ بانوئے دل گیر دیکھیے

ہیں ریسمانِ ظلم سے بازو بندھے ہوئے
اعدا نے کی ہے یہ میری توقیر دیکھیے

گھبرا رہی ہے ہند میں اب روح، اے انیس
چل کر بہارِ روضۂ شبیرؑ دیکھیے

(97)

مجرئی! تب دلِ غمدیدہ کا ارماں نکلے
روضۂ شاہ پہ جب تن سے مری جاں نکلے

خوف تھا شہ کو دمِ ذبح کہ اب خیمے سے
بنتِ زہراؑ نہ کہیں با سرِ عُریاں نکلے

سرِ شبیرؑ جو تنور میں رکھیں اعدا
چشمِ عابد سے نہ کیوں اشک کا طوفاں نکلے

بانو کہتی تھی، جدائی کا نہ صدمہ دیکھوں
پہلے گر رخصتِ سرور سے مری جاں نکلے

خاک وخوں میں جو بھریں گیسوئے مشکینِ حسینؑ
کس طرح خاک سے سنبل نہ پریشاں نکلے

ڈوب کر فوج میں یوں ہوتے تھے اکبر ظاہر
جس طرح ابر میں چھپ کر مہِ تاباں نکلے

حُر سے مِل مِل کے گلے کہتے تھے، انصارِ حسینؑ
لاکھ بے دینوں میں تم صاحبِ ایماں نکلے

رفقا کہتے تھے، اعدا کی اُلٹ دیویں صفیں
مُنہ سے گر سبطِ پیمبر کے ابھی ''ہاں'' نکلے

ننگے سر پیٹتی پیچھے نکل آئی بانو
خیمے سے مرنے کو جب اکبرِ ذیشاں نکلے

جد کے روضے پہ نہ رہنے دیا ملعونوں نے
یہ ستایا کہ وطن سے شہِ ذیشاں نکلے

بولے شہ شرم سے کیوں کر نہ ہوں پانی پانی
زخم کھانے کو جو رن میں مرا مہماں نکلے

سخت جاں مجھ سا نہ ہوگا کوئی، بانو نے کہا
علی اکبر تو مریں اور نہ مری جاں نکلے

بچہ ہاتھوں پہ تڑپتا تھا تو کہتے تھے حسینؑ
کس طرح گردنِ اصغر سے یہ پیکاں نکلے

شاہ کہتے تھے، یہ ناری ہوں ابھی خاک سیاہ
مرے سینے سے اگر نالۂ سوزاں نکلے

☆

روئے والوں سے کہیں گے یہ ملک، حشر کے دن
فردِ اعمال سے تم لوگوں کے عصیاں نکلے

آج ہر قطرے کا ہے کوثر و فردوس صلہ
جن کو تم سمجھے تھے آنسو، دُرِ غلطاں نکلے

شاہ کہتے تھے، محمدؐ کا نہ کچھ پاس کیا
سنگدل کافروں سے بھی یہ مسلماں نکلے

☆

دفن کے وقت تنِ پاکِ شہِ والا سے
سینکڑوں تیرِ ستم خون میں غلطاں نکلے

زخم پر زخم لگے تھے زبس اور تیر پہ تیر
تو بھی کچھ رہ گئے، کچھ تیروں کے پیکاں نکلے

شاہ کہتے تھے، لعینو! نہ ستاؤ مجھ کو
رُوحِ احمدؐ نہ کہیں قبر سے نالاں نکلے

کہا زینب نے کہ واللہ مجھے عید ہوئی
بیٹے شبیرؑ پہ جب ہونے کو قرباں نکلے

اُترے سرتن سے، تو بولی کہ یہ پروان چڑھے
شکر ہے، آج مرے دل کے سب ارماں نکلے

شاہ فرماتے تھے، اعدا سے اگر چاہوں میں
چشمۂ کوثر و تسنیم ابھی یاں نکلے

لوگ کہتے تھے، وہ انساں ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ
دشت سے جن کے لیے رونے کو حیواں نکلے

خیمہ جلنے لگا جس وقت تو ناموسِ نبیؐ
ننگے سر روتے ہوئے، چاک گریباں نکلے

کس قدر شوقِ شہادت تھا کہ رخصت کو امام
خیمۂ خاص میں گریاں گئے، خنداں نکلے

روئے جو ماتمِ شبیرؑ میں دن رات انیس
چاہیے حشر میں، وہ قبر سے خنداں نکلے

(98)

مجرئی! جبکہ عیاں ماہِ عزا ہوتا ہے
چرخ پر ماتمِ شاہِ شہدا ہوتا ہے

رونے والوں کا بھی کیا رتبہ ہے، سبحان اللہ
جن کے اشکوں کا خریدار خدا ہوتا ہے

سرِ حُرؑ گود میں شہ نے لیا، اللہ اللہ
بگڑی بن جاتی ہے، جب فضلِ خدا ہوتا ہے

کانپتی ہے لحدِ انورِ محبوبِ الٰہ
قبر سے نانا کی شبیرؑ جدا ہوتا ہے

☆

دیکھ کر شہ کو، دمِ نزع جو روئے عباس
پیار سے شاہ لگے کہنے، یہ کیا ہوتا ہے

کیوں خجل ہوتے ہو، پانی نہ ملا تو نہ ملا
وہ کیا تم نے، جو کچھ حقِ وفا ہوتا ہے

پھیر دیں آنکھیں جو اصغر نے پکاریں بانو
دوڑو، اے بیبیو! دیکھو تو، یہ کیا ہوتا ہے

برچھیاں چلتی تھیں قاسم پہ تو کہتی تھی قضا
رانڈ ہوتی ہے بنی، قتل بنا ہوتا ہے

دیر بیٹوں کو لگی رن میں تو زینب نے کہا
لاشیں آتی ہیں اگر فضلِ خدا ہوتا ہے

شمر کہتا تھا کہ بیعت کا ہے بے جا انکار
جو ستم شاہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

شاہ سے اکبرِ غازی نے کہا، جان چلی
زخم میں چھاتی کے اب درد سوا ہوتا ہے

شاہ رو دیتے تھے، کہتی تھی، سکینہ جس دم
پیاس سے سینے میں دم اب تو خفا ہوتا ہے

شور چہلم کو، ملائک میں فلک پر تھا یہی
چلو مقتل میں کہ دفنِ شہدا ہوتا ہے

حوصلہ تھا یہ حسینؑ ابنِ علیؑ کا، ورنہ
سجدہ خنجر کے تلے، کس سے ادا ہوتا ہے

دیکھ ہم شکلِ پیمبرؐ کو، یہ کہتے تھے عدو
اس کے چہرے سے عیاں نورِ خدا ہوتا ہے

کہتی تھی خلقِ خدا، دیکھ کے عابد کو اسیر
کہیں بیمار بھی رسّی سے بندھا ہوتا ہے

ذبح شہ ہوتے تھے، چلاتی تھی زینب رو رو
بے گنہ قتل شہِ ہر دو سرا ہوتا ہے

جنگ میں کہتے تھے ہنس ہنس کے نمک خوارِ حسینؑ
زخم کھانے میں بھی اک طرفہ مزا ہوتا ہے

شاہ دیں روتی سکینہ، تو یہ کہتی بانو
موت ہے، باپ سے بچہ جو ہلا ہوتا ہے

شہ کے لب ہلتے ہوئے دیکھ کے زینب نے کہا
صاحبو! نیزے پہ بھی ذکرِ خدا ہوتا ہے

☆

ماں نے عباس کی، اُم سلمہ سے پوچھا
تپ سے بچی کو افاقہ بھی ذرا ہوتا ہے؟

بولی وہ غش میں پڑی رہتی ہے، غش میں بھی مگر
کبھی ماں کا، کبھی بہنوں کا گلہ ہوتا ہے

☆

رن میں کہتے تھے لعینوں سے شہِ تشنہ دہن
بند پانی جو کیا تم نے، تو کیا ہوتا ہے

میرے منہ میں وہ محمد کی زباں کا ہے اثر
شجرِ خشک پہ تھوکوں تو ہرا ہوتا ہے

تا بہ چہلم یہ صدا آتی تھی میداں سے انیس
دیکھیں کب قید سے سجاد رہا ہوتا ہے

(99)

مجرئی! خیمے میں جب برچھیوں والے آئے
دُکھ زدی رانڈوں پہ تلوار نکالے آئے

لائے رُخصت کے لیے گھر میں جو عباس کو شاہ
بانہیں گردن میں عجب پیار سے ڈالے آئے

لاشِ اکبر پہ عجب حال سے آئے شبیر
دونوں ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے آئے

بیبیاں کہتی ہوئی دوڑیں کہ ہے ہے دُولہا
لاش قاسم کی جو شہ گھوڑے پہ ڈالے آئے

خوں بھرا شہ سے گریباں چھپایا نہ گیا
لاشِ اصغر کی تو دامن میں چھپالے آئے

جب سنا، نہر سے عباس پھرے ڈیوڑھی تک
ننھے بچے لیے ہاتھوں میں پیالے آئے

لوٹنے والوں سے کہتا تھا بہ تاکید عمر
ہاں، کوئی دخترِ زہراؑ کی ردا لے آئے

تیر مارا جو ستم گر نے علی اصغر کو
شاہ روتے ہوئے چھاتی سے لگالے آئے

زخم تیروں کے یہ کاری تنِ شبیرؑ پہ تھے
لاش کے گرد نظر خون کے تھالے آئے

غل فرشتوں میں یہ تھا، دیکھیے آگے کیا ہو
عرش تک فاطمہ زہراؑ کے تو نالے آئے

کہتی تھی فاطمہ صغریٰ، خبر آتی نہیں، تو
بوئے گلزارِ، محمدؐ ہی صبا لے آئے

خارِ صحرا نہ ہوئے تھے شرف اندوز ہنوز
پہلے عابد کی قدم بوسی کو چھالے آئے

دردِ عصیاں کی دوا کچھ نہیں درکار انیس
کربلا یاں سے گئے، خاکِ شفا لے آئے

(100)

مجرئی! قتل جب اکبر سا پسر ہو جائے
غم سے کیوں ٹکڑے نہ سرور کا جگر ہو جائے

قتل کی شب یہی شبیرؑ کی تھی حق سے دعا
یا الٰہی! کہیں جلدی سے سحر ہو جائے

کہتے تھے شہ، عمرِ سعد اگر دے مہلت
آج کی رات، عبادت میں بسر ہو جائے

جس جگہ آب کا ہو کام، غضب ہے یارو
اس جگہ خنجرِ قاتل کا گزر ہو جائے

تیر اصغر کے گلے پر جو لگائیں ظالم
کیوں نہ خم مثلِ کماں، شہ کی کمر ہو جائے

شاہ فرماتے تھے، رو کر، مجھے غم ہے کہ کہیں
قتلِ اکبر کی نہ صغریٰؑ کو خبر ہو جائے

پوچھا زینب نے ہوئی فتح؟ تو سرور نے کہا
سر کٹا دوں تو مہم عشق کی سر ہو جائے

جبہ سائی درِ شبیرؑ کی ہوئے جو نصیب
تو یقیں ہے کہ جبیں رشکِ قمر ہو جائے

☆

رن میں اکبر کو لگی دیر تو ماں کا اس کی
تھا یہ نزدیک کہ سو ٹکڑے جگر ہو جائے

جا کے ڈیوڑھی پہ یہ چلائی کہ کہہ دو یا شاہ!
گھر میں اک دم کو مرا نورِ نظر ہو جائے

نانی کہتی تھیں، سفر سے پھریں جب تک شبیرؑ
کہیں صغریٰ کا نہ دنیا سے سفر ہو جائے

کہتی تھی فاطمہ صغریٰ، اگر آئیں بابا
کیسا اُجڑا ہوا آباد یہ گھر ہو جائے

کہا عابد نے، دل، اے شمر! نہ پگھلا تیرا
میں کروں آہ تو پتھر میں اثر ہو جائے

لاش لاتے جو رفیقوں کی تو کہتی زینب
بھانجوں پر بھی عنایت کی نظر ہو جائے

☆

لائیں ڈھالیں تو یہ بیٹوں سے کہا زینب نے
ایک اک نیمچہ بھی زیبِ کمر ہو جائے

مرنے والوں کو تو درکار نہیں ہیں ڈھالیں
چاہیے، جنگ میں سینہ ہی سپر ہو جائے

بعد مردن رہے یادِ رخِ اکبر جس کو
داغِ دل گور میں بھی رشکِ قمر ہو جائے

پٹکے ہر موج نہ ساحل سے سر اپنا کیوں کر
پیاسا جب قتل، شہِ جن و بشر ہو جائے

بولے عابد اسے کیا سوجھے سوا رونے کے
جس کی آنکھوں سے نہاں رُوئے پدر ہو جائے

کہا سجاد نے، اعدا جو مجھے رونے دیں
دامنِ دشت ابھی اشکوں سے تر ہو جائے

لگ کے چھاتی سے پدر کی یہ سکینہ نے کہا
پھر چلو سوئے وطن صلح اگر ہو جائے

شاہ پر چھوڑ کے گھر بار، فدا ہوں جو انیس
ان کا کیوں کر دلِ زہراؑ میں نہ گھر ہو جائے

(101)

مجرئی قید سے جب عابدِ بے پر چھوٹے
شام میں شور ہوا، آلِ پیمبرؐ چھوٹے

رن میں فرماتے تھے بھر کر نفسِ سرد حسینؑ
مجھ سے اس دشت میں کیا کیا مرے یاور چھوٹے

بانو کہتی تھیں کہ ہاتھوں سے اجل کے ہے ہے
نہ تو اکبر ہی بچے اور نہ اصغر چھوٹے

حُر یہ کہتا تھا، کروں گا مددِ سبطِ رسولؐ
اس میں فرزند جدا ہو کہ برادر چھوٹے

ایک عالم سے جو چھٹ جاؤں تو پروا نہیں کچھ
پر نہ ہاتھوں سے مرے دامنِ سرور چھوٹے

خاک پہ گر کے دمِ نزع یہ اکبر نے کہا
اب یقیں ہے کہ نہ تا حشر یہ بستر چھوٹے

شہ نے زینب سے گلے مل کے کہا وقتِ وداع
اے بہن! تم سے ہم اب تا دمِ محشر چھوٹے

بیبیاں کہتی تھیں، کیوں اونٹوں پہ دردر نہ پھریں
سر پہ وارث نہ رہے، قید ہوئے، گھر چھوٹے

شمر کہتا تھا کہ یوں آلِ نبیؐ کو لوٹو
نہ کسی پاس ردا چھوٹے نہ زیور چھوٹے

☆

لاشِ اصغر پہ کہا بانو نے، اماں صدقے
چھ مہینے، مری چھاتی سے نہ دم بھر چھوٹے

آ کے جنگل میں کیا باپ کا پہلو آباد
ماں سے اس عمر میں بیٹا علی اصغر چھوٹے

☆

عورتیں آن کے صغریٰ کو یہ سمجھاتی تھیں
تیرے رونے سے تو ہمسایوں کے گھر چھوٹے

وہ یہ کہتی تھی کہ ماں باپ سے جو چھوٹی ہو
اس سے رونا، کہو دن رات کا کیونکر چھوٹے

شاہ کہتے تھے کٹے حلق، مگر ہاتھوں سے
دامنِ صبر نہ زیرِ دمِ خنجر چھوٹے

جو کہ سوتا ہو محمدؐ کی ردا پر افسوس
خوں کی اس کے تنِ مجروح سے چادر چھوٹے

☆

اسداللہ کے نواسوں کی جو آمد دیکھی
مارے دہشت کے ستم گاروں کے لنگر چھوٹے

شور یہ چار طرف تھا کہ خبردار رہو
لشکرِ شاہ سے دو شیر برابر چھوٹے

خط پہ خط کوفیوں کے آئے تو سرور نے کہا
ہم سے، نزدیک ہے اب قبرِ پیمبرؐ چھوٹے

کہتی تھی بالی سکینہ، ستمِ اعدا سے
ہائے اماں نہ مرے کانوں کے گوہر چھوٹے

☆

بولے اعدا، تنِ شہ سے جو سکینہ لپٹی
باپ کی لاش سے، حیراں ہیں یہ کیونکر چھوٹے

شمر کہتا تھا، کرو رحم نہ اس پر ہرگز
نیزے دکھلاؤ، یہ تا لاش سے ڈر کر چھوٹے

☆

بانو کہتی تھی کہ لاشے پہ اُڑھاؤں شہ کے
ہاتھ سے ظالموں کے گر مری چادر چھوٹے

پیاس میں کہتے تھے اعدا سے رفیقانِ حسینؑ
تم سے دریا نہ چھٹے، ہم سے نہ کوثر چھوٹے

☆

گر بٹھاتا کوئی مسند پہ، تو کہتے سجاد
ہوئے چالیس برس بالش و بستر چھوٹے

زیرِ سر ہاتھ دھرے خاک پہ سو رہتا ہوں
چین تو اٹھ گیا جس روز سے سرور چھوٹے

شاہ کہتے تھے رفیقوں سے چھٹا گو دریا
یہ دعا مانگو کہ پیاسوں سے نہ کوثر چھوٹے

اصغر و شہ کے لگا گردن و بازو پہ جو تیر
خوں کے، دو زخموں سے فوارے برابر چھوٹے

کان کے درد سے کیا بالی سکینہ تڑپی
بدگہر کے نہ مگر ہاتھ سے گوہر چھوٹے

لاش پر بیٹے کی شہ کہتے تھے، ہم سے افسوس
بعد اٹھارہ برس کے علی اکبر چھوٹے

یہ غمِ اکبر و عباس میں کہتے تھے حسینؑ
آج حیدرؑ سے چھٹے، آج پیمبرؐ چھوٹے

خلد میں رو کے سکینہ نے کہا سرور سے
قیدِ زنداں سے تو ہم چھوٹے، پہ مر کر چھوٹے

خبرِ مرگِ علیؑ جس نے سنی، رو کے کہا
آج دنیا کے غم و رنج سے حیدرؑ چھوٹے

آرزو یہ ہے کہ ہنگامۂ محشر میں انیس
ہاتھ سے میرے نہ دامانِ پیمبرؐ چھوٹے

(102)

واجب الرحم تھے، زنداں کے سزاوار نہ تھے
مجرئی! اہلِ حرم قابلِ آزار نہ تھے

بولے عابد کہ فدائے شہِ دیں، غیر ہوئے
اک فقط ہم ہی شہادت کے سزاوار نہ تھے

شاہ فرماتے تھے، ایسے ہیں ہمارے انصار
نانا صاحب کے بھی اس طرح کے انصار نہ تھے

تیر اصغر کو جو مارا، تو کہا سرور نے
ہم گنہ گار تھے، بچے تو گنہ گار نہ تھے

شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے
دہنِ زخم بدن، دیدۂ خوں بار نہ تھے

بدھیاں زخموں کی پہنے ہوئے تھے ابنِ حسنؑ
کیا ہوا پھولوں کے گردن میں اگر ہار نہ تھے

کہا صغریٰ نے کہ فرقت نے پدر کی مارا
آگے اے صاحبو! ہم ایسے تو بیمار نہ تھے

شہ کے دانتوں پہ چھڑی رکھ کے کہا، حاکم نے
ہم نے اس طرح کے دیکھے دُرِ شہوار نہ تھے

صبحِ عاشور تلک ساتھ تھے مولا کے رفیق
عصر کے وقت اکیلے تھے، جلو دار نہ تھے

کہا زہراؑ نے، فلک! میں نے ستایا تھا کسے
میرے بچے تو اس آفت کے سزاوار نہ تھے

گل سے تلووں کا، یہ عابد کے ہُوا تھا احوال
کون سا چھالا تھا وہ، جس میں کہ دو خار نہ تھے

بیڑیاں پہنیں تو کہنے سے پدر کے پہنیں
لاکھ بیمار تھے سجاد پہ ناچار نہ تھے

اہلِ بیت آ کے مقید ہوئے اُس زنداں میں
جس میں لکھا ہے کہ ثابت در و دیوار نہ تھے

کیوں نہ سر دیتے رفیقانِ حسینؑ ابنِ علیؑ
دیں کے طالب تھے، وہ دُنیا کے طلبگار نہ تھے

گر مسیحِ دو جہاں کا ہوا افضال انیس
اچھے یوں ہوئیں گے جیسے کبھی بیمار نہ تھے

☆
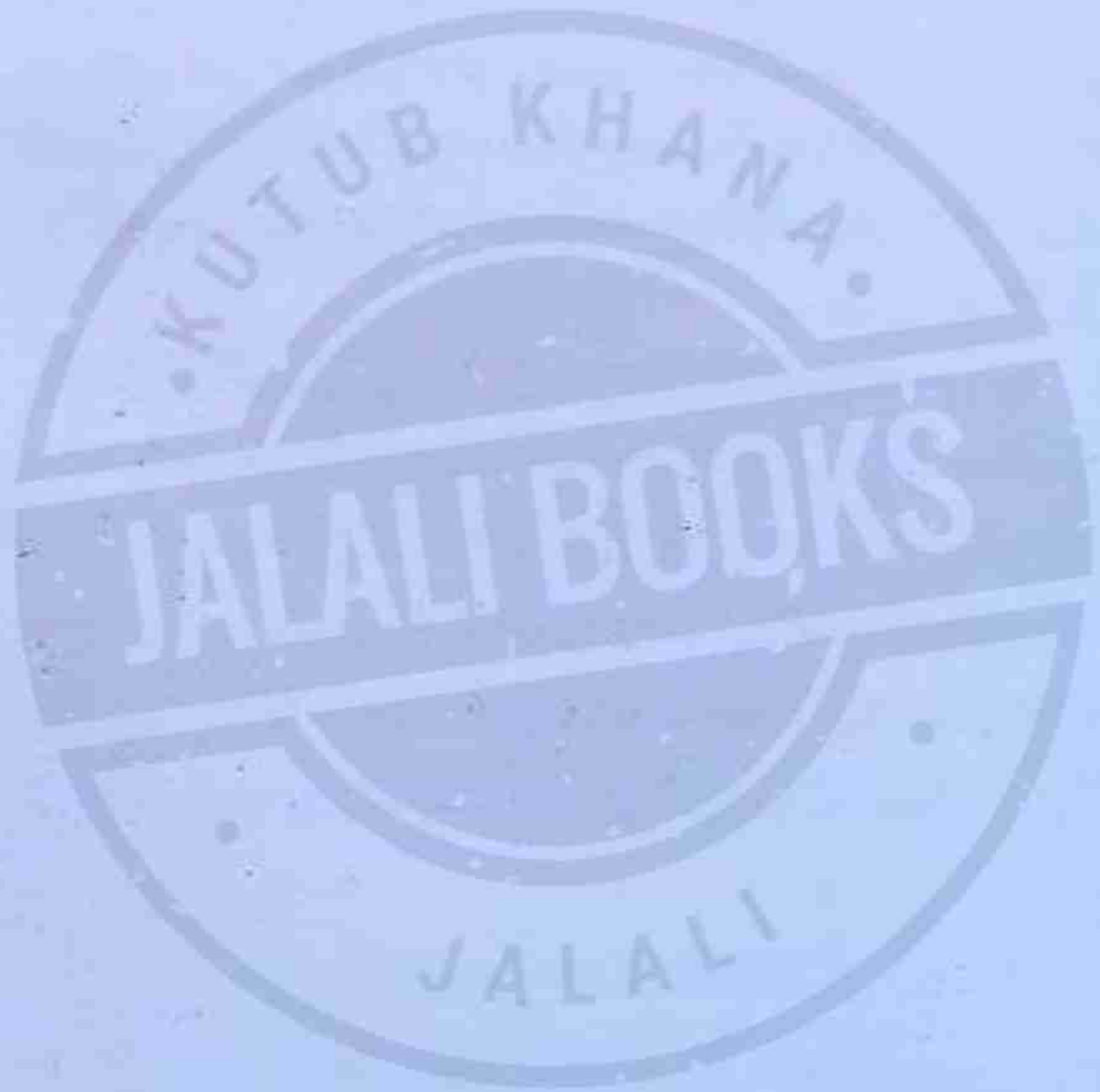
تیسرا حصہ

# انیس کے نوحے

# نوحہ ہائے کرب وبلا

مشرق کے عظیم سخن ور، سخن ساز، سخن ایجاد میر انیس کے کلام کی فنی وفکری بلندیاں کہاں تک بیان کی جائیں۔ کوئی عام سخن ور اگر اپنی زبان سے خود اپنی تعریف کرے تو یہ ناپسندیدہ حرکات میں شمار ہوگی لیکن جب انیس اپنے ہنر وفن اور شاعرانہ عظمت کا اظہار اپنی زبان سے کریں تو بے اختیار زبان سے یہی کلمہ ادا ہوتا ہے کہ ایسا کرنا انھیں زیبا ہے اور ہندوستانی شعرا میں بس انھیں ہی زیبا ہے۔

مرثیوں اور سلاموں کے بعد آئندہ صفحات میں پیش کیے گئے نوحے بھی انیس کے قلم سے نکلی دیگر اصناف کی طرح ان کی عظمت اور فنی بلندی کے جیتے جاگتے اظہاریے ہیں۔ انیس اپنی شاعری پر خود بات کرتے ہوئے کبھی موتی پرونے کا ذکر کرتے ہیں، کبھی اپنے شعر کو "شعرِ نو" قرار دیتے ہیں۔ کبھی مضامینِ نو کے انباروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کبھی پُرگوئی اور طلاقت کا دعویٰ کرتے ہیں، کبھی فصاحت وبلاغت پر ناز فرماتے ہیں، کبھی طبع کی رنگینی اور کلام کی نمکینی کی طرف توجہ دلاتے ہیں لیکن انھیں قافیہ پیمائی سے سخت نفرت ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

انیس اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کمیتِ قلم کی عناں کھینچتے ہیں

یہ حقیقت بلاخوفِ تردید بیان کی جاسکتی ہے اور روزِ روشن کی طرح ہر صاحبِ فکر ونظر پر عیاں ہے کہ فنکارانہ جمال آفرینی کے اس احساس توازن کے بغیر اعلیٰ پائے کے شعری ادب کا تخلیق ہونا ممکن نہیں ہے اور انیس اس احساس سے مالامال تھے۔ اس بات کا ثبوت ہمیں "کلیاتِ انیس" کے تیسرے حصے سے بھی بار بار ملتا ہے جو انیس کے قلم سے نکلے نوحوں پر مشتمل ہے اور اس حوالے سے ایک دو شعری مثالیں پیش کرنا ہرگز بے محل نہ ہوگا:

مجھے یاں چھوڑ کر کس پر، گئے گلزارِ جنت کو
مرے والی، مرے وارث، مرے رشکِ قمر دولھا!

o——o

آنکھوں میں بصارت نہیں، تاریک جہاں ہے
تم ہاتھ میرا تھامنے آؤ، علی اکبر

o——o

کہتے تھے زینب سے رو کر آج سرور، الوداع!
اے مری بیکس بہن! اے میری خواہر الوداع!

o——o

دنیا میں آج حشر کا دن آشکار ہے
سبطِ نبیؐ کے سینے پہ قاتل سوار ہے

o——o

مجرائی! رو رو کہتی یہ زہراؑ کی جائی ہے
سر کاٹا میرے بھائی کا نانا دہائی ہے

o——o

انیس کے ان نوحوں کا ہر لفظ سسکی اور ہر حرف آہ ہے۔ ہر مصرعہ چھاتی کاٹتا اور ہر شعر سینہ پیٹتا دکھائی دیتا ہے۔ درد و الم اور آہ و فغاں کی فضا ہر نوحے میں پہلے سے آخری لفظ تک برابر چھائی رہتی ہے۔ امام عالی مقام حضرت حسینؓ، ان کے اہل خانہ اور ساتھیوں پر کربلا کے میدان میں جو گزری تھی، اس کی خوں روتی تصویر بنانا تو کوئی انیس سے سیکھے۔ وہ خود بھی روتے ہیں، اوروں کو بھی رُلاتے ہیں اور نوحہ لکھتے ہوئے یوں پگھل جاتے ہیں کہ سرتاپا تاثیر بن کر اپنے کلام میں سما جاتے ہیں۔ ان باتوں کے شاہد آئندہ صفحات میں پیش کردہ منتخب نوحے ہیں۔

-☆-

(1)

بیاں کرتی تھی کبریٰ، اے مرے رشکِ قمر دولہا!
ہوا پامال گھوڑے سے ترا تن، سیم بر، دولہا!

پھراتے دربدر کس طرح اک دن کی بیاہی کو
جو کوئی کاٹ لیتا تیرے بدلے میرا سر دولہا!

جہاں میں ایسی بھی شادی کسی کی کم ہوئی ہوگی
گیا مرنے دُلہن کو چھوڑ کر، وقتِ سحر دولہا!

نہ چھوڑوں گی کبھی رونا، نہ بدلوں گی کبھی کپڑے
رہوں گی جوڑا رنڈ سالے کا پہنے عمر بھر، دولہا!

نہ پایا رسم کا شربت گئے دنیا سے تم پیاسے
ہوئے ہے ہے نہ مرتے مرتے لب پانی سے تر دولہا!

نہ اکبر ہیں، نہ عباسِ دلاور ہیں، نہ بابا ہیں
پھرائیں گے لعیں اونٹوں پہ ہم کو دربدر دولہا!

تمھارے آگے مرتی ہیں، پہ یہ قسمت میں لکھا تھا
دولہن بیٹھی رہے، کر جائے دنیا سے سفر دولہا!

ہوئے مہندی کے بدلے سرخ دست و پا ترے خوں سے
ہُوا طرے کی جا تم کو میسر زخمِ سر، دولہا!

وطن میں جا کے کب ہم جولیوں کو منہ دکھاؤں گی
تمھاری قبر پر بیٹھی رہوں گی عمر بھر دولہا!

• جو کوئی مجھ سے پوچھے گا یہ کس کی قبر ہے، بتلا
کہوں گی رو کے میں تھا یہ مرا خستہ جگر دولہا!

ہوئی میں رانڈ بیاہی ایک شب کی، دل جلی، دُکھیا
سحر کو رن میں کھا کر مر گیا تیغ و تبر دولہا!

نشانی آستیں دے کر گئے تم ایسے دنیا سے
دوبارہ پھر دلہن کی لی نہ کچھ آ کر خبر دولہا!

سوائے آرسی مصحف، نہ صورت دیکھنے پائی
نہایت تم نے جلدی باندھی مرنے پر کمر دولہا!

مجھے یاں چھوڑ کر کس پر گئے گلزارِ جنت کو
مرے والی، مرے وارث، مرے رشکِ قمر دولہا!

انیسِ خستہ دل حق سے دعا کر ہاتھ پھیلا کر
محرم سے بُلا روضے پہ اپنے پیشتر، دولہا!

(2)

بے سر ہُوا امامِ زماں ، وامصیبتا!
ویراں پڑا ہے سارا جہاں، وامصیبتا!

نشو و نما ملے جسے شیرِ بتول سے
ہوئے وہ ذبح تشنہ دہاں، وامصیبتا!

گرمی میں ہائے ساقیِ کوثر کے لال کی
ہے خشک تشنگی سے زباں، وامصیبتا!

مقتل سے لُٹ کے احمدِ مختار کے حرم
کوفہ کو اب ہوئے ہیں رواں، وامصیبتا!

آیا ہے جن کی آیۂ تطہیر شان میں
ہیں بے ردا وہ نوحہ کناں، وامصیبتا!

جو سر بتول بازو پہ رکھتی تھیں رات کو
وہ سر تنور میں ہے نہاں، وامصیبتا!

زینب جو ''ہائے اَینَ اَخی'' کہتی تھیں انیس
سب کہتے تھے نہ کیجیے فغاں، وامصیبتا!

(3)

چہلم ہے آج سرورِ عالی مقام کا
عریاں ہے سر رسول علیہ السلام کا

زنداں سے چھٹ کے آئے ہیں مقتل میں اہلِ بیت
لاشہ اُٹھانے سبطِ رسولؐ انام کا

تیاریاں ہیں دفنِ شہیدانِ پاک کی
مرقد بنا ہے ان میں ہر اک نیک نام کا

فضہ پکاری بی بیو! آ کر شریک ہو
سجاد دفن کرتے ہیں لاشہ امام کا

بھائی کے ساتھ گاڑ دو اے کاش مجھ کو بھی
تھا یہ بیان زینبِ ناشاد کام کا

کہتی تھی بانو ملتا جو اک جام شیر کا
دلواتی فاتحہ علی اصغر کے نام کا

یا رب دُعا ہے تجھ سے یہ ہر دم انیس کی
روضہ دکھا حسین علیہ السلام کا

(4)

روکے کہتی تھی زینب یہ رن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

سر کٹائے پڑا ہے تو بن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

خون جاری رگوں سے ہوا ہے، گویا دریا لہو کا بہا ہے

زخم کاری لگے ہیں بدن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

رونے دیتے نہیں غم زدوں کو، مارتے ہیں لعیں ہم سبھوں کو

پیٹیں کیونکر بندھے ہیں رسن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

تیرے لاشے کو کیونکر اٹھاؤں، سر پہ چادر نہیں جو بچھاؤں

خاکِ صحرا بھری ہے بدن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

ہم کو اُمت نے کیسا ستایا، پیشِ حاکم کھلے سر بلایا

اور علیؑ کو رُلایا کفن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

کیا قیامت کی ہے ہے گھڑی ہے، پیش حاکم سکینہ کھڑی ہے

سر تمھارا دھرا ہے لگن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

اے انیس اب اُڑا خاک روکر، چھپ گئی ہائے وہ لاشِ سرور

چاند زہراؑ کا آیا گہن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینا!

(5)

شبیرؑ نے یہ خیمے کی ڈیوڑھی پہ پکارا، مارے گئے اکبر

گھر لٹ گیا اے بانوئے ناشاد تمھارا، مارے گئے اکبر

ہم بیکس و تنہا ہوئے، واحسرت و دردا، واحسرت و دردا!

جینے کا ہمارے نہ رہا کوئی سہارا، مارے گئے اکبر

زینب سے یہ کہہ دو کہ کرے چاک گریباں، پیٹے بصد افغاں

نیزے سے ترے لال کا دِل چھد گیا سارا، مارے گئے اکبر

چاہا تھا کہ ہم پہلے گلا اپنا کٹائیں، بیٹے کو بچائیں
تقدیر سے لیکن نہ چلا زور ہمارا، مارے گئے اکبر
اٹھارہ برس کی مری دولت ہوئی برباد، فریاد ہے فریاد
تنہا ہُوا اب حیدر کرار کا پیارا، مارے گئے اکبر
اب ذبح کریں گے ہمیں خنجر سے ستم گار، اے بانوے ناچار
لاشہ بھی اٹھانے کا نہیں کوئی ہمارا، مارے گئے اکبر
نکلی ہوئی تھی سوکھی زبان ہونٹوں سے باہر، میں پیٹتا تھا سر
دوبار کیا ہاتھ سے پانی کا اشارا، مارے گئے اکبر
دُنیا سے گئے سینے پہ پھل برچھی کا کھایا، اے وائے مقدر!
کیوں مجھ کو نہ پہلے ستم ایجاد نے مارا، مارے گئے اکبر
غُل ہوتا تھا خیمے میں انیس آہ و بکا کا، ساماں تھا عزا کا
جب کہتا تھا رو کر اسداللہ کا پیارا، مارے گئے اکبر

(6)

شہ کہتے تھے جنگاہ سے آؤ علی اکبر
پھر چاند سی یہ شکل دکھاؤ علی اکبر

تنہا ہے پدر لاکھوں عدو درپئے جاں ہیں
نصرت کے لیے باپ کی آؤ علی اکبر

قاسم سے کہو تم کو بلایا ہے چچا نے
عباس جو سوتے ہوں جگاؤ علی اکبر

عرصے سے جو دیکھا نہیں، بیتاب ہے مادر
پھر آ کے اُسے شکل دکھاؤ علی اکبر

اب وقتِ نماز آیا ہے، ہے ظہر کا ہنگام
پھر اپنی اذاں ہم کو سناؤ علی اکبر

دم پیاس سے ہے اصغرِ ناداں کا لبوں پر
پانی اسے ایک بوند پلاؤ علی اکبر

خیمہ میرا سُنسان ہے تم جب سے گئے ہو
گھر چھوڑ کے جنگل نہ بساؤ علی اکبر

اب آیا ہے لینے کو تمھیں قاصدِ صغریٰ
بیمار کے تم لینے کو جاؤ علی اکبر

اے شیر مرے کون سے جنگل میں پڑے ہو
آواز تو بابا کو سناؤ علی اکبر

آنکھوں میں بصارت نہیں تاریک جہاں ہے
تم ہاتھ مرا تھامنے آؤ علی اکبر

نیند اصغرِ ناداں کو نہیں جھولے میں آتی
آغوش میں تم اپنی سلاؤ علی اکبر

چھاتی پہ مری شمر ستمگار چڑھا ہے
سینے سے مرے اس کو ہٹاؤ علی اکبر

جب لوٹ ہوئی بنتِ علیؑ کہتی تھی رو رو
چادر سرِ زینب کی بچاؤ علی اکبر

مضطر ہے انیس اب تو بہت آپ کا ہر دم
اس کو بھی زیارت کو بلاؤ علی اکبر

کہتی تھی صغریٰ یہی، اے مرے بے سر پدر
بے کس و بے آشنا، کشتۂ خنجر پدر

وعدہ کیا تھا، تجھے جا کے بلاؤں گا میں
ہو گیا وعدہ ترا ہائے برابر پدر

زیست کا جاتا رہا، ہائے مری سب مزا
تیرے بن اب زندگی ہوئے گی کیونکر پدر

چھاتی بھری آتی ہے مجھ جگر افگار کی
خالی، ہوں جب دیکھتی، حُجرے کو جا کر پدر

اکبر و اصغر کو تم لے گئے شفقت کے ساتھ
یاد نہ آئی تمہیں ہائے یہ دختر پدر

ٹوٹ گئی میری آس، ہو گئی میں ناامید
سُن کے سنانی تری اے مرے سرور پدر

وادیِ کرب و بلا تم نے بسایا ہے آہ
کر گئے ویران تم ہائے مرا گھر پدر

سنتی ہوں پھپھیاں مری، فوج عدو میں ہیں قید
اُن کو چھڑائے گا کون، قید سے جا کر پدر

ساتھ گیا تھا جو آہ، شہر سے بہرِ وغا
ہائے وہ کیا ہو گیا آپ کا لشکر پدر

ہے یہ مری التجا، پاس ہی اپنے مجھے
جلد بُلا لیجیے! بہرِ پیمبر پدر

کہتی تھی رو کر انیس فاطمہ کبریٰ یہی
ہائے میں جیتی رہی، ہو گئے بے سر پدر

(8)

کہتے تھے زینب سے روکر آج سرور، الوداع!
اے مری بیکس بہن! اے میری خواہر الوداع!

دیکھ لے اس شب مجھے پھر ہم کہاں اور تم کہاں
حشر کے دن پھر ملے گا یہ برادر، الوداع!

تین دن پانی کے بدلے خونِ دل میں نے پیا
صبح کو میرا لہو پیوے گا خنجر، الوداع!

وقت پہنچا وہ کہ جس کا تھا سدا دھڑکا ہمیں
کل جُدا ہووے گا اس تن سے مرا سر، الوداع

رات بھر کا اے بہن! دنیا میں اب مہمان ہوں
صبح کو ویران ہو جائے گا یہ گھر، الوداع!

گردِ خیمے کے جو رونے کی یہ آتی ہے صدا
روحِ زہراؑ پر قلق ہے، میری سُن کر الوداع!

اے مری کلثوم بہنا! اے شہادت عنقریب
صبح ہو جائے گی تجھ پر صبحِ محشر، الوداع!

ذبح کرتے وقت بھی پانی نہ دیویں گے لعیں
تشنہ لب جاؤں گا میں تا حوضِ کوثر، الوداع!

پہلے میرے غرقِ دریائے شہادت ہوں گے سب
اکبر و عباس و قاسم، عون و جعفر، الوداع!

اے سکینہ الفراق! اے پیاری بیٹی الفراق!!
فاقہ کش، تشنہ دہن، مظلوم دختر، الوداع!

آ، ذرا لگ جا گلے اپنے مسافر باپ سے
اے مری لاڈوں کی پیاری، ناز پرور الوداع!

خاک اڑا کر صبح سر پر کرے اب رخصت مجھے
اے انیسِ درد و غم، بانوئے مضطر الوداع!

(9)

کہتی تھیں زینبِ دل خستہ، مرے بیر حسینؑ
خاک میں کس نے ملائی، تری تصویر حسینؑ

تم تو پردیس میں سر اپنا کٹا کر سوئے
شام کو جاتی ہے سر ننگے یہ ہمشیر، حسینؑ

تازیانے مجھے بے جُرم لگاتے ہیں لعیں
اس خطا کی انھیں دیتے نہیں تعذیر حسینؑ

روح پیاسی تری جنت کو سدھاری صد حیف
پانی ہاتھ آیا نہ لیکن کسی تدبیر، حسینؑ

تیرے لاشے کو کفن بھی نہ ملا ہائے اخی
سر پہ چادر نہ رہی، کیا کروں تدبیر حسینؑ

گھر سے بلوا کے کیا آلِ محمد کو شہید
ننگے سر اونٹوں پہ ہم کو کیا تشہیر حسینؑ

پوچھتی ہے تمھیں ہر بار سکینہ مجھ سے
اس کے بہلانے کی اب کیا کروں تدبیر حسینؑ

تیرے رُتبے کی کسی نے نہ شناسائی کی
یہ نہ سمجھے کہ ہے قرآن کی تفسیر حسینؑ

زینب خستہ جگر کہتی تھی رو کر یہ انیس
میرے عاشق، مرے شیدا! مرے شبیر! حسین

(10)

ہو گئی بے نور جب شمعِ مزارِ فاطمہ
اڑ گیا سیماب ساں صبرو قرارِ فاطمہ

بن گئے اُس دن سلیماں بادشاہ انس و جاں
لعل و دُرِ حق نے کیے جس دن نثارِ فاطمہ

سرگذشتِ کربلا کیا پوچھتے ہو، دوستو!
گر پڑا گھوڑے سے جس دم شہسوارِ فاطمہ

پُرخطر صحرا میں اُس دم بھولتے مجھ کو نہیں
ہائے ہائے نالۂ شب ہائے تارِ فاطمہ

دفن کر کے لاشۂ اصغر کو بولے شاہ دیں
یہ امانت کی سپرد ہم نے تمھارے فاطمہ

تابہ چہلم دھوپ میں اس کا تنِ نازک ہے
خوابگہ ہوئے سدا جس کی کنارِ فاطمہ

(11)

خیمۂ ابنِ حسنؑ میں ہے جو آئی مہندی
پیاری دخترِ شہِ بیکس کی ہے لائی مہندی

رو دیے ابنِ حسنؑ سوچ کے کچھ حال اپنا
جس گھڑی قاسمِ نوشہ نے لگائی مہندی

ہنس کے یہ مادرِ قاسم نے کہا زینب سے
لال کی مجھ کو خدا نے ہے دکھائی مہندی

سہرا باندھے ہوئے میدان میں وہ قتل ہوا
بیاہ کی ہائے اُسے راس نہ آئی مہندی

بدلے شربت کے پیا دولہا نے آبِ خنجر
خون میں قاسمِ نوشہ کے نہائی مہندی

درِ خیمہ پہ کھڑی کہتی تھی فضہ سب سے
دیکھ لو قاسم نوشہ کی ہے آئی مہندی

سبز تھی سرخ ہوئی ہاتھ میں نوشہ کے انیس
خوش ہوئی ایسی کہ پھولے نہ سمائی مہندی

(12)

دنیا میں آج حشر کا دن آشکار ہے
سبطِ نبیؐ کے سینے پہ قاتل سوار ہے

چلا رہی ہے خیمہ سے زینب اُتر لعیں
بھائی کا میرے زخموں سے سینہ فگار ہے

کہتے تھے شاہ شمر سے مجھ کو نہ ذبح کر
دنیائے چند روزہ کا کیا اعتبار ہے

مر جاؤں گا میں آپ ہی اب تھوڑی دیر میں
قالب میں روح کا کوئی دم کو قرار ہے

انیس سو ہیں تیغ و سنان و تبر کے زخم
سنگِ ستم کے خوں سے بدن لالہ زار ہے

قرآں ہے صاف سینہ یہ بیٹھا ہے جس پہ تو
بوسہ گہہ رسولؐ پہ خنجر کی دھار ہے

ہے زلزلہ زمیں کو گہن میں ہے آفتاب
بارش ہے خوں کی چشمِ فلک اشکبار ہے

ہے عنقریب پھونکے سرافیل صور کو
بس حکمِ کبریا کا فقط انتظار ہے

اب آگے کر بیاں نہ انیسِ جگر فگار
یہ دن وہ ہے کہ سارا جہاں اشکبار ہے

(13)

زینب نے کہا بی بیو! لو مر گئے بھائی
پردیس میں برباد مجھے کر گئے بھائی

اے واے سفا! احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے
مرنے سے ترے تین اُجڑ گھر گئے بھائی

زخموں سے بدن چور، نہ تن پر سرِ اقدس
اس شکل سے تم پیشِ پیمبرؐ گئے بھائی

کیا فاطمہؑ کا حال ہوا ہووے گا اس دم
جس وقت کہ تم خلد میں بے سر گئے بھائی

قاسم گئے، عباس گئے، عون و محمد
ہمراہ ترے اکبر و اصغر گئے بھائی

جو عید کے دن تم نے سکینہ کو دیے تھے
کانوں سے اتر اُس کے وہ گوہر گئے بھائی

زینب، یہی کہتی تھیں انیسِ جگر افگار
کس ملک کو دنیا سے سفر کر گئے بھائی

(14)

مجرائی! رو رو کہتی یہ زہرا کی جائی ہے
سر کاٹا میرے بھائی کا نانا دہائی ہے

کہتا تھا شمر فوج سے، لڑنا سمجھ کے آج
عباس سے نہیں یہ علی سے لڑائی ہے

کہتے تھے شاہ بچوں کی کیونکر بجھے گی پیاس
دریا پہ ظالموں نے تو چوکی بٹھائی ہے

اکبر جو آیا رن میں تو لشکر سے بولا شمر
اس کو بھی مار لو تو بس آگے صفائی ہے

بانو پکاری شاہ کو ڈیوڑھی پہ آن کر
میری تمام عمر کی لُٹتی کمائی ہے

دوڑو خبر لو بیٹے کی اے فاطمہؑ کے لال
برچھی ستم کی سینے پہ اکبر نے کھائی ہے

کہتی تھی بانو بی بیو اب مارے پیاس کے
اصغر کے میرے مُردنی چہرے پہ چھائی ہے

زینب پکاری کر کے منہ اپنا سوئے نجف
جلد آؤ یا علی دمِ مشکل کشائی ہے

کچھ بس نہیں ہے چلتا کھڑی دیکھتی ہوں میں
بھائی پہ میرے فوجِ ستم کی چڑھائی ہے

گھر مصطفیٰؐ کا ہوتا ہے برباد ظلم سے
رن میں بتولِ پاک کی لٹتی کمائی ہے

بانو یہ بین کرتی تھیں اصغر کی لاش پر
واری گئی یہ ماں ترے لاشے پہ آئی ہے

ہرگز نہ ہو گا صاحبِ اولاد وہ لعیں
جس نے یہ خاک میں تری صورت ملائی ہے

زینب پکاری سبطِ نبی کا نہ کاٹ سر
اے شمر ڈر خدا سے یہ کیا بے حیائی ہے

جو شہ کے سر کو پوچھتا زینب یہ کہتی تھی
لوگو میں کیا بتاؤں کہ یہ میرا بھائی ہے

حاکم نے پوچھا شمر سے اپنا جو منہ چھپائے
یہ کون ہے جو شام کی بندی میں آئی ہے؟

بولا یہ شمر خواہرِ شبیرؑ ہے یہی
زینب اسی کا نام ہے زہراؑ کی جائی ہے

مداح ہے جو سبطِ پیمبر کا اے انیس
بے شبہ اس کی خلدِ بریں تک رسائی ہے

☆
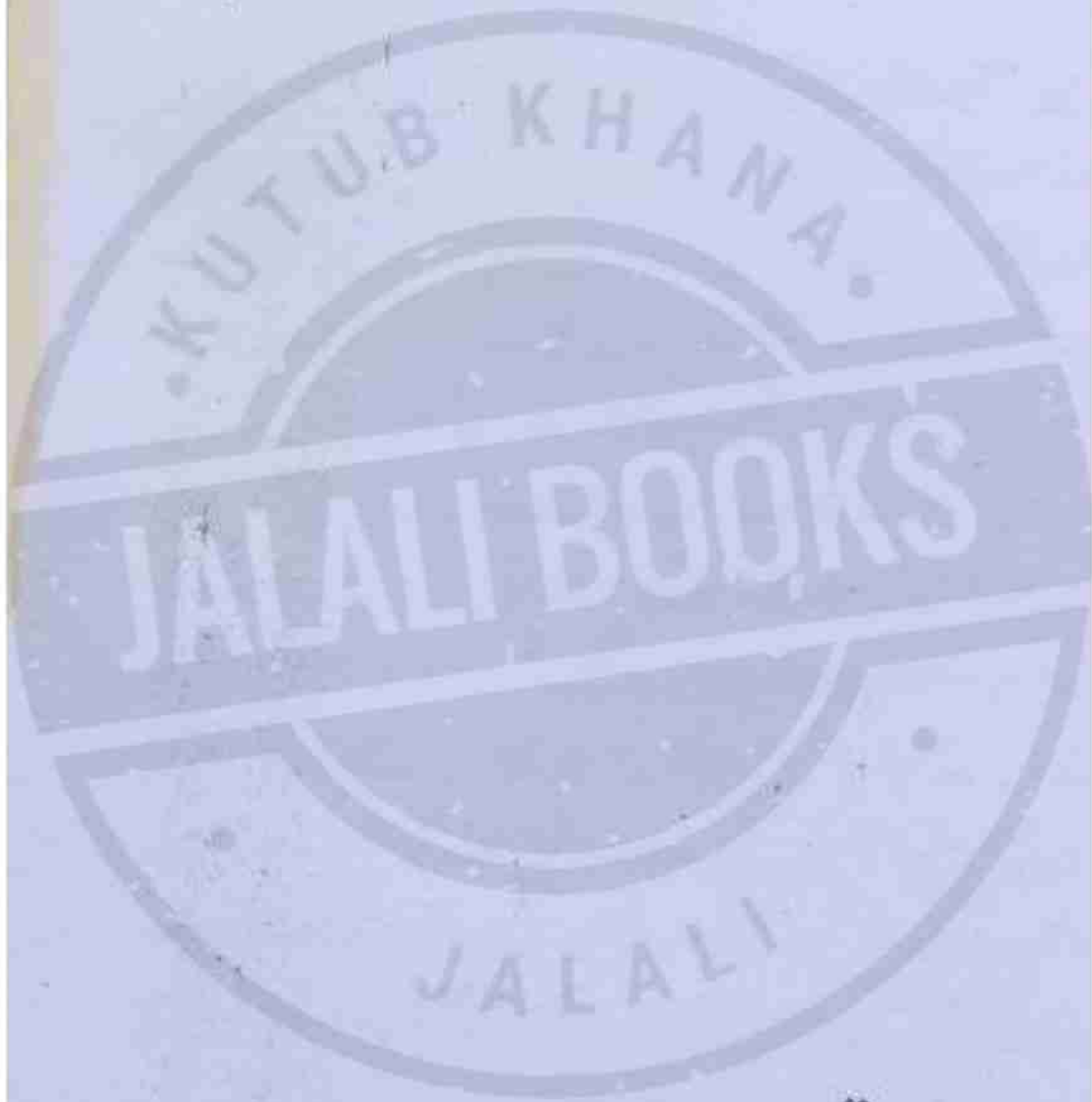
چوتھا حصہ

# انیس کے نوادرات

# نوادراتِ کلامِ انیس

قارئین! ''کلیاتِ انیس'' میں میر ببر علی انیس کے کلام کا منتخب ترین حصہ آپ مرثیوں، سلاموں اور نوحوں کی صورت میں مطالعہ فرما چکے ہیں۔ یہ بات اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص، اردو کے شعری سرمائے پر نظر رکھنے والا ہر باذوق قاری اور ''انیس پسند'' طبقے کا ہر فرد جانتا ہے کہ میر انیس بیک وقت زود گو بھی تھے اور خوب گو بھی۔ کچھ شعرا کم گو، کم نویس مگر خوب گو ہوتے ہیں اور کچھ زود گو تو ہوتے ہیں لیکن ان کی تخلیقات سے خوب گوئی ثابت نہیں ہوتی لیکن انیس میں یہ دونوں اعلیٰ صفات یکجا ہیں۔ انھوں نے بہت زیادہ لکھا اور بہت اچھا لکھا۔ ان کی شعری تخلیقات کی فراوانی جب وقت کی نذر ہوئی تو مستند کلام کی اشاعت کی نوبت آتے آتے کئی نظمیں حالات و واقعات کی دھند میں چھپ گئیں۔ آئندہ صفحات میں اور انیس کے نوادرات کے نام سے ''کلیاتِ انیس'' میں شامل اس چوتھے اور آخری حصے میں کچھ ایسی ہی تخلیقات مرتب کی گئی ہیں جو عام طور پر کمیاب ہیں۔ یہ انمول موتی بھی انیس کے باقی کلام کی طرح اپنی نزاکت و لطافت اور حسن و خوبی کی داد پا سکیں، اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ یہاں ان منظومات کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ میر انیس جیسے عظیم سخن ور کا یہ فراموش کیا گیا کلام ایک بار پھر باذوق لوگوں کے ہونٹوں سے جاری ہو جائے۔

آئندہ صفحات میں مناجات کے بعد حضرت علیؑ کی ایک منقبت ہے جو انیس کی فنی کاملیت اور شعری عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اس سے زیادہ ایجاز و اختصار کہیں اور دیکھنے میں نہیں آ سکتا۔ ثبوت کے لیے کسی طولانی بحث اور دلائل لانے کے بجائے محض چند اشعار نقل

کر دینا ہی کافی ہوگا:

علی ہادی، علی ایماں، علی لطف و علی احساں
علی حکمت، علی شافی، علی دارو، علی درماں

O—O

علی بحر و علی معدن، علی بر و علی گلشن
علی فتح و علی نصرت، علی آرامِ جان و تن

O—O

علی کافی، علی وافی، علی واجد، علی شاہد
علی واحد، علی زاہد، علی راکع، علی ساجد

مذکورہ منقبت مخمس کی صورت میں لکھی گئی ہے اور اس کے بعد چند تضمینیں ہیں جن کے ساتھ ہی نوادراتِ انیس اور ''کلیاتِ انیس'' کا اختتام ہوتا ہے۔

-☆-

## مناجات

مبتلائے غم دلِ ناشاد ہے
منحرف چرخِ ستم ایجاد ہے

یہ زمانہ برسرِ بیداد ہے
آپ پر روشن مری رُوداد ہے

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

یا علیؑ، یا ایلیا، یا بوالحسن
اے رسولِ کبریا کے جان و تن

اے مددگارِ حبیبِ ذوالمنن
ہے ہجومِ حسرت و رنج و محن

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

ہے مدد کا وقت یا شاہِ نجف
اک طرف میں اور زمانہ اک طرف

دیجیے مولا صدائے لاتخف
جانِ شیریں مفت ہوتی ہے تلف

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

دُکھ تو یہ، اور ہم نفس کوئی نہیں
دیکھتا ہوں پیش و پس کوئی نہیں

میں تنِ تنہا ہوں، بس کوئی نہیں
آپ ہیں فریاد رس، کوئی نہیں

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

روز و شب رہتا ہے راحت میں خلل
کل نہیں اک آن دل کو آج کل

بُجھ گیا ہے خود بخود دل کا کنول
آپ گر چاہیں تو سب عقدے ہوں حل

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

سب کی طرح کی آپ کو قدرت ہے، آج
جس کو چاہیں اُس کو بخشیں تخت و تاج

خود بخود افسردہ رہتا ہے مزاج
اے مسیحا کیا کروں اِس کا علاج

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

آپ ہیں نامِ خدا، دستِ خدا
آفتابِ مشرقِ لطف و عطا

جانشینِ حضرتِ خیرالوریٰ
مقتدا، والاہم، بحرِ سخا

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

سب پہ روشن ہے یہ اے والا جناب
مہر سے ذرّے کو کر دو آفتاب

ان دنوں ہے دل کو رنج و اضطراب
حل مری مشکل بھی ہو جائے شتاب

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

ہے محبت دل کو جو حد سے زیادہ
بھولتی اک دم نہیں حضرت کی یاد

آپ پر ظاہر ہے میرا اعتقاد
کس سے مانگوں پھر بھلا دل کی مراد

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

اے خدیوِ ملکِ دیں، شاہِ حجاز
اے دو عالم کے معین و کارساز

اے دُرِ دریائے رازِ بے نیاز
قلزمِ آفت میں ہے میرا جہاز

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

آپ کے در کا گدا ہوں، یا علیؑ!
نامِ اقدس پر فدا ہوں یا علیؑ!

لائقِ لطفِ عطا ہوں، یا علیؑ!
قیدیِ دامِ بلا ہوں، یا علیؑ!

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

ایک سینہ اور سو حسرت کے داغ
گھر نہ بھاتا ہے، نہ صحرا اور نہ باغ
بُجھ گیا ہے دل، نہیں غم سے فراغ
گر مراد آئے تو روشن ہو چراغ

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

ہے زباں پہ قصہ سلمان و شیر
سرکشوں کو کر دیا حضرت نے زیر
خود کیے فاقے، کیا بھوکوں کو سیر
میرے مطلب میں، شہا! کیوں اتنی دیر

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

کھول دو عقدوں کو، یا مشکل کشا!
تھام لیجے ہاتھ یا دستِ خدا
آپ ہیں کونین کے حاجب روا
میں پکاروں کس کو حضرت کے سوا؟

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

دُرِ بحرِ صولت و شوکت ہیں آپ
اور قسیمِ کوثر و جنت ہیں آپ

عاصیوں کے واسطے رحمت ہیں آپ
ناخدائے کشتیِ امت ہیں آپ

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

بطنِ ماہی میں ہوئے یونس جو بند
خار خارِ غم سے تھا دل دردمند

آپ نے ان پر نہ آنے دی گزند
فکر میں ہے میری جانِ مستمند

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

مصر کے زنداں میں تھے یوسف اسیر
اور نہ تھا غربت میں کوئی دست گیر

دی رہائی ان کو اے کُل کے امیر
قیدِ غم میں حال ہے میرا تغیر

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

شاہِ من، مقصودِ امرِ کن فکاں
شیرِ حق، مطلوبِ روح و جسم و جاں

عالمِ اسرارِ پیدا و نہاں
قاسمِ روزی، امامِ انس و جاں

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

زیبِ فرش و عرش و کرسی و فلک
خادمِ درگاہِ عالی ہیں ملک
مالکِ کل ہو، نہیں کچھ اس میں شک
میرے مطلب میں تامل کب تلک

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

یا علی روحی و قلبی فداک
تاجِ سر ہے آپ کے قدموں کی خاک
تیغِ غم سے ہے کلیجہ چاک چاک
لاکھ صدموں میں ہے جانِ دردناک

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

العطا، اے تاجدارِ ہل اتیٰ
الحفیظ، اے شہسوارِ لا فتیٰ
الاماں، اے ضیغمِ ربِ عُلا
الغیاث، اے خسروِ خیبر کُشا

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

اے چراغِ طورِ ایماں، الغیاث!
اے محمدؐ کے دل و جاں، الغیاث!
اے شہنشاہِ غریباں، الغیاث!
الغیاث اے شاہِ مرداں، الغیاث!

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

آپ کو روحِ پیمبرؐ کی قسم
آپ کو زہرائے اطہرؑ کی قسم
آپ کو شبیر و شبر کی قسم
آپ کو سلمان و قنبر کی قسم

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

قربِ زین العابدیں کا واسطہ
باقرِ علمِ مبیں کا واسطہ
جعفرِ صاحب یقیں کا واسطہ
کاظمِ گردوں نشیں کا واسطہ

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

بہرِ سوزِ سینۂ موسیٰ رضا
بہر اکرام تقی مقتدئی
بہرِ توقیر نقی شاہِ ہُدا
بہرِ قربِ عسکری باخدا

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

مہدیِ ہادی کا صدقہ یا امام
مطلبِ دل میرے بر لاؤ تمام

مجھ سے ہو سکتا نہیں کچھ انتظام
آپ پر موقوف ہیں سب میرے کام

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

ہے زیارت کے لیے دل بے قرار
روضۂ اقدس پہ ہوں کیوں کر نثار

ہاں بُلا لے، اے امیرِ تاجدار
آپ ذی قدرت ہیں، میں بے اختیار

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

گھیرے رہتی ہے مجھے اکثر بلا
ہند میں موجود ہے گھر گھر بلا

میں بلا گرداں، کرو رد ہر بلا
ہو نجف مسکن، تو مدفن کربلا

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

طبع میں مولا روانی دیجیے
تشنۂ کوثر ہوں، پانی دیجیے

طاقتِ رنگیں بیانی دیجیے
دل کو شوقِ مدح خوانی دیجیے

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

آپ کا مداحِ احقر ہے انیس
سب ثنا خوانوں میں کم تر ہے انیس

عاجز و حیران و مضطر ہے انیس
بندۂ سلمان و قنبر ہے انیس

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنین! فریاد ہے

☆
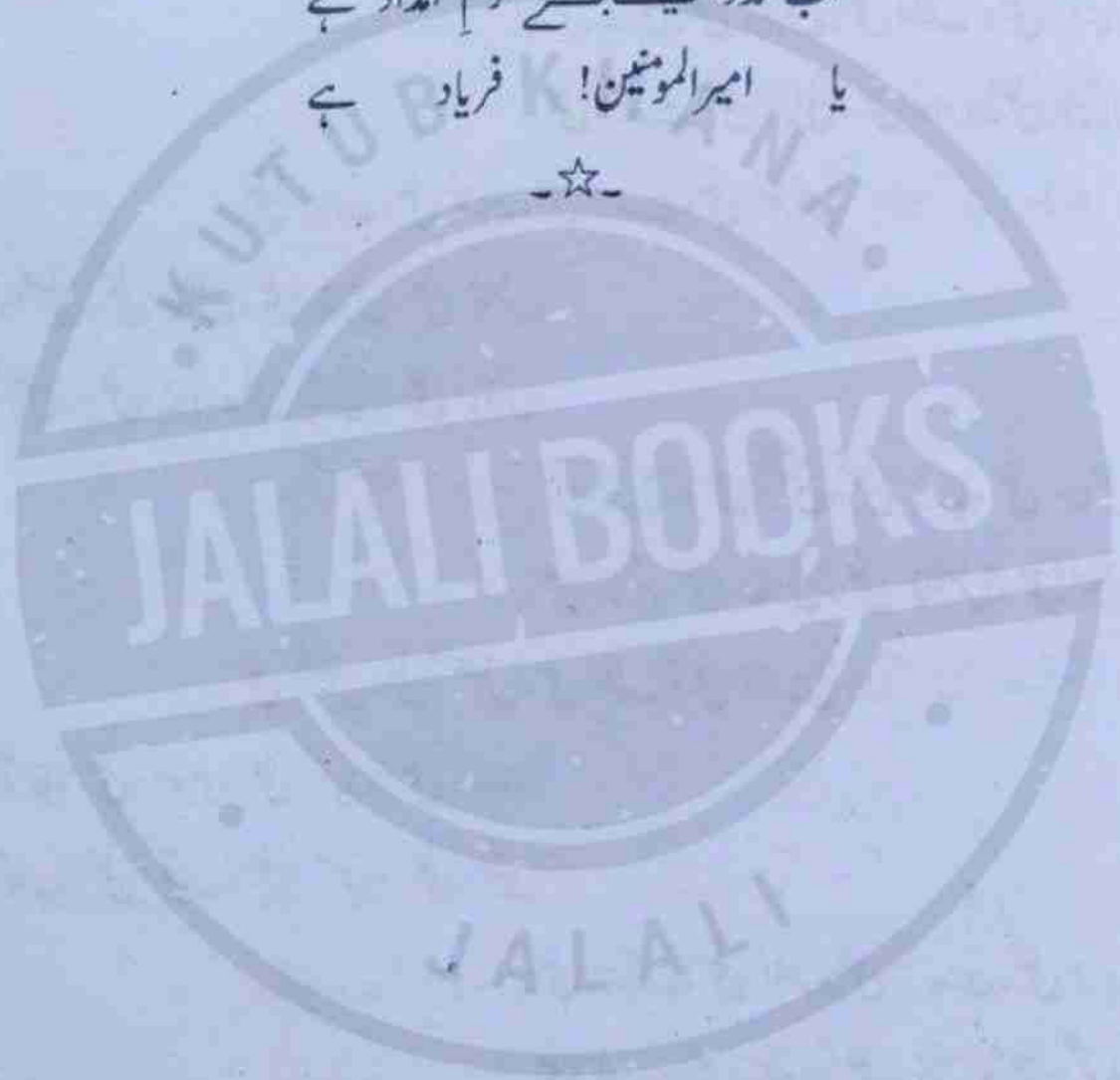
## مخمس در منقبت حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

علی فخرِ بنی آدم، علی سردارِ انس و جاں
علی سرور، علی صفدر، علی شیرِ صفِ میداں
علی ہادی، علی ایماں، علی لطف و علی احساں
علی حکمت، علی شافی، علی دارو، علی درماں
علی جنت، علی نعمت، علی رحمت، علی غفراں

علی واصل، علی فاعل، علی شامل، علی قابل
علی فیض و علی جود و علی بذل و علی باذل
علی نوح و علی کشتی، علی دریا، علی ساحل
علی عالم، علی عادل، علی فاضل، علی کامل
علی افضل، علی مفضل، علی لطف و علی احساں

علی آقا، علی مولا، علی سید، علی سرور
علی کعبہ، علی قبلہ، علی مسجد، علی منبر
علی تارک، علی افسر، علی زینت، علی زیور
علی نور و علی انور، علی دُرّ و علی گوہر
علی ساقی، علی کوثر، علی مالک، علی رضواں

علی بحر و علی معدن، علی بر و علی گلشن
علی فتح و علی نصرت، علی آرام جان و تن
علی درع، علی خود و علی تیغ و علی جوشن
علی محسن، علی احسن، علی خازن، علی مخزن
علی مامن، علی مومن، علی آہن، علی ایماں

علی مخبر، علی صادق، علی بینا، علی سامع
علی فائق، علی فاتح، علی مانع، علی قانع
علی امر و علی نہی و علی حاکم، علی نافع
علی شافع، علی نافع، علی رافع، علی واقع
علی جامع، علی قاطع، علی حجت، علی برہاں

علی عیسیٰ، علی موسیٰ، علی خضر و علی یحییٰ
علی دانا، علی بینا، علی گوہر، علی دریا
علی حاکم، علی عادل، علی جنت، علی طوبیٰ
علی قاضی، علی اقضی، علی مرجع، علی ملجا
علی یٰسین، علی طٰحٰہ، علی حرزو، علی قرآں

علی سابق، علی صادق، علی ثابت، علی قائد
علی اشرف، علی اعلیٰ، علی ناصر، علی ماجد
علی کافی، علی وافی، علی واجد، علی شاہد
علی واحد، علی زاہد، علی راکع، علی ساجد
علی مرشد، علی ہادی، علی رہبر، علی رہباں

امامِ مشرق و مغرب، شریفِ یثرب بطحا
امینِ وحیِ پیغمبرؐ امامِ مسجدِ اقصیٰ
علیم و عالمِ اسرارِ سُبحٰن الذی اسریٰ
علی والی، علی عالی، علی والا، علی اعلا
علی جامع، علی فارق، علی ادنیٰ علی فرقان

انیس، ان چند بندوں کا صلہ ہے گلشنِ جنت
نہ گھبرا اس مرض سے، بعد ہے آزار کے راحت

نئی طاقت بھی دیں گے، انکو ہے ہر طرح کی قدرت
علی فرحت علی نصرت، علی شوکت علی حشمت

علی حکمت، علی صحت، علی دارو، علی درماں

☆
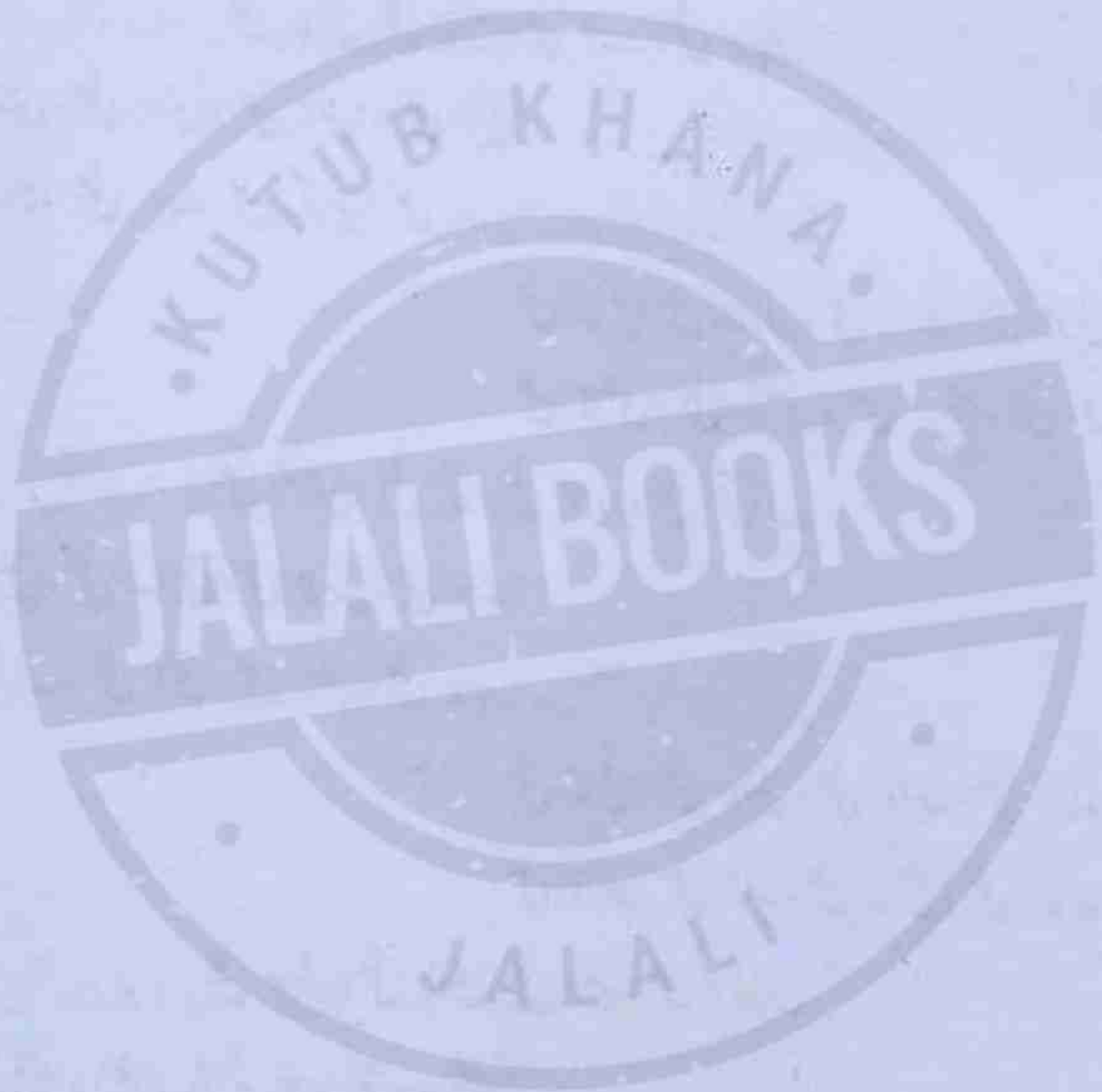
## تضمینِ انیس بر سلامِ انیس

جس کو راحت ہو سدا رنج و محن کیا جانے؟
بیٹھنا سوگ میں وہ سروِ سمن کیا جانے؟

نالہ و آہ و فغاں، غنچہ دہن کیا جانے؟
بین اے مجرئی قاسم کی دُلہن کیا جانے؟
بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے؟

چین اک دم بھی فلک نے نہ اسے دکھلایا
بھر نظر دیکھا نہ دُلہن کو، نہ کچھ فرمایا

تخت کی رات کو پیغام اجل کا آیا
رات کو بیاہ ہُوا صبح گلا کٹوایا
لطف شادی کا بھلا ابنِ حسنؑ کیا جانے؟

نیچے سہرے کے بہاتی تھی وہ دریا، رو رو
خالی کرتی تھی، بھرے دل کو سراپا، رو رو

دل میں لاتی تھی خیال اپنے وہ کیا کیا، رو رو
دم جو گھٹتا تھا یہی کہتی تھی کبرا، رو رو
کیوں مجھے چھوڑ گئے ابنِ حسنؑ کیا جانے؟

خون میں ڈوب گیا اپنے، سراپا، اصغر
تڑپا آغوش میں، اور سہم کے رویا، اصغر

چاہا سرور نے کہے حال کچھ اپنا اصغر
تیر کے درد کو کیا باپ سے کہتا اصغر
بے زباں ہوئے جو بچہ وہ سخن کیا جانے؟

پانی ملتا نہ کہیں ان کو تو کہتے تھے کہ آہ!
کس طرح سے ہمیں منزل یہ کٹے گی، اللہ

پُرخطر راہ ہے اور بچے ہیں ننھے ہمراہ
چین رستے میں نہ ملتا تو یہی کہتے تھے شاہ

مجھ سا غربت زدہ آرامِ وطن کیا جانے؟

قید میں حضرتِ سجاد تھے تصویر کی شکل
آہ سینے سے جو کھینچتی تھی تو شمشیر کی شکل

دیکھ کر کہتے تھے یوں زینب دل گیر کی شکل
عمر بھر دیکھی نہ جس نے غل و زنجیر کی شکل

وہ بھلا سلسلۂ طوق و رسن کیا جانے

چلتی تھی آٹھ پہر گرم ہوا مقتل میں
خاک میں چاند سا لاشہ تھا پڑا مقتل میں

پوچھا جب قومِ اسد سے تو کہا مقتل میں
لاشِ شبیرؑ سے آتی تھی صدا مقتل میں

کب میسر ہمیں ہووے گا کفن کیا جانے؟

کٹ گئے تیغِ ستم سے، مرے سرو و شمشاد
مثلِ قُمری ہے زباں پر مرے ہر دم فریاد

وہ کرے سیرِ چمن جس کا کہ دل ہووے شاد
باغ چلنے کو کوئی کہتا تو کہتے سجاد

مرغِ بے بال بھلا سیرِ چمن کیا جانے؟

کہتی تھی کہ ماں سے کہ اماں مری لو جلد خبر
کشمکش میں تو نکلتی نہیں جانِ مضطر

شمر سے کہہ دو مرے حلق پہ پھیرے خنجر
دم جو رُکتا تو یہ کہتی تھی سکینہ رو کر
کب کھلے گی مری گردن سے رسن، کیا جانے؟

کیسے کانٹے ہیں پڑے، میری زباں کو دیکھو
اینٹھی جاتی ہے حرارت سے، خبر آن کے لو

دم ہے آنکھوں میں، نظر آتا ہے مرنا اب تو
کہتی تھی پیاس کی شدت میں سکینہ رو رو
ہوگا کب پانی سے تر، خشک دہن، کیا جانے؟

ماں کو ارمان تھا جس لال کا، یہ پاؤں چلے
اُس نہالِ چمن شاہ پہ یوں تیر لگے

اُٹھ گئے گلشنِ ہستی سے نہ پھولے نہ پھلے
داغ اصغر کا کوئی بانو کے دل سے پوچھے
چھد گیا کس کا جگر، تیر فگن کیا جانے؟

مجھ کو اس چرخ ستم گر نے دیے غم کیا کیا؟
نہ رہی مادرِ غم خوار، نہ سر پر بابا

اُٹھ گئے آگے سے میرے حسن سبز قبا
کہا زینب نے کہ شبیرؑ سا بھائی نہ رہا
کیوں سلامت رہی دنیا میں بہن، کیا جانا؟

جانتے ہوں گے مجھے شاہ صحیح و سالم
جان اپنی تو گئی، حق رکھے ان کو قسم

اُن کو کس طرح کروں ان کی دغا سے عالم
قتل کے وقت یہی کہتے تھے دل سے مسلم

کیا کریں شاہ سے یہ عہد شکن، کیا جانے؟

ٹکڑے ہو جائے گا اب لختِ جگر زہراؑ کا
آگ خیموں میں لگا، لوٹیں گے گھر زہراؑ کا
بے خبر ان سے ہے وہ نورِ نظر زہراؑ کا
ردِ دعوت نہیں کرنے کا پسر زہراؑ کا

اس عداوت کو وہ سلطانِ زمن، کیا جانے؟

ہو گیا ٹکڑے جگر، خونِ دل آنکھوں سے بہا
درد والو! وہ نمایاں ہوئی سینے سے صدا
جانِ بسمل ہے لہو، خنجرِ غم دل پہ چلا
زخمی شبیرؑ نے اکبر کو جو دیکھا تو کہا

ٹکڑے کب تیغوں سے ہوگا مرا تن، کیا جانے؟

تنگ اُس گھر میں جو راحت اُسے حاصل نہ ہوئی
مستعد مرنے پہ تھی، زیست پہ مائل نہ ہوئی
جان آسانی سے دی، کچھ اُسے مشکل نہ ہوئی
قیدِ زنداں کی سکنہ بر متحمل نہ ہوئی

ناز پروردہ، غم و رنج و محن کیا جانے؟

میری قدرت نہیں، پوچھوں جو سبب میں اس کا
رازِ پنہاں تو یہ میرے درِ دل پر نہ کھلا
پر خیال آتا ہے، مرنے کا نہ ہو قصد کیا
شہ نے ملبوس جو مانگا تو یہ زینب نے کہا

زیبِ تن ہوتا ہے کیوں، رختِ کہن کیا جانے؟

پسرِ سعد نے پانی پہ کیا ہے قدغن
کہ کسی پیاسے کا تر ہو نہ ذرا خشک دہن

سن کے یہ شمع نمط رہ گئی خاموش بہن
بولے شہ پانی تو ملتا نہیں بعدِ مُردن

کوئی دے گا کہ نہ دیوے گا کفن، کیا جانے؟

جنگ میں آگے قدم اپنے ہیں دھرتے جاتے
دے کے سر، دارِ فنا سے ہیں گذرتے جاتے

کثرتِ فوج سے ہرگز نہیں ڈرتے، جاتے
اہلِ کیں کہتے تھے ہنس ہنس کے ہیں مرتے جاتے

کیا جگر رکھتے ہیں ہفتاد و دوتن کیا جانے؟

کھینچ کر تیغ در آتا تھا کوئی شہ کے قریں
کوئی کہتا تھا (مصرعہ ناتمام ہے)

شمر کہتا تھا پھرا دُوں میں ابھی خنجرِ کیں
ظلم جو ہوتے تھے فرماتے تھے سجاد حزیں

ہم سے برگشتہ ہے کیوں چرخِ کہن، کیا جانے؟

فاطمہ نے سُنی جس وقت یہ حوروں سے خبر
یعنی شبیرؑ کی گردن پہ پھرایا خنجر

آئی مقتل میں وہ سر پیٹتی تفتیدہ جگر
لاشِ شبیرؑ پہ زہراؑ نے کہا رو رو کر

قبلہ رُو خاک پہ کس کا ہے تن، کیا جانے؟

تُو نے بستانِ سخن میں کیا نام اپنا انیس
گلِ مضموں سے معطر ہے مشام اپنا انیس

خاکساری صفتِ خلق ہے کام اپنا انیس
کیوں کہ کم رُتبہ نہ سمجھوں میں کلام اپنا انیس

مرتبہ مشک کا آہوئے ختن، کیا جانے؟

☆
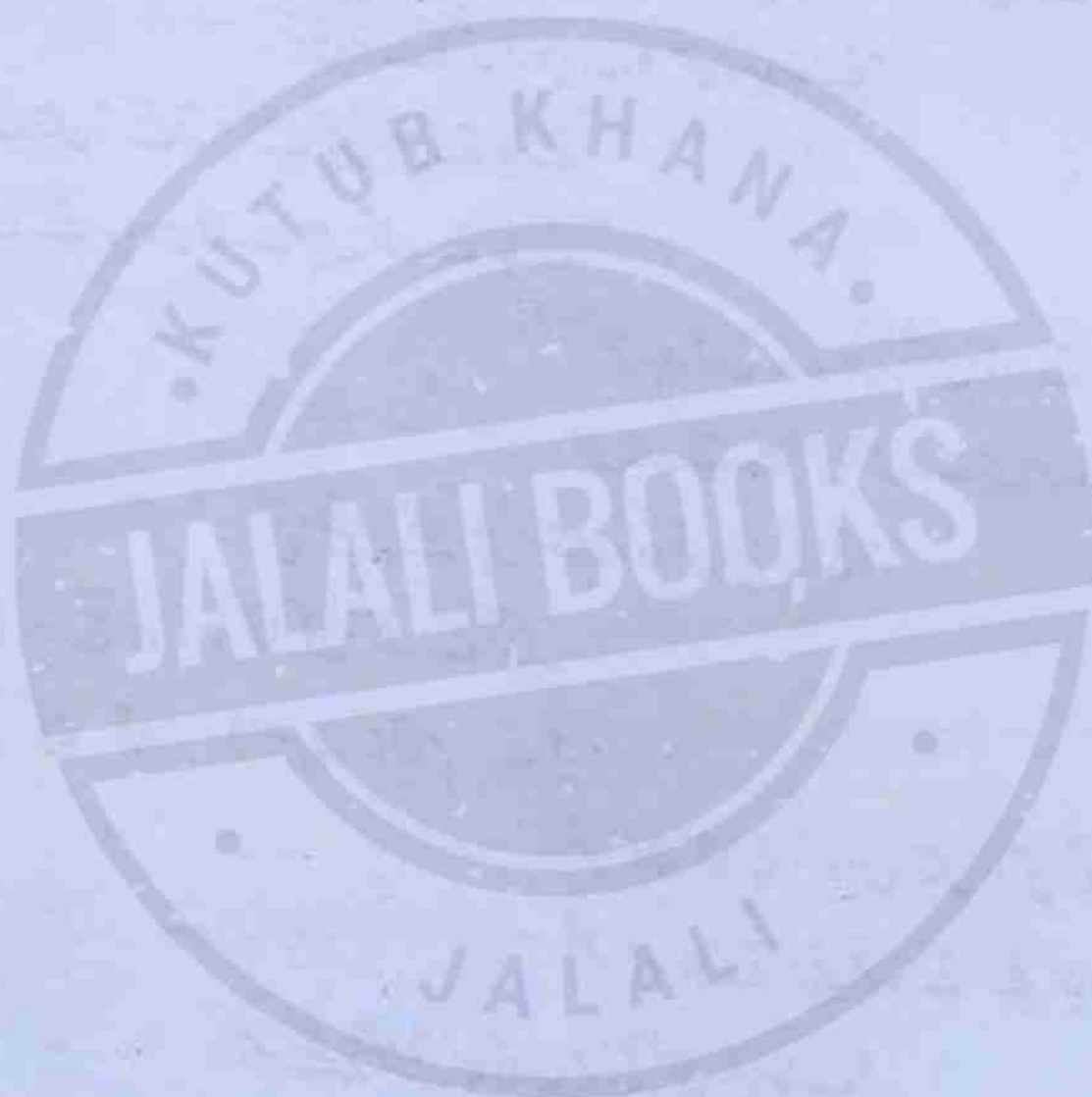
## تضمینِ انیس بر سلامِ انیس

یوں ہی زیست کے دن گزر جائیں گے
تاسف رہے گا جو مر جائیں گے

گنہ کم نہ ہو گا جدھر جائیں گے
سلامی درِ شہہ پہ گر جائیں گے
تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے

نہ ہو ہند میں منزلِ عمر طے
مدد کر اب اے خضرِ فرخندہ پے

تڑپتا رہوں ہجر میں تابہ کے
ہر اک آن یاں زندگی موت ہے
جئیں گے، جو واں جا کے مر جائیں گے

لگے گی اگر آنسوؤں کی جھڑی
اٹھائے گا یہ ابر شرمندگی

سمندر نہ ہم چشم ہو گا کبھی
چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

غمِ شہ میں کہتے تھے عابد یہی
عبث مانعِ گریہ ہیں یہ شقی

رُکی ہے کسی سے کبھی سیل بھی
چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

پڑے تھے جو چہروں پہ زلفوں کے بال
عیاں تیوروں سے علیؑ کا جلال
دھرے ہاتھ قبضوں پہ بہرِ جدال
لعینوں سے کہتے تھے زینب کے لال
جو کچھ ہم سے ہو گا وہ کر جائیں گے

شجاعت میں ہم ہیں عدیم النظیر
پلے پی کے ہم بنتِ زہرا کا شیر
ہمارا ہے نانا امیرِ کبیر
نہ دکھلاؤ تیغیں سمجھ کر صغیر
ہم ایسے نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے

حرم رو کے جب ذکر کرتے کبھی
ہمیں ان کی شادی کی حسرت رہی
نہ سہرا بندھا اور نہ مہندی لگی
یہ کہتی تھی بانو خبر کس کو تھی
کہ اکبر جواں ہو کے مر جائیں گے

ملی لذتِ میہمانی انیس
بس اب تلخ ہے زندگانی انیس
فزوں حد سے ہے ناتوانی انیس
ملے گا جو اب بھی نہ پانی انیس
تڑپ کر کئی طفل مر جائیں گے

عبث ہو مری راہ روکے ہوئے
پھروں گا نہ گر خوں بھی میرا بہے

زیادہ تو پانی نہیں مانگتے
سکینہ کی اس ننھی سی مشک سے
جو ہے نہر خالی تو بھر جائیں گے

اِسی سوچ میں تھے، امامِ زمن
کہ بے کس کو یاں کون دے گا کفن
کہن جامۂ شہ جو لائی بہن
پہن کر کہا شہ نے رختِ کہن
یہ کپڑے بھی تن سے اُتر جائیں گے

پسِ خیمہ اماں بھی اب روئیں گی
خدیجہ بھی اشکوں سے منہ دھوئیں گی
کرو صبر گر قسمتیں سوئیں گی
مصیبت کی راتیں بسر ہوئیں گی
نہ روؤ یہ دن بھی گزر جائیں گے

جو چاہوں تو بدلا ابھی ان سے لوں
پہ صابر ہوں کیا بددُعا ان کو دوں
یہ ظالم کریں تو کریں میرا خوں
خُدا تو ہے شاہد کہ بے جُرم ہوں
چھپیں گے کدھر اور کدھر جائیں گے

جب آئیں گے محشر میں اہلِ فساد
خُدا اُن سے پوچھے گا وجہِ عناد
ستم کر کے ہو لیں یہاں آج شاد
ملے گی قیامت میں اِس خوں کی داد

فدک یہ نہیں جو مکر جائیں گے

جو ہے لطف تیری زباں میں انیس
وہ ہے اور کس کی زباں میں انیس

ترا غل ہے ہندوستاں میں انیس
خدا بات رکھ لے جہاں میں انیس
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

☆

# تضمینِ انیس بر سلامِ مرزا فصیح

غل ہے جہاں میں مری تقریر کا
نظم میں ہر مصرعہ ہے تاثیر کا

ہے یہ سبب عزت و توقیر کا
ہوں میں سلامی شہِ دلگیر کا
مومنو مداح ہوں شبیرؑ کا

بھولتی اک دم نہیں ہے یادِ شام
وردِ زباں ہے شہِ والا کا نام

نالہ و اندوہ سے ہے دل کو کام
روتا ہوں جب کرتا ہوں موزوں کلام
ہے یہ سبب نظم کی تاثیر کا

سینے میں جو آتشِ غم تیز ہے
آہِ دلِ زار شرر ریز ہے

اشک میں خونِ جگر آمیز ہے
دل غمِ شبیرؑ سے لبریز ہے
ورد ہے ہر دم مری تقریر کا

پڑھنا ہے قرآن کا، مقدم پڑھو
مرثیۂ شاہ بھی ہر دم پڑھو

محفلِ غم میں کتبِ غم پڑھو
اہلِ عزا سورۂ مریم پڑھو
شوق اگر ہے تمھیں تفسیر کا

ہائے یہ خاصانِ خدا دُکھ سہیں
بس میں ستم گاروں کے قیدی رہیں
حال جو اِن کا ہے اُسے کیا کہیں
اشک مرے کیوں نہ مسلسل بہیں
دھیان ہے بیمار کی زنجیر کا

رونا ہے اب شہ کے لیے فرضِ عین
دشتِ ستم میں نہ ملا جس کو چین
آہ نہ کس طرح کروں شور و شین
یاد مجھے آتا ہے حلقِ حسینؑ
حلق کٹا دیکھ کے نخچیر کا

برچھی کا پھل دیکھوں جو میں نامراد
ہوتا ہے دل پر غمِ اکبر زیاد
خاطرِ غمگیں نہیں اک لحظہ شاد
تیر و کماں دیکھ کے آتا ہے یاد
زخمی گلا اصغرِ بے شیر کا

ننھی سی جاں پر جو یہ صدمہ ہوا
درد سے تھرانے لگے دست و پا
بات نہ کچھ کرنے کا یارا رہا
دیکھ کے بابا کی طرف ہنس دیا
زخم لگا حلق پہ جب تیر کا

خون جو ٹپکنے لگا سوفار سے
جان نے رخصت لی تنِ زار سے

اشک بہے چشمِ گہربار سے
چوم لیا شاہ نے منہ پیار سے
خون میں ڈوبی ہوئی تصویر کا

گر جو پڑے خاک پہ گھوڑے سے شاہ
پیاس سے حالت تھی نہایت تباہ
گرد تھی زخمی کے عدو کی سپاہ
کاٹ لے سر شاہ کا جس دم یہ آہ
قصد ہوا ظالمِ بے پیر کا

کھینچ کے تب شمر نے تیغِ دو دم
سینۂ پُرنور پہ رکھا قدم
کانپ گئے کرسی و لوح و قلم
شہ نے کہا سجدے کو ہونے دے خم
وقت نہیں ہے مری تکبیر کا

عرش کے حامل کریں جن کا ادب
اُن پہ یہ ظلم اور یہ رنج و تعب
حاکمِ فاسق کرے اُن کو طلب
شان میں جن بی بیوں کے، ہے غضب
ہوئے نزول آیۂ تطہیر کا

سر کھلے بلوے میں ہوں وہ خوش صفات
ہائے ستم اور کوئی پوچھے نہ بات
خلق میں ہے عقدہ کشا جن کی ذات
اُن کے بندھے شام میں رسّی سے ہات

حال یہ ہو عترتِ شبیرؑ کا

سائے سے بھی اپنے جنھیں تھا حذر
شام میں ہے ہے وہ پھریں در بدر
ظالموں کی عورتیں ہوں اپنے گھر
بانوئے شبیرؑ کا عُریاں ہو سر

منہ ہو کھلا شاہ کی ہمشیر کا

کوئی ردا دے تو کہیں کینہ جو
ہیں یہ گنہگار انھیں چادر نہ دو
ہاتھوں سے اور بالوں سے منہ ڈھانپ لو
بلوے میں اس شکل سے ناموس ہو

سیدِ باعزت و توقیر کا

ذبح جو وہ شاہ شہیداں ہُوا
نازنیں تن خون میں غلطاں ہوا
دفن ہر اک دشمنِ دیں واں ہوا
روتی تھی زینب کہ نہ ساماں ہوا

تربتِ شبیرؑ کی تعمیر کا

تیرِ ستم چلتے تھے سوئے حسینؑ
سیکڑوں ظالم تھے عدوئے حسینؑ
خشک تھا بن پانی گلوئے حسینؑ
تر ہوا سب خون سے روئے حسینؑ

زخم لگا سر پہ جو شمشیر کا

جب کہا دلہا نے دلہن سے کہو
مرنے کا صاحب ہمیں اب اذن دو

شرم سے تادیر نہ کچھ بولی وہ
پڑھ کے جو نوشاہ نے تعویذ کو
ذکر کیا باپ کی تحریر کا

شکلِ قلم سینے میں دل شق ہوا
اشکوں کا سہرا سا بس اک بندھ گیا

زانوئے اندوہ پہ سر کو جھکا
بولی دلہن جو کہ چچا نے لکھا
تھا یہی لکھار مری تقدیر کا

مثلِ انیس اب ہے فراغت فصیح
ہوں میں غنی شہ کی بدولت فصیح

خاک مجھے زر کی ہو حسرت فصیح
جب سے ملا صرۂ تربت فصیح
شوق نہیں ہے مجھے اکسیر کا

-☆-

## تضمینِ انیسؔ بر سلامِ مونس

چمکا خدا کے عرش کا اختر کہاں کہاں
کھایا علیؑ کے چاند نے چکر کہاں کہاں

پہنچا سناں پہ نیرِ اکبر کہاں کہاں
اے مجرئی! گیا سرِ سرور کہاں کہاں
قراں لیے پھرے ہیں ستم گر کہاں کہاں

یثرب میں پوچھتا تھا جو شہ سے بچشمِ تر
دل مضطرب ہے اے اسداللہ کے پسر

کعبے سے جایئے گا کہاں، قصد ہے کدھر؟
کہتے تھے شاہ، ہے یہ سفر آخری سفر
لے جائے دیکھیں ہم کو مقدر کہاں کہاں

بعدِ پدر اسیری زنداں کے دکھ اٹھائے
چھوٹے تو نابلد تھے کہیں بھاگنے نہ پائے

وا غربتا! کہ پنجۂ حارث میں دونوں آئے
مسلم کے لاڈلوں کو نہ چھوڑا اجل نے ہائے
چھپتے پھرے وہ بیکس و مضطر کہاں کہاں

دیکھا حواس باختہ جب حُر کی فوج کو
جانا کہ تشنگی ہے غضب حُر کی فوج کو

اپنے قریب کر کے طلب حُر کی فوج کو
پانی دیا امام نے سب، حُر کی فوج کو
برسا سحابِ رحمتِ داور کہاں کہاں

کچھ دردِ دل کا حال سناؤ تو باپ کو
مرتے ہوئے گلے سے لگاؤ تو باپ کو
برچھی کہاں لگی ہے! بتاؤ تو باپ کو
کہتے تھے رو کے شاہ، دکھاؤ تو باپ کو
کھائے ہیں زخم اے علی اکبر کہاں کہاں

ہوں بے گناہ، فوجِ غریباں گواہ ہے
نہ کوئی آشنا، نہ کوئی خیرخواہ ہے
گردابِ غم میں تیرے کرم پہ نگاہ ہے
سجاد کہتے تھے مری کشتی تباہ ہے
یارو! سنبھالوں طوق کا لنگر کہاں کہاں

سارا زمانہ غرب سے دشمن ہے تا بہ شرق
دریا پہ یہ ستم ہوں تو تڑپے مثالِ برق
تو رحم کر، صبر و رضا میں نہ آوے فرق
بابا تو سر کٹا کے ہوئے بحرِ خوں میں غرق
میں کھینچتا پھروں تنِ لاغر کہاں کہاں

دیکھے نہ یہ سُنے کسی مجروح کے حواس
ضربیں گلے پہ چلتی تھیں اور کچھ نہ تھا ہراس
سوکھی زباں لبوں پہ پھرا کر بہ درد و یاس
قاتل سے شاہ کہتے تھے، کیوں دیکھی میری پیاس
انصاف کر، رُکا ترا خنجر کہاں کہاں

چلّا رہی تھیں بانوئے سلطانِ مشرقین
ہے ہے حسینؑ، ہائے محمدؐ کے نورِ عین

سر پیٹتی تھی بالی سکینہ بہ شور و شین
مقتل میں شہ کی لاش پہ زینب کے تھے یہ بین
اے بھائی روئے زینبِ مضطر کہاں کہاں

بے دست ہے کہیں مرا عباسِ نام ور
قاسم کہیں پڑا ہے زمین پر کٹائے سر
اک سوگوار خاک اڑائے کدھر کدھر
ہیں غرقِ خوں کہیں تو بھتیجے، کہیں پسر
پیٹے سر اپنا جا کے یہ خواہر کہاں کہاں

ہوتی ہیں شہر شہر اس غم کی مجلسیں
ہر جا ہیں نذرِ سرورِ عالم کی مجلسیں
کس جا نہیں ہیں ماہِ محرم کی مجلسیں
گھر گھر بپا ہیں شاہ کے ماتم کی مجلسیں
جا جا کے روئے عاشقِ حیدر کہاں کہاں

ہر ذی حیات پر ہے یہ صدمہ جہان میں
ہر عضو میں یہ درد ہے، ہر استخوان میں
تن میں، رگوں میں، روح میں، لب میں، زبان میں
دل میں، جگر میں، سینۂ پرخوں میں جان میں
ڈوبا ہے ایک غم کا یہ نشتر کہاں کہاں

جن و ملک کے دل ہیں سدا اضطرار میں
نالاں ہیں بلبلیں چمنِ روزگار میں
ماہی بھی مبتلا ہے اسی خار خار میں
افلاک میں، زمین میں، ہوا میں، بحار میں

برپا ہے ایک ماتمِ سرور کہاں کہاں

یہ رحمتیں، یہ لطف و کرم کب ہے ابر میں
تسکیں ابھی عطا ہو، جو فرق آوے صبر میں
اللہ رے اختیار، مصیبت میں، جبر میں
دُکھ میں، مرض میں، نزع میں ایذائے قبر میں
دیکھو مدد کو آتے ہیں حیدرؑ کہاں کہاں

ہر جا چلی، پھری سپہِ اہلِ غدر میں
گردن میں، سر میں، شانے میں، پہلو میں، صدر میں
بالا رہی قمر سے بھی رفعت میں قدر میں
صفین میں حنین میں، خیبر میں، بدر میں
چمکی علیؑ کی تیغِ دو پیکر کہاں کہاں

باغی کمی نہ کرتے تھے، بدعت میں، کینے میں
شاخیں نئی نکالتے تھے ہر مہینے میں
کیوں خار خارِ غم نہ ہو بلبل کے سینے میں
مشہد میں، کربلا میں، نجف میں، مدینے میں
بکھرے گلِ ریاضِ پیمبرؐ کہاں کہاں

کوفے میں، شام میں، حبش و زنگبار میں
خوش بو گئی جزیروں میں اور کوہسار میں
یاں ہے سوادِ ہند بھلا کس قطار میں
چیں میں، ختن میں، دشتِ خطا میں تتار میں
مہکی شمیمِ کاکلِ سرور کہاں کہاں

نکہت وہ مشکِ تر کی جو تھی تار تار میں
تاروں سے پہنچی دامنِ ابرِ بہار میں
بادِ بہار لے کے گئی ہر دیار میں
چیں میں، ختن میں، دشتِ خطار میں، تتار میں
مہکی شمیمِ کاکلِ سرور کہاں کہاں

گزرے ستم جو مالکِ کوثر پہ دہر میں
ہے پیچ و تاب بحر کی ایک ایک لہر میں
کیوں سرخ آندھیاں نہ اٹھیں شہر شہر میں
صحرا میں، قتل گاہ میں، ریتی میں، نہر میں
ٹپکا ہے خونِ سبط پیمبر کہاں کہاں

ہر دم سرِ بُریدہ تھا ایذائے سخت میں
روتا تھا خوں، فراقِ تنِ لخت لخت میں
پر تھی پسِ فنا بھی صعوبت جو بخت میں
چوبِ سناں میں، قلعے کے در میں، درخت میں
لٹکا ہے شہ کا فرقِ مطہر کہاں کہاں

تھا ماہِ فاطمہؑ پسِ مُردن بھی سیر میں
گہ اپنی انجمن میں، کبھی بزمِ غیر میں
گہ زیرِ کوہ، گاہ مکانِ عذیر میں
صندوق میں، تنور میں، زنداں میں، دیر میں
رکھا حسینؑ کا سرِ انور کہاں کہاں

بے پردہ شہر شہر گئے اژدہام میں
پہنچے یزیدِ نحس کے دربارِ عام میں

دیکھے حدیث، شک ہو جسے اس کلام میں
رے میں، دیارِ کوفہ میں، اقلیمِ شام میں
آلِ نبیؐ پھرے ہیں کھلے سر کہاں کہاں

لکھا ہے بنتِ فاطمہ کی سرگذشت میں
پیٹی منہ اپنا، دیکھ کے سر شہ کا طشت میں
آنسو تھمے نہ تا بہ وطن بازگشت میں
شہروں میں، جنگلوں میں، پہاڑوں میں، دشت میں
بھائی کو روئی زینبِ مضطر کہاں کہاں

حالِ عوام جانتے ہیں صاحب علوم
جو خاص ہیں اسی طرف ان سب کا ہے ہجوم
اکثر انیس نے یہ کہا ہے، علی العموم
مونس ترے سخن کی ہوئی شش جہت میں دھوم
تیغِ زباں کے پہنچے ہیں جوہر کہاں کہاں

☆